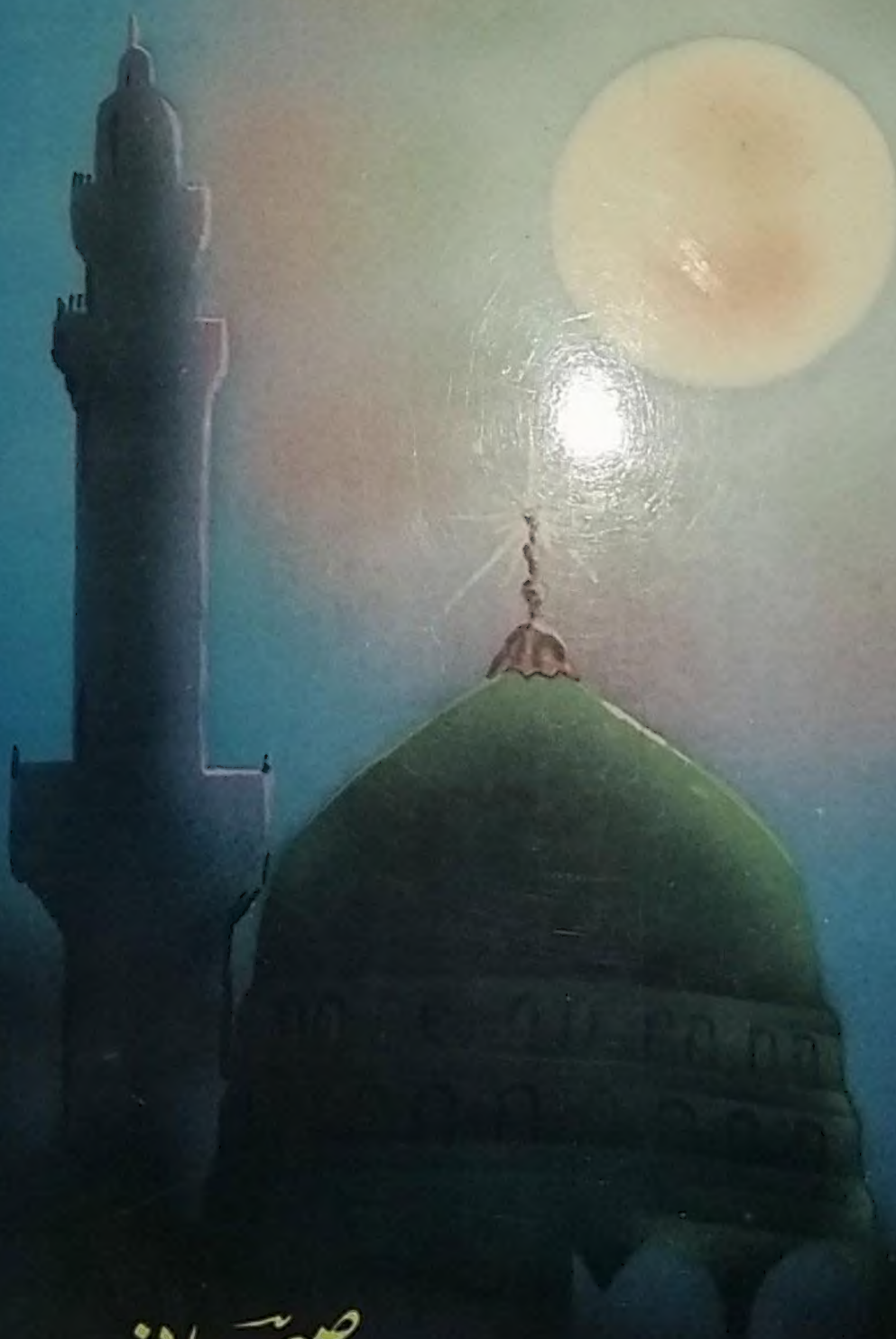


نعت رنگ



صبحِ رحمانی





نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

نعت برکات

مدیر:
صبحِ رحمانی

معاونت:

رشید وارثی عزیز احسن
سید معراج جامی انور حسین صدیقی

احیاءِ نعت

نعت رنگ	شمارہ ۳
اشاعت اول	ستمبر ۱۹۹۶ء
قیمت	۱۵۰ روپے
کمپوزنگ	میڈیا کمپوزنگ سروس فون 2634334
سرورق	رشید صدیقی
تصحیح کتابت	مولانا شاہ محمد تبریزی
جلد سازی	رحمت علی بک بائڈنگ، ناظم آباد نمبر ۲
بہ اشتراک	طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی
ناشر	اقلیم نعت
تقسیم کار	پنجاب بک ہاؤس اردو بازار کراچی
"	مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور

مدیر و پبلشر صبیح رحمانی نے

ایس اے اے پرنٹرز سے چھپوا کر صدر دفتر اقلیم نعت

۲۵- ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹس فیز ۵ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰

پاکستان سے جاری کیا۔



Faalce's
Book Collection
Acc. #
Call #

3348
997.28
ص ب ی

اُردو نعت

ۛ

عناصرِ خمسہ

حضرت محسن کاکورویؒ

حضرت امیر مینائیؒ

مولانا الطاف حسین حالیؒ

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ

اور

علامہ محمد اقبالؒ

کے نام

دھنک

حمد.....حفیظ تائب.....۸

احوال.....صبح رحمانی.....۹

مقالات

- ۱۳ اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کا استقصار.... رشید وارثی
- ۳۶ نعت پر تنقید (دوسرا رخ).... پروفیسر عاصی کرنالی
- ۴۴ اردو نعت اور جدید اسالیب.... عزیز احسن
- ۷۹ اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار.... ڈاکٹر عصمت جاوید
- ۸۸ امام احمد رضا اور محسن کا کوروی.... ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- ۱۰۴ بانگ در را کی نعتیہ تب و تاب.... پروفیسر محمد اقبال جاوید
- ۱۱۵ حافظ میر الدین احمد میر سندیلوی کی نعتیہ شاعری.... سلیم فاروقی
- ۱۳۵ نعت قرآن اور شاعری.... مولانا شاہ محمد تبریزی
- ۱۵۰ نعت خوانی کے آداب اور اصلاح و متعلقات.... پروفیسر افضال احمد انور
- ۲۰۲ فیصل آباد کا نعتیہ منظر نامہ.... پروفیسر شبیر احمد قادری

پنچر

- ۲۰۹ اردو میں نعت کا مستقبل.... ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

فکرو فن

- ۲۲۴ نعت خوان و نعت نگار محمد اعظم چشتی.... حفیظ تائب
- ۲۲۹ جاذب قریشی جدید تر لہجے کا شاعر.... عزیز احسن

مطالعات نعت

۲۳۶

حاصل مطالعہ.... شفیق الدین شارق

حرمِ حرف

۲۵۲

گوشہ صبا کبر آبادی

۲۶۳

گوشہ سید محمد ابوالخیر کشتی

خاکہ

۲۷۸

ہمارے بپا.... بلقیس شاہین

منظوم تراجم

۲۸۶

ہشام علی حافظ.... سید ابوالخیر کشتی

۲۸۹...

مرزا مظہر جان جاناں.... پروفیسر سحر انصاری

مدحت

۲۹۰

سرور بارہ ہنگوی، تابش دہلوی، احمد ندیم قاسمی، فدا خالدي دہلوی، افسر ماہ پوری، حنیف اسعدی،
 نعیم صدیقی، عبدالعزیز خالد، مظفر وارثی، حمایت علی شاعر، انور سدید، وقار صدیقی، سرشار صدیقی،
 محسن بھوپالی، انور مسعود، ریاض مجید، والی آسی، واصل عثمانی، وسیم بریلوی، راجا رشید محمود،
 ریاض حسین چوہدری، تحسین فراقی، نقوی احمد پوری، عرفان بجنوری، عبدالنعیم عزیزی، اعجاز
 رحمانی، انجم نیازی، امیر الاسلام ہاشمی، احسن زیدی، حاصل مراد آبادی، شفیق الدین شارق،
 غالب عرفان، اشتیاق طالب، احمد صغیر صدیقی، اقبال حیدر، رشید وارثی، قمر زیدی، قمر وارثی، سید
 معراج جامی، منصور ملتانی، عرش ہاشمی، شامین فصیح ربانی، افضل احمد انور، طاہر علی خان تشنہ،
 عزیز الدین خاکی، رئیس احمد رئیس، صبیح رحمانی

ہائیکو

۳۲۶

بیکل اتسای، محسن بھوپالی، اقبال حیدر، عزیز احسن، سہیل غازی پوری، رونق حیات، معراج
حسن عامر، آفتاب مضطر

خطوط

۳۲۹

ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی،
ڈاکٹر انور سدید، حفیظ مائب، ڈاکٹر تحسین فراقی، پروفیسر وسیم بریلوی، پروفیسر عاصی کرنالی، محسن
بھوپالی، نقوی احمد پوری، ڈاکٹر احسان الحق، عبدالقیوم لطفی، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، اشتیاق
طالب، وامتق عدنان، احمد صغیر صدیقی، شبیر احمد قادری، سجاد خن، ارشد اقبال

www.facebook.com/Naat.Research.Centre

محمد

تو خالق ہر عالم کا یا حی و یا قیوم
 تو ظاہر بھی باطن بھی یا باری یا فاتح
 تو ہے نور ارض و سما یا قادر یا قدوس
 نور ترا ہے طاق کے اندر جلتا ایک چراغ
 تو حنان ہے تو منان ہے تو رحمن و رحیم
 پیدا کر کے انسان کو دی قرآن کی تعلیم
 تو نے ملک کو رفعت دی اور قائم کی میزان
 تو نے زمیں کا فرش بچھا کر اس کو کیا سرسبز
 تو ہے ہر پل تیرا رنگ نیا یا حی و یا قیوم
 سب میں بس کر سب سے جدا یا حی و یا قیوم
 نور نور سے اپنے راہ دکھا یا حی و یا قیوم
 یا اک تارا میرے سما یا حی و قیوم
 احسن تیرے سب اسماء یا حی و یا قیوم
 بخشے تو نے نطق و نوا یا حی و یا قیوم
 تو ہے ملکہ روز جزا یا حی و یا قیوم
 تو ہے کفیل نشوونما یا حی و یا قیوم
 وصف کہاں تک لکھے تیرے تائب پہچان
 کیا وہ اور کیا اس کی ثناء یا حی و یا قیوم

حفظ تائب

آغاز ربّ رحمن و رحیم کے نام سے ثنائے رسول ہاشمیؐ کے بعد

احوال

نعت رنگ کا تیسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اگرچہ نعت رنگ کی اشاعت کے عرصہ اور مدت کے سلسلے میں ہم نے قارئین سے نہ کوئی وعدہ کیا ہے اور نہ دعویٰ مگر ہمارا احساس ہے کہ اس بار خاصی تاخیر ہو گئی ہے۔

اس تاخیر کے کئی اسباب ہیں۔ اچھے مضامین اور تحریروں کی فراہمی خاصاً مبرا آزما اور مشکل کام ہے، پھر اشتہارات کی فراہمی۔ اردو دنیا کی تین بڑی زبانوں میں سے ایک ہے لیکن وابستگان دامن اردو اپنے کسی رسالے کو اشتہارات سے بے نیاز نہیں بنا سکے سنجیدہ رسائل و جرائد کی اشاعت ایک ہزار نسخوں تک محدود رہتی ہے۔

نبی اکرمؐ کی محبت اساس ایمان ہے لیکن یہ محبت ہر موسم میں ہمارے معاشرے اور کردار کا اساسی حصہ بننے کی جگہ مجالس نعت و سیرت تک محدود ہے اور وہ بھی ربیع الاول کے مہینے میں۔ نعت گوئی اور نعت خوانی کا ذوق عام ہے مگر نعتیہ مجموعے ناشر کی دکان یا شاعر کے گھر میں مدتوں رکھے رہتے ہیں۔ اس کا ایک سبب عام کتب فروشوں کا رویہ بھی ہے کیا ہی اچھا ہو کہ پاکستان کے ہر بڑے شہر میں سیرت کی کتابوں، نعتیہ مجموعوں اور رسالوں کے لیے کم سے کم ایک معقول مرکز ہو۔ ان حالات اور اس پس منظر میں نعت رنگ کی مقبولیت اور اہل دل کے ساتھ ساتھ اہل ادب اور اہل نظر کا التفات۔۔۔۔۔ ہم اسے اللہ تعالیٰ کا کرم اور نبی محترمؐ کی عنایت سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال ہمارے ذہن میں اس وعدہ الہی سے پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں ہونے دیتا۔

میں نے جب یہ سفر شروع کیا تو دو چار ساتھی ہی ساتھ تھے مگر الحمد للہ اب یہ قافلہ خاصاً وسیع ہے جس میں لکھنے والے اور پڑھنے والے سبھی شامل ہیں پاکستان کے علاوہ بھارت، عرب امارات، سعودی عرب، یورپ کے ممالک اور امریکا میں بھی وابستگان اردو "نعت رنگ" کا انتظار کرتے ہیں۔ ہمیں جو خطوط موصول ہوتے ہیں ان میں سے کچھ منتخب خطوط ہم شائع کرتے ہیں جن سے آپ کو اردو دنیا کے ان

اصل نظر کے تاثرات کا اندازہ ہو سکتا ہے اس اعتبار سے بھی نعت رنگ ایک محفل بننا جا رہا ہے جس میں دور و نزدیک کے مہمان شامل ہو رہے ہیں۔

نعت سے متعلق نعت رنگ سے پہلے بھی کئی اہم رسائل شائع ہو رہے تھے ان رسالوں نے بہت مفید کام کیا ہے۔ ان کے ذریعہ اگر نعت گو شعرا کا کلام محفوظ ہو گیا ہے ان کے منتجات بڑی افادیت کے حامل ہیں ان کے خاص نمبر تحقیقی حوالے سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ان میں نعت اور نعت گو شعراء پر قابل قدر مضامین شائع ہوئے ہیں لیکن نعت رنگ کو اللہ نے بعض پہلوؤں سے اولیت کا شرف عطا کیا ہے یا بعض باتوں اور موضوعات کو نعت رنگ نے زیادہ سنجیدگی، مہمرائی اور گیرائی دی ہے۔ نعت کے تقدس سے تو کافر بھی انکار نہیں کرتے لیکن نعت کے فنی پہلوؤں پر گفتگو خاصی محدود رہی ہے۔ نعت سے متعلق مقالوں اور کتابوں کا ہمیں علم ہے لیکن ان میں سی بیشتر تذکرہ کی سطح سے بلند نہیں ہوتیں... نعت کے دو پہلو ہیں ایک ادبی و فنی اور دوسرے پہلو کا تعلق مضامین سے ہے جس کا رشتہ اسلام کے بنیادی عقاید سے جا ملتا ہے نعت رنگ کے نقادوں نے دونوں پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ ان پہلوؤں پر ہم نے معتبر نقادان ادب سے تعاون چاہا، ان کی خدمت میں بار بار حضرات دیں لیکن ان کی مصروفیات کی بناء پر ہمیں ان کا تعاون حاصل نہ ہو سکا انہوں نے تعاون کا وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اگلے شماروں میں ان کے مقالے اور تنقیدی تحریریں پڑھ سکیں گے لیکن یہ بات ہمارے لیے بڑی خوش آئند ہے کہ ہمارے کچھ دوستوں نے نعت رنگ کے صفحات کے ذریعہ پہلے پہل اپنی گہری تنقیدی نظر اور ادبی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ رشید وارثی اور عزیز احسن کے نام اس سلسلے میں بڑی وقت رکھتے ہیں ان کے تنقیدی خیالات اور نتائج و آراء سے اختلاف ممکن ہے مگر انہوں نے جس تفصیل اور مدلل انداز کو اپنایا ہے وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف نعت کاروں کی توجہ مبذول کروانا از حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نعت رنگ کے حوالے سے جو تنقیدی تحریریں سامنے آئی ہیں ان کی پسندیدگی اور مقبولیت سے متاثر ہو کر ہمارے کچھ اور نئے نقاد بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں یہ نہایت خوش آئند بات ہے لیکن ان کی آمد سے نعت کے فکری و فنی پہلوؤں پر گفتگو کا دائرہ وسیع ہونے کے بجائے یک لفظی رائے تک گھٹ کر رہ گیا ہے اور یہ یک لفظی رائے شائع بھی نعت کے ایک ماہانہ رسالے میں ہوئی میرے خیال میں یہ انداز نہ تنقید ادب کے شایان شان ہے اور نہ نعت کا تقدس ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے۔ شاعر کے اسلوب، لفظی کوتاہیوں یا خیالات پر تنقیدی رائے ضرور دیجئے لیکن سنجیدگی، متانت اور استدلال کے ساتھ۔ غلطی تو انسان کے ضمیر میں شامل ہے بس اس بنیادی سچائی کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں کی کوتاہیوں کی نشاندہی کی جائے تاکہ جس کی غلطی یا کوتاہی ہو وہ آپ کا شکریہ ادا کرے۔ یہ بات ہماری ادبی تاریخ کا حصہ ہے۔ لیکن اگر نقاد کا انداز جارحانہ ہے یا اس کی تحریر میں تضحیک کا رنگ ہے تو دل بھی خراب ہوں گے اور

تنقید بھی مجروح ہوگی۔ اس سلسلے میں نعت سے متعلق رسائل کے مدیروں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور ایسی تنقیدی تحریروں کو شائع کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے تنقید کا لٹن نہ تو تنقید کے مترادف ہے نہ بے دلیل تنقید کا تنقید تو نام ہے مغز کو سامنے لانے کا۔ یہ ایک طرف اعترافِ قسین ہے اور دوسری طرف فن سے آگاہی۔

نعت رنگ کے حوالے سے ہماری کوشش یہی رہی ہے کہ نعتیہ ادب پر رسمی تبصروں کے بجائے معتدل اور دیانت دارانہ تنقید و تبصرہ کو اہمیت دی جائے۔ اگر نعت کا نقاد ہی دیانت دار نہ ہوگا تو پھر ادبی دیانت کی تلاش اور کہاں کی جائے گی۔ اسی طرح نعت رنگ میں شائع ہونے والے منظوم حصہ میں ہماری کوشش یہی ہے کہ نعتوں کے منظوم تراجم شائع کئے جائیں اور آئندہ اردو کی بہترین نعتوں کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے تاکہ نعت کی ادبی شناخت کا دائرہ وسیع تر ہو سکے شامل اشاعت اردو نعتوں میں جیتی تنوع کو اہمیت دی جا رہی ہے تاکہ جدید اماناف میں مدحت گری کے خدو خال کو بہتر طور پر اجاگر کیا جاسکے ہم نعتیہ سائنٹ، واکا، ہائیکو، دوہے، نعتیہ کافیاں اور نعتیہ گیت بھی پیش کریں گے جو شعراء ان اصناف میں نعت کہتے ہیں وہ ہماری اس تحریر کو درخواست تصور کرتے ہوئے ہماری مدد کریں۔

نعت گو شعراء اور نعت کاروں کے خاکوں کا سلسلہ بھی نعت رنگ کا حصہ بن رہا ہے۔ جو لوگ حضورؐ کے نقوشِ حیات و سیرت کے مرقع نگار ہیں ان کی زندگیوں اور ان کے نقوش کی تلاش بھی ایک مستحسن عمل ہے ہمیں امید ہے کہ نعت رنگ کے اس سفرِ عقیدت میں آپ بھی شریک رہیں گے۔

نعت رنگ ۲ اور ۳ کی درمیانی مدت اشاعت کے دوران جو خُدا آم نعت ہم سے جدا ہوئے ان میں ڈاکٹر مبین عبد الجبید سندھی، افسر راہ پوری، سہبا اختر اور رضی دہلوی کے نام بہت نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر مبین عبد الجبید سندھی، ایک محقق، دانشور کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتے تھے انہوں نے سندھی زبان و ادب کے فروغ کے لئے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے، نعت کے حوالے سے ان کی تحقیقی کتاب "سندھی کی نعتیہ شاعری" شائع ہو چکی ہے جبکہ قعیدہ بُردہ کا منظوم سندھی ترجمہ طباعت کا خطر ہے۔

افسر راہ پوری نے ایک نامور شاعر اور تہذیبی شخصیت کے حوالے سے اپنی شناخت قائم کی ان کا نعتیہ مجموعہ "طور سے چراغ" ان کی وفات کے بعد منظرِ عام پر آیا۔

سہبا اختر اپنی ملی شاعری کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکے تھے انہیں "شاعرِ پاکستان" کہا جاتا تھا ملی شاعری کا تصور خدا اور رسول کے بغیر کیا ہی نہیں جاسکتا یہی وجہ تھی کہ سہبا اختر کی عام شاعری یا خالص نعتیہ شاعری میں محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لافانی نقش دکھائی دیتے ہیں ان کا مجموعہ نعت "اقراء" اردو نعت میں ایک زندہ اضافہ تھا اور اس میں پہلی مرتبہ بیٹی تنوع دیکھنے میں آیا تھا۔

رضی دہلوی ملک کے مایہ ناز حرف شناس اور نامور خطاط تھے وہ فنِ خطاطی پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنی کا جمالیاتی شعور بھی رکھتے تھے نعت رنگ ۲ کا سرورق انہی کے نقشِ جیل سے مزین تھا۔

ان تمام خدامِ نعت کے اٹھ جانے سے دنیائے نعت سوگوار ہے ”اقلیمِ نعت“ ان سب کی بخشش اور ان کے تمام پسماندگان کے لئے مبرجیل کی دعا کرتا ہے۔

صبحِ رحمانی

اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کا استقصار

رشید داری

شعر کے متعلق زمانہ قدیم سے علمائے انتقاد کا یہ نظریہ رہا ہے کہ اسے محض پرواز تخیل کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ لبیت شعری کذا کے محاورے میں شعر گوئی اصل میں ایک فن لطیف کا نام ہے۔ اور عرف میں موزوں اور مقفی کلام کو شعر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہی کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب شعر کو جھوٹ کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ اور شاعر سے مراد ان کے نزدیک کاذب تھا۔ اسی لیے جھوٹی دلیلوں کو آئینہ شعریتہ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مفسر)۔ چونکہ شاعری میں مبالغہ و کذب کو معیوب سمجھنے کے بجائے محاسن شعر میں شمار کیا جاتا تھا، اس لیے یہ مثل مشہور ہو گئی کہ احسن الشعر الکذبہ یعنی بہترین شعروہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ (مبالغہ) ہو۔ لیکن فن میں مقصدیت کو ماننے والوں کے نزدیک شعر کو تخیل کے بجائے فکر کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔

شعر گوئی اور شریعت اسلام:

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ (سورۃ الشعراء۔ ۲۲۳)۔ جب ان آیات کا نزول ہوا تو حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم روتے ہوئے دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم شاعر ہیں، ہم تو بے موت مارے گئے، ہماری نجات کی کوئی سبیل نہیں۔ اس وقت سورۃ شعراء کی آخری آیات نازل ہوئیں۔ جن میں فرمایا گیا "بجز ان (شعراء) کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے" اور وہ کثرت سے اللہ (تبارک و تعالیٰ) کو یاد کرتے ہیں۔ "اس طرح یہ بات واضح کر دی گئی کہ صرف ان شعراء کی مذمت کی گئی ہے جو کفر و شرک اور فسق و فجور کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے ملکہ شعری کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ شعراء کرام جن کی ساری قوتیں اسلام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات پر مبنی عقائد کی تبلیغ میں صرف ہوتی ہیں، ان پر ماسبق آیات کا اطلاق نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) میں بڑے جلیل المرتبت اور قادر الکلام شعراء کرام موجود تھے۔ استیعاب میں عبدالبر نے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت کعبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! شاعری کے متعلق

آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا ”مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔“ اس فرمان رسول کے علاوہ فن شعر گوئی کے بارے میں اور بہت سی صحیح احادیث روایت کی گئی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اشعار میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ جن اشعار میں حد اعتدال میں مضمون آفرینی کی گئی ہو۔ اور وہ اسلامی تعلیمات کے متافی نہ ہو، تو ایسی شاعری مباح ہے۔ اور جو اشعار قرآن و حدیث کے متافی مضامین پر مبنی ہوں تو قرآن کریم میں ایسی شاعری پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

اردو غزل اور غیر اسلامی تصورات:

اردو غزل کی ریل بیل چونکہ فارسی غزل کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے، نتیجتاً ”فارسی کی طرح اردو غزل میں بھی غیر اسلامی تصورات پر مبنی مضمون آفرینی کے شواہد کثرت سے سامنے آتے ہیں۔ لہذا اردو نعت میں انبیائے سابقین علیہم السلام کی شان میں فروتر مضامین کی نشاندہی سے پیشتر، اس حوالے سے اردو غزل کا مطالعہ کیا جائے تو مختلف شاعروں کے کلام میں دیگر بہت مضامین کے ساتھ سیکڑا ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی شان میں ایسی گستاخانہ مضمون آفرینی کی گئی ہے کہ اہل ایمان کے دل کانپ جاتے ہیں۔ مثلاً“

دعویٰ کوں گا حشر میں موسیٰ پہ خون کا
کیوں آب تو نے دی مرے قاتل کی تیغ کو

وہ کوہ طور کا قصہ یہاں بھی آپڑا موسیٰ
مجھے ہے دید کا پکا، وہ محو لن ترانی ہے

یہی نہیں بلکہ ان اولوالعزم انبیائے عظام اور ان کے جلیل القدر معجزات کے بیان کو بڑے روح فرسا انداز میں عطرانہ کلام میں شامل کرتے ہوئے ان کا (معاذ اللہ) بے مابا تمسخر اڑایا گیا ہے۔ مثلاً“

کھلی کی روشنی میں چلے آئے کلیم
کہنے کھڑے ہیں خود ید بیضا لئے ہوئے

مجھ کو تجھ کو دیکھ کر ہاتھی یہ یوں کستی ہے خلق
یہ کھلی ہے، یہ موسیٰ ہے، یہ کوہ طور ہے

ایسے غزل گو شعراء میں سے جن حضرات نے سوانح گوئی میں قدم رکھا، انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد سے روگردانی کرتے ہوئے، یا فلسفہ رسالت کے بارے میں قرآن و سنت کی تعلیمات سے

بے خبر رہتے ہوئے انبیائے سابقین علیہم السلام کی رفعت شان کے متانی، بلکہ ان کی شان میں گستاخی پر مبنی اشعار نعت میں شامل کر دئے۔ ان قدیم شعراء کی تھلید میں آج بھی اردو نعت میں کم و بیش یہی رویت برقرار ہے۔ جس کے سدباب کے لیے اس مقالہ میں حسب ضرورت معنوی تنقید کے ساتھ بعض اشعار کی نشاندہی کی جائے گی۔ تاکہ ہمارے جو نیرقارئین کرام آئندہ ایسے اشعار کا خود محاسبہ فرمائیں۔

یہ بندہ عاجز یہاں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہے کہ گزشتہ دنوں (اس مقالہ کی تیاری کے دوران) اس کم علم و بے بضاعت کو بعض شعرائے کرام اور ہائی اسکول کے اساتذہ کرام سے فلسفہ رسالت اور وحدت ادیان کے موضوع پر ایک غیر رسمی گفتگو کا موقع ملا۔ جس سے غیر متوقع طور پر یہ اندازہ ہوا کہ اس بارے میں ان حضرات کی معلومات بعض انبیاء و رسل کے تذکروں تک محدود ہے۔ لہذا اس بات کی ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ نفس مضمون پر براہ راست گفتگو سے پیشتر اسلامی عقائد کے حوالے سے اس موضوع پر قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی ضروری مواد نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ قارئین کیا جائے تاکہ اس مقالے کی تفہیم کی راہ ہموار ہو سکے۔ چنانچہ ذیل میں ایمان بالرسل کے بارے میں بنیادی باتیں اسناد کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

۱۔ سب انبیاء پر ایمان ضروری ہے :

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ ایمان بالرسل اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے (اے حبیب) آپ فرما دیجئے کہ میرا دین تو دینِ ابراہیم ہے (وہی دین ہے جو ابراہیمؑ کا دین تھا) جو باطل سے منہ موڑنے والے تھے۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ (اے اہل ایمان) کہہ دو کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ (تعالیٰ) پر اور اس (کلام) پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسمعیلؑ، اسحقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اور عطا کیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان کے مابین (ایمان لاتے ہیں) اور ہم اللہ (تعالیٰ) کے فرمانبردار ہیں (سورۃ البقرہ ۱۳۱-۱۳۵)

۲۔ تمام انبیاء مقامِ اصفیٰ پر فائز ہیں :

قرآن کریم سے عین یہ حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین میں منتخب کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "بیشک اللہ تعالیٰ نے جن لیا آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے گھرانے کو اور عمران (حضرت مریمؑ کے والد) کے گھرانے کو سارے جہان والوں میں۔ یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں۔" (آل عمران- ۳۳)

۲۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی عالمین پر فضیلت :

(اس سے قبل آیات میں) دیگر انبیائے کرام کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے ”اور ہم نے (ہدایت دی) اسلیل اور یسح اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو ہم نے سارے جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور ہدایت دی۔ ان کے کچھ آباء و اجداد اور ان کی اولاد اور بھائیوں کو ہم نے چن لیا اور ان سب کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دی۔“ (الانعام ۸۷-۸۶)

۳۔ بعض رسولوں کی بعض پر فضیلت :

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”یہ سب رسول ہیں“ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اللہ (تعالیٰ) نے ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اور بلند کئے ان میں سے بعض کے درجے۔“ (البقرہ- ۲۵۳)۔ صاحبِ فیاء القرآن اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاء نفس نبوت میں برابر ہیں۔ لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفیٰ جو مظہر اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ اور جمالیہ کی۔ جو مراتب و کمالات دیگر انبیاء و رسل کو عنایت کئے گئے تھے، وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور اکرم کو عطا فرمائے گئے۔“۔۔۔

جملہ اوصاف انبیاء کی ہے ذات سرکارِ نبی میں یکجائی

(راغب مراد آبادی)

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت ساری اچھائیاں ایک انسان میں

(مختصر دیوانی)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دی جائے کہ اس سے معاذ اللہ دوسرے نبی کی تحقیر ہو۔

۵۔ لا تفرق بین احدہم کا مفہوم :

سورہ بقرہ کی اس آیت (۱۳۶) کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم ان (انبیاء و رسل) میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ مفسرین کی کثیر جماعت نے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کریں، جو عادت اور دوس کی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ کی)۔ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے۔ کسی کو مانتے تھے اور کسی سے انکاری تھے۔ (ابنِ کثیر)۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا صرف یہی مفہوم ہے کہ مسلمان ہر

نبی کی نبوت اور ہر رسول کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور کسی کا انکار نہیں کرتے۔ اس سے یہ معنی لینا کہ باعتبار فضیلت کسی میں فرق نہیں کرتے، غلط ہے کیونکہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ" (البقرہ - ۲۵۳)۔ یعنی یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

۶۔ بعض دیگر انبیائے کرام بھی اسمائے صفات سے متصف ہیں :

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے سابقین میں سے کئی انبیائے کرام عَلِیم السلام کو اپنے اسمائے حسنیٰ کی ثلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اسم شکور سے، ابراہیم علیہ السلام کو اسم خلیل سے، اسماعیل علیہ السلام کو اسم عَلِیم، حلیم اور صادق الوعد سے، حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ و عَلِیم سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم و قوی سے، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسم بر سے متصف فرمایا ہے۔ (علامہ الشافعی - قاضی عیاض)۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ۸۱ ایسے اسمائے صفات بیان ہوئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب جواہر البحار میں یہ اسمائے مبارکہ تحریر کئے ہیں۔ (اس کتاب کا اردو ترجمہ مارکیٹ میں دستیاب ہے)۔ ان اسمائے صفات میں سے اکثر اسمائے مبارکہ مسجد نبوی کی اندرونی سمت قبلہ رخ دیوار پر طلائی حروف میں آج بھی تحریر ہیں۔

۷۔ حضور اکرم ﷺ کی رسالت آفاقی ہے :

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء و رسل بھیجے ان کی نبوت اور رسالت کسی خاص قوم، خاص علاقے اور خاص وقت تک کے لیے تھی۔ اس کے برعکس باعث تخلیق کائنات فخر موجودات حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت تمام مخلوقات، پوری کائنات، اور تمام زمانوں پر محیط ہے۔ آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ثلعت نبوت سے سرفراز تھے۔ اور قیامت تک آپ کی شریعت نافذ رہے گی۔ ارشاد ربانی ہے (اے حبیب) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (الاعراف - ۱۵۸) یعنی روئے زمین پر بسنے والا کوئی بھی انسان خواہ وہ کہیں بھی ہو اور کسی بھی زمانے میں آنکھ کھولے حضور اکرم اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ رسول ہیں۔ یہی آپ کی رسالت کی آفاقییت ہے۔

تھے عالی مرتبہ سب انبیاء اول سے آخر تک

مگر سرکار سا کوئی نہ تھا اول سے آخر تک

اسی طرح سورہ فرقان کی پہلی آیت میں ارشاد ربانی ہے ”بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد) پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب اتاری تاکہ وہ بین جائے تمام جہانوں کو (غضب الہی سے) ڈرانے والا۔“ اس آیت میں لفظین کی لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کی نبوت و رسالت زمان و مکان کی حدود سے آشنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق خواہ وہ کائنات کی بلندیوں میں ہو یا پستیوں میں سب کے لیے ہے۔ رسول ہیں۔ اور جب تک یہ عالم رہے گا آپ کی رسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔ (غلام نبیہ القرآن)۔

بجز ان کے رحمت ہر زمان کوئی اور ہو تو بتائیے۔ نہیں ان سے پہلے کوئی نہ تھا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں۔
(ضیف اسعدی)

۸۔ انبیائے کرام کے بارے میں گستاخانہ طرز بیان پر تعذیر :

یہودیوں کے علمائے سوء نے توریت میں تحریف کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک سنگین الزام لگڑھ لیا۔ اور پھر اس کی اس طرح تفسیر کی کہ یہ بات زبان زد عام ہو گئی۔ حتیٰ کہ بعض حضرات سورہ ص (کی آیت ۲۴) کی تفسیر میں یہ باطل اسرائیلی روایت بھی بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا ”جو شخص حضرت داؤد (علیہ السلام) کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ ڈرے لگاؤں گا (تفسیر نبیاء القرآن)۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء عظیم السلام کے بارے میں ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کہنا جو ان کے ارفع و اعلیٰ مقام سے فرود تر ہو یا اس سے ان کی توہین ہوتی ہو قابل تعذیر ہے۔

۹۔ ایمان بالرسول کے بارے میں عقائد کا خلاصہ :

شرح فقہ اکبر اور شرح عقائد نسفی جیسی معروف کتب عقائد کے طویل مباحث سے صرف نظر کرتے ہوئے ایمان بالرسول کا خلاصہ اردو زبان میں فقہ حنفی کی معتبر کتاب ”ہمار شریعت“ سے ہدیہ قارئین ہے۔
۱۔ نبوت محض عطائے الہی ہے کہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ ہاں عطا اسی کو کرتا ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے۔ جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر مکمل درجہ ولایت طے کر چکا ہے۔ اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل اور حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے حرّہ ہوتا ہے۔ جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے۔ کسی حکیم اور کسی فلسفی کی

مئل اس کے لاکھوں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

۲ - نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتہ) کا خاصہ ہے کہ کوئی نبی اور فرشتہ کے سوا معصوم نہیں۔

۳ - انبیائے کرام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ دل خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔

۴ - نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

۵ - نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور سب میں افضل ہمارے آقا و مولا سید المرسلین ہیں۔ حضور کے

بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان حضرات کو مرسلین اولو العزم کہتے ہیں۔ اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء و مرسلین، انس و ملک اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ جس طرح حضور تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں۔ بلا تشبیہ حضور کے صدقے میں حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

۶ - اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔ زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ مگر یہ علم غیب ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ لہذا ان کا علم عطائی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔

۷ - تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حضور عظیم وجاہت و عزت والے ہیں۔

۸ - انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ ان کی حیات حیات شہداء سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

اب تک بیان کردہ نصوص کی روشنی میں ایمان بالارسل کے عقیدے کے بارے میں ہمیں خاطر خواہ معلومات فراہم ہو چکی ہیں۔ چنانچہ زیر نظر مضمون میں ہم معنوی تنقید کے ساتھ اردو کے ان نعتیہ اشعار کا جائزہ پیش کرتے ہیں جن میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کے منافی کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام :-

قرآن کریم میں انبیائے سابقین کی زندگیوں کے بہت سے حالات بیان ہوئے ہیں۔ جو رشد و ہدایت کی روشنی کو عام کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے حالات کو احسن القصص کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے۔ حسن ظاہری کے ساتھ آپ کی سیرت طیبہ اس وقت تک انسانی تکمیل کا مظہر اتم

تھی۔ آپ کو منجملہ یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج آپ کو سجدہ کر رہے ہیں (غلام سوڑ یوسف۔ آیت ۴) آپ ابتلا و آزمائش کے مرحلوں سے گزر کر مصر کی بادشاہت سے نوازے گئے۔ تو امتداد زمانہ سے مجبور ہو کر آپ کے والدین اور دشمن جاں برادران آپ کے شای دربار میں پہنچے تو آپ نے اپنے والدین کو شای تخت پر بٹھایا۔ اس وقت آپ کے والدین اور بھائیوں نے آپ کو سجدہ (تعظیمی) کیا۔ اس طرح آپ کے بچپن کے خواب کی تعبیر سامنے آئی (غلام سوڑ یوسف۔ آیت ۱۰۰) چنانچہ حضرت یوسف کو تمام انبیاء میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ بحکم خدا اس عالم آب و گل میں آپ کو سجدہ کیا گیا۔

بخاری شریف میں حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سب سے عالی خاندان کون تھا؟ آپ نے فرمایا یوسف پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ۔ قرآن وحدیث کے ان شواہد کی روشنی میں ایک صاحب کے اس شعر کا جائزہ لیجئے۔

اقضائے دو عالم میں جلوہ ہے عام تیرا

باندی تیری زلیخا یوسف غلام تیرا

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو حضور اکرم کا غلام کہا جا رہا ہے۔ جو کتاب وسنت کی تعلیمات کے متانی ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ یہ ایک ہی نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں۔ ان سب کو ہم نے سارے جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور ہدایت دی ان کے کچھ آباء واجداد اور بھائیوں کو ہم نے جن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کی مائیں مختلف ہیں۔ اور تمام انبیاء کا مذہب ایک ہے۔ (مشکوٰۃ شریف۔ مختلف) لہذا کسی نبی کو کسی نبی کا غلام کہنا اسلامی تعلیمات کے متانی ہے۔

ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

حسن یوسف بھی ان کی غلامی میں ہے

تم نے دیکھا زلیخا ہمارا نبیؐ۔۔۔

اس شعر میں بھی گزشتہ شعر کی طرح شرعی سقم پایا جاتا ہے۔ البتہ یہاں ذات یوسف علیہ السلام کے بجائے ان کے معجز نما حسن کو غلام کہا جا رہا ہے۔ جو معنوی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ کیونکہ حسن ایک صفت ہے اور صفت پر غلامی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بقول شاعر۔

میں نے پوچھا اب کہاں ہے آپ کا حسن شباب

نہیں کے بولے وہ صم، شان خدا تھی میں نہ تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا املح واخى يوسف اصبح (الرفا۔ ابن جوزی) یعنی میں سب سے زیادہ ملیح ہوں اور میرے بھائی یوسف سب سے زیادہ صبیح ہیں۔ یا مجھ میں سب انسانوں سے زیادہ مباحث ہے اور میرے بھائی یوسف میں سب سے زیادہ مباحث ہے۔

علمائے نعت نے تصریح فرمائی ہے کہ صبیح اس حسین و جمیل شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کورا رنگ اور تابش حسن آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ چنانچہ سورہ یوسف میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھو کہ زنان مصر ایسی مبہوت ہو گئیں کہ انہوں نے پھل کاٹنے کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔ جبکہ ملیح اس خوبصورت اور صاحب جمال کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر ایسا نمک ہو کہ دیکھنے والوں کے قلب و نظر پر اس کا جمال دلکش بیٹھ کے لیے نقش ہو جائے۔ اسی لیے مباحث کو مباحث پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ مباحث میں رعب حسن کے زیر اثر اجنبیت اور مباحث میں دشمنی کی وجہ سے انیت کا غصر غالب ہوتا ہے۔ یہ بھی اس شہ خواہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت ہی کا ایک حوالہ ہے کہ ذات احسن الثاقین نے آپ کے جمال دل آرا کو بکمال شفقت جوہر مباحث سے آراستہ فرمایا۔ تاکہ انسانی برادری کا خستہ حال سے خستہ حال فرد بلا تہمت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دادخواہی کر سکے۔

تو جامع اوصاف رسولاں بھی ہے لیکن

ہے سب سے بڑا تیرا حوالہ تیری رحمت

(عاصی کرتالی)

مندرجہ بالا حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا غلام نہیں بلکہ اپنا بھائی کہا ہے۔ لہذا ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی کو کردہ انبیاء کے سالار کا غلام کہنا خلاف حقیقت اور اسوۂ حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے ایک اور منفی زاویہ سے مضمون آفرنی مندرجہ ذیل شعر میں ملاحظہ فرمائیے:-

تیرے جلوں کا زلیخا جو نظارہ کرتی

ماہ کنعاں کو تصدق میں اتارا کرتی

حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارگاہ احسن الثاقین جلّ جلالہ سے ایسی شان محبوبی عطا ہوئی کہ تمام عالمین اور انبیاء و مرسلین آپ پر اپنی متاع جان قربان کرنے کے مشتاق رہے ہیں۔ آیہ

مِثاق میں تمام انبیائے کرام سے آپؐ کی نفرت کا جو عہد لیا گیا تھا۔ اس میں ایضاً عہد کرتے ہوئے نذرانہ بجاں پیش کرنے کے ساتھ اور بہت سے امکانات موجود ہیں۔ لہذا یہ بات تو مسلمہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنی جان قربان کرنا تمام بنی نوع انسان تو کیا خود انبیاء عظیم السلام کے لیے بھی خوشنودی معبود حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن اس قربانی کے لیے ضروری ہے کہ قربان ہونے والے شخص کی مرضی بھی اس میں شامل ہو۔ (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مرضی معلوم کی)۔ چنانچہ اگر یہاں حضرت زلیخا کا جان نچھاور کرنا بیان کیا جاتا تو یہ عین نفرت اور عین شریعت ہوتا۔ لیکن کسی غیر نبی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایک نبی برحق کو تصدیق کر سکے۔ چنانچہ یہ انداز بیان سوء ادب سے خالی نہیں۔ البتہ یہاں خود یوسف علیہ السلام کے حوالے سے افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان نذا کرنے کی بات کی جاتی تو بلاشبہ یہ ایک اعلیٰ تصور ہوتا۔ چنانچہ یہ شعر اپنی موجودہ شکل میں شرعی اعتبار سے حضرت یوسف السلام کی رفعت شان کے منافی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام :

حضرت موسیٰ علیہ السلام سرخیل گردہ عاشقان اور اللہ تعالیٰ کے بڑے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ آپ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے والقیبت علیک محبتہ منی یعنی (اے موسیٰ) ”میں نے اپنی بارگاہ سے تم پر محبت کا پرتو ڈالا“ (سورہ طہ: ۲۹)۔ اس لیے آپ اہل محبت کے سردار ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے لطیف پیرائے میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے تعین کا مبداء محبت تھے۔ اور جناب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعین کا مبداء محبوبیت کاملہ تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار ہیں۔ اور جناب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے واصطعنک لنفسی ”اور (اے موسیٰ) میں نے تمہیں اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔“ (سورہ طہ: ۴۱)۔ چنانچہ آپ کو بارگاہ الہی میں قرب خاص کا مرتبہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب انبیائے سابقین سے زیادہ معجزات عطا فرمائے۔ سورۃ النمل میں آپ کے نو معجزات کا تذکرہ ہے (آیت ۱۲)۔ راقم کو اس مقالے کی تیاری کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ تمام انبیائے سابقین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سب سے زیادہ قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں۔ اور ہمارے شعراء کرام نے سب سے زیادہ ان ہی کے بارے میں نہایت فیر ذمہ دارانہ اور غیر مؤدب خیال آفرینی کی ہے۔ جس کا اندازہ بقدر تنزیل میں (تبصیر کے ساتھ) دئے ہوئے اشعار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ”

آؤ جاتی سامنے اس کی جلی کم سے کم

حضرت موسیٰ نے شاید کھو دیا سب کا بھرم

چنانچہ یہ کہنا کہ حضرت موسیٰ نے سب کا بھرم کھو دیا۔ کتنی بڑی جسارت بلکہ کستافی ہے۔ اسلامی عقائد کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔ (بہار شریعت)۔ لہذا ایسے اشعار کو مضامینِ نعت سے کیا سروکار ہے؟

تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریز میں خاک اور ذوق تماشا لپے ہوئے

کے صدق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشتیاقِ دید نے تو تمام عاشقینِ صادقین وقت کا بھرم قائم کیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ تابِ جمال نہ لائیں گے، شوقِ نظارگی کو ماند نہ ہونے دیا۔ بلاشبہ عشقِ صادق کے یہی طور ہوتے ہیں۔

یوں مرا شہرِ بصارت رہے آبادِ صدا

بند ہو جائیں اگر آپ کو پا کر آنکھیں

(ذکرِ سعید وارثی)

حضرت موسیٰ سے مقارنت :

اسلامی عقائد کے حوالے سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جو شخص کسی غیر نبی کو کسی نبی پر فضیلت دے اس کی گمراہی ثابت اور لائقِ تہدید ہے۔ اس بنیادی عقیدے کے پس منظر میں مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ جن میں ایک اولوالعزم پیغمبرؐ کے مقابلے میں بعض شعرائے کرام نے کیا یہ ”اپنی فضیلت بیان کی ہے۔ یہ ایک غلط رویہ ہے۔ جس کا سدباب ضروری ہے:

۱۔ واں ایک جھٹک دیکھی موسیٰ نے تو کیا دیکھا

یاں روزِ محمدؐ سے ہوتی ہیں ملاقاتیں

یعنی کہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی ذات یا نور محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک جھٹک دیکھی تو کیا بڑی بات ہے۔ جبکہ شاعر صاحب کی حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روزانہ ملاقات نہیں بلکہ ”ملاقاتیں“ ہوتی ہیں۔ اس طرح شاعر صاحب نے حضرت موسیٰؑ پر اپنی فضیلت بیان کی ہے (العیاذ باللہ)۔ دوسری بات یہ کہ بارگاہِ سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری، باریابی یا رسائی کو ”ملاقات“ کہنے میں سوء ادب کا پہلو ہے۔ ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ کوئی شخص اپنے استاد یا مرشد سے ملتا ہے۔ تو پاس ادب سے یہی کہتا ہے کہ میں فلاں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یا مجھے فلاں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وغیرہ۔ کیونکہ ملاقات دو ہم مرتبہ افراد کے ملنے جلنے یا ان

میں باہمی محبت کو کہا جاتا ہے۔ لہذا بارگاہ رسالت میں حاضری کو ملاقات سے تعبیر کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ کیا واقعی شاعر صاحب کو دربار رسالت میں روزانہ شرف باریابی حاصل ہوتا ہے تو اس مکاشفہ کی صحت کے بارے میں شاعر محترم خود ہی کوئی رائے دے سکتے ہیں۔

۲۔ وہ جلوہ ہم کو غارِ حرا سے ملا (تخلص)
جو مل سکا نہ حضرت موسیٰ کو طور سے

مندرجہ بالا شعر میں ایک نبی اور رسول کے مقابلے میں امت مسلمہ کی فضیلت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محرومی یا حماںِ فیسی کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ انداز بیان کتاب و سنت کی تعلیمات کے متافی اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شانِ اقدس میں بے ادبی کے مترادف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شبِ معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں جسمانی طور پر تمام انبیاء و مرسلین کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر ہی امت مسلمہ پر نمازوں کی تعداد میں تخفیف کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ کبریائی میں حاضر ہو کر کئی بار استدعا کی چنانچہ آپ کی امت پر پچاس کے بجائے صرف پانچ نمازیں ہی فرض ہوئیں۔ لہذا یہ تصور خلافِ حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ دلِ آراء کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ کسی نبی کے حوالے سے ایسی مفاخرت درست نہیں۔

۳۔ مجھے شوقِ طیبہ — تمہیں شوقِ سینا

کلیم اپنا اپنا — مذاقِ نظر ہے

ایک واجبِ تعظیم اور گرانیِ القدر شاعر محترم کے اس شعر کے حوالے سے یہ بات تو متفقہ علیہ ہے کہ وادیِ سینا پر مدینہ منورہ زاد اللہ شرفِ نما کو فضیلت حاصل ہے۔ لیکن ایک نبی کا یہ ذوقِ نظر جتنا کہ وہ ایک نسبتاً کم فضیلت کی حامل سرزمینِ مقدس کا شوق رکھتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں شاعر محترم کا مذاقِ نظر اتنا ارفع اور اعلیٰ ہے کہ وہ واقعی نسبتاً زیادہ فضیلت والے دیارِ مقدس کے آرزو مند ہیں یہ انداز بیان قفلِ نظر ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو کیا واقعی شوقِ سینا تھا۔ یا حکمِ خداوندی کی یہ بجا آوری تھی؟ قرآنِ کریم میں ہمیں اس سلسلے میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ جب آپ اپنی زوجہِ محترمہ کے ساتھ مدینہ سے مہربارے تھے تو وادیِ سینا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو ندا کی گئی۔ بیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اور ہم نے انہیں پکارا اھور کی دائیں جانب سے اور انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لیے“ (سورہ مہمہ ۵۲) لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کو طور سینا کا اشتیاق نہیں

تھا بلکہ اس مقدس وادی (طوی) میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعت کلیسی عطا فرمانے کے لیے آواز دے کر بلایا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اشتیاق دید :

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ مدین سے اپنے وطن مصر جانے کے لیے حالت سفر میں تھے۔ بیابان جنگل اندھیری رات اور سردی کا موسم تھا۔ جب زیادہ سردی محسوس ہوئی۔ تو دور سے آگ چمکتی ہوئی نظر آئی۔ آپ اپنی زوجہ محترمہ کو وہیں ٹہرا کر آگ لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ ارشاد ربانی ہے ”پس وہ (موسیٰ) وہاں پہنچے تو نندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس تو اپنی جوتیاں اتار دے، بیشک تو مقدس وادی طویٰ میں ہے۔ اور میں نے رسالت کے لیے تجھے چن لیا ہے۔ پس جو وہی کیا جاتا ہے اے غور سے سنو۔ یقیناً“ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم میری عبادت کیا کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز ادا کیا کرو (سورہ طہ ۲۰ تا ۲۱)۔

سورہ نمل (آیات ۷ تا ۹) ارشاد ہوتا ہے ”جب موسیٰ اس آگ کے پاس پہنچے تو نندا کی گئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے۔ پاک ہے رب العالمین اے موسیٰ! وہ اللہ میں ہی ہوں جو عزیز الحکم ہے۔“

اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد یعنی مصریوں کی غلامی سے بنی اسرائیل کی نجات کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر ۳۰ روز چلے کٹی (یا اعتکاف) کا وعدہ لیا۔ اور مزید دس راتوں کے اضافہ سے اسے مکمل کیا۔ جب اس وعدہ کی تکمیل ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست شرف کلام عطا فرمایا۔ اس کلام کی لذت رگ و پے میں سرایت کر گئی اور فطرتاً آپ کے دل میں مخاطب کو دیکھنے کے لیے اشتیاق دید کا طوفان اٹھ آیا۔ اور آپ نے غلبہ محبت اور شوق کی فراوانی کے زیر اثر عرض کیا وہ ارنبی انظر الیک (۱۱ اعراف۔ ۱۳) یعنی اے پروردگار مجھے اپنا دیدار عطا فرما۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ اچھا ہم اپنی جلی کا ظہور کوہ طور پر کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ تاب جلوہ نہ لاکر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور اپنے عجز کا اظہار کیا (نظامہ سورہ اعراف)۔ مختصراً ”اس واقعہ کی حقیقت اتنی ہے۔ جس کے بارے میں غزل گو شعراء کے علاوہ اردو و فارسی نعت گو شعرائے کرام نے رہوار تخیل کو دوڑاتے ہوئے بڑے مہاکا نہ انداز میں سیکڑوں خلاف حقیقت اشعار کہے ہیں اس غیر ذمہ دارانہ رویہ کا کم از کم نعت گوئی کے حوالے سے سدباب ہونا ضروری ہے۔“

حضرت خضر علیہ السلام :

حضرت خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ماکا اور کنیت ابو العباس ہے (تذکرۃ الایمان)۔ وہ جہاں فروکش ہوتے وہ جگہ سبز ہو جاتی اس لیے آپ کا لقب خضر ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف) اور وہ اسی لقب سے معروف ہیں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور دیگر بعض دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ ولی تھے۔ اور بعض علمائے محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی تھے۔ کیونکہ ولی کے الہام میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے الہام کی بنیاد پر قتل جیسے عظیم فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلے میں نبی کا علم یقینی ہوتا ہے آپ کو نبی ماننے والوں کی یہی دلیل ہے۔ بہر حال وہ نبوت کے درجہ پر قائل نہ ہوں یا ولایت کے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی جناب سے علم لدنی کی خلعت عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ سورۃ الکہف کی ۲۵ ویں آیت میں ارشاد ربانی ہے اٰتٰیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عَزْمِنَا وَعِلْمًا مِّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ یعنی ”ہم نے (اپنے بندے خضر) کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرمائی۔ اور انہیں اپنا علم لدنی عطا کیا۔

قرآن کریم میں آپ کا نام نہیں آیا لیکن متعدد احادیث مبارکہ اور اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ”بندے“ سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر جب کاشانہ نبوت سے آدھ بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تو حجرہ مبارک کے ایک گوشے سے یہ آواز آئی ”اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر والو! تم پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ ہر مشکل کو ٹال دیتا ہے وہی بندوں کی فحش کاری کرتا ہے۔ ہر جہاد ہونے والی چیز کا وہ خود نعم البدل ہو جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے امید رکھو کیونکہ مصیبت زدہ تو دراصل وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم اور مایوس رہے۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ یہ خضر (علیہ السلام) تھے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲/۲۶۱)

ان تمام شواہد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ پر علوم تکوینیہ کے وہ راز منکشف کئے گئے اور ایسا علم عطا فرمایا گیا جو عام انسانی ادراک سے بالکل جدا ہے۔ وہاں تمام عقدہ ہائے سرست خود بخود کھلتے جاتے ہیں۔ جنابات افشے جاتے ہیں اور حقائق و مطالب کا انکشاف ہوتا جاتا ہے۔ اس واقعہ اسرار الہی کی بارگاہ میں بزم نعت یہ جسارت ملاحظہ فرمائیے:

زندگی وادیٰ یشرب میں بسر کرتا تھی

حضرت خضر کو بتی بھر کے نہ جینا آیا

یعنی شام صاحب محبت خضر پر تنقید فرما رہے ہیں کہ انہیں وادیٰ یشرب میں زندگی گزارنی چاہیے تھی۔ شام مختار نے شاید یہ فراخ کش کر دیا کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درود مسعود سے پہلے

واوی شرب کی کیا فضیلت تھی؟۔ اور آپ کے جلوہ افروز ہونے کے بعد شاعر صاحب یہ گمان کیوں رکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں اور زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ "حضرت خضر کو جی بھر کے نہ جینا آیا" محض مفروضات اور گمان باطل پر مبنی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے ولی کامل یا علم لدنی کے حامل نبی کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب ہوا ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں توصیف فرمائی ہے۔ لہذا اس روش سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام :

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور ہم نے (اپنے فضل سے) نبیوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور داؤد کو زبور عطا کیا" (سورہ نبی اسرائیل - ۵۵) زبور میں ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ سب میں دنا اور اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس کی تحمید و تجلیل ہے..... اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی امت خیر الامم " (کنز الایمان)۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ربانی ہے "اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کیا۔ وہ اللہ (تعالیٰ) کی حمد و ثنائیاں کرتے تھے اور ان کے ساتھ پرند بھی (آیت ۷۷)۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی "موضح القرآن" میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ زبور پڑھتے وقت پہاڑ اور جانور بھی انہی کی سی آواز سے پڑھتے تھے۔"

سورہ نوح کی ۲۰ ویں آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (اے حبیب) یہ (کافر) جو نامعقول باتیں کرتے ہیں اس پر مبر کھینچے اور ہمارے بندے داؤد (کے واقعات) کو یاد کیجئے جو بڑا طاقتور تھا اور (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کا فرمانبردار بنا دیا تھا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے۔ عشاء اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو بھی وہ تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے۔ اور سب ان کے فرمانبردار تھے۔ (سورہ نوح - ۲۰)

سورہ ص کی حوالہ بالا آیت اور اس سے ماقبل اور مابعد آیات کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جن گونا گوں انعامات سے بہرہ مند فرمایا تھا ان کے بیان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی ہرزہ سرائی پر مبر کی تلقین فرمائی ہے اور تسلی دی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو "عبسنا" کہہ کر آپ کی خاص توقیر فرمائی ہے۔

آپ کی آواز اتنی دلکش، شیریں اور سوز و گداز سے لبریز تھی کہ جب آپ زبور پڑھتے تو اڑتے ہوئے پرند بھی زمین پر اتر کر آپ کے گرد بیٹھ جاتے اور آپ کے ہم آواز ہو کر تسبیح باری تعالیٰ میں مصروف ہو جاتے۔ اور اسی طرح پہاڑ بھی آپ کے ساتھ آواز ملا کر حمد باری تعالیٰ کرتے تھے۔

اب حضرت داؤد علیہ السلام کے مذکورہ بالا اوصاف جمیلہ سے بے خبر رہتے ہوئے ایک شاعر محترم کی تعلق ملاحظہ فرمائیے :-

مرے سخن پر رشک داؤد کو ہے
دینے کی ٹکیوں کا نذر سراہوں

آپ نے دیکھا ایک بلیل القدر پیغمبر علیہ السلام کے مقابلے میں فقر و مہابات کا یہ انداز کس قدر نامناسب ہے؟ کیا یہ طرز کلام اسلامی عقائد کے مطابق ہے؟ کیا واقعی داؤد علیہ السلام کو شاعر محترم پر رشک ہے؟ کیا ایک غیر نبی کی ٹکیوں میں نذر سراہنا کسی پیغمبر (علیہ السلام) کا ایک آسمانی کتاب سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور نعت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسی معجزانہ آواز سے پڑھنا کہ ید بیع لہ مافی السموات والارض کے مصداق پہاڑ اور جانور بھی ان کے ہم آواز ہو جائیں، (نغز باللہ) شاعر صاحب کی نذر سرائی کے مقابلے میں کم حیثیت رکھتا ہے؟۔ ہرگز نہیں۔ ایک طرف کسی شاعر کا گمان باطل نظر آتا ہے اور دوسری جانب نموس قرآنی شواہد۔ لہذا اس قسم کی تعلق سے گریز کرنا چاہیے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ دے نعت تو در زبور داؤد
مقصود تو کی نہ آفرینش باقی بہ طفیل تست موجود

(حاشیہ کنز الایمان)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی قدس سرہ العزیز کا مندرجہ ذیل شعر فقہیہ ادب میں لفظ ”نمن“ کے صحیح استعمال کی بہترین مثال ہے ۔

بہ نمن داؤد ہمنوا شد بہ نالہ درد آشنا شو
بہ بزم پیغمبرؐ ایں غزل را ز عبد عاجز نظام برخواں

حضرت سلیمان علیہ السلام :

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بڑے برگزیدہ نبی تھے۔ آپ کا تذکرہ قرآن کریم میں سول مقامات پر آیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی بعض خصوصی امتیازات سے نوازا فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی حکومت عطا فرمائی کہ انسانوں کے علاوہ پرند، جنت اور ہوا کو آپ کے زیر فرمان بنا دیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم (نہت) دیا اور ان دونوں نے کہا تمام حمد اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا۔ اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا۔ اور ہمیں ہر چیز بخشی گئی ہے۔ بیشک (حق تعالیٰ کا) کلام ہوا افضل ہے۔ (سورۃ النمل-۱۵)

اس آیت کی تشریح میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی تحریر فرماتے ہیں "مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مشارق و مغارب ارض کا ملک عطا فرمایا۔ چالیس سال آپ اس کے مالک رہے۔ پھر تمام دنیا کی مملکت عطا فرمائی۔ جنات، انسان، پرندے، چوپائے، درندے، سب پر آپ کی حکومت تھی۔ اور ہر ایک شے کی زبان عطا فرمائی مگر (کنز الایمان) سورۃ النمل کی مابعد آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان اور ان کے لشکر) جب چیونٹیوں کے ٹالے پر آئے تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ کہیں تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ یہ سن کر (سلیمان) کو ہنسی آگئی۔ وہ مسکرائے اور عرض کی اے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ترے احسانات کا شکر ادا کروں۔" (آیات ۱۸-۱۹)۔

صدر الافاضل علیہ الرحمۃ ان آیات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب اس چیونٹی کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگی (اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ) یہ اس نے اس لیے کہا کہ وہ جانتی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں۔ صاحب عدل ہیں۔ جبر اور زیادتی آپ کی شان نہیں ہے۔ اس لیے اگر آپ کے لشکر سے چیونٹیاں کچل جائیں گی تو بے خبری ہی میں کچلی جائیں گی کہ وہ اس طرف سے گزرتے ہوں اور اس طرف التفات نہ کریں چیونٹی کی یہ بات آپ نے تین میل دور سے سن لی۔ اور ہوا ہر شخص کا کلام آپ کے سمع مبارک تک پہنچاتی تھی۔ جب آپ چیونٹیوں کی وادی کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے لشکر کو نہرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو گئیں۔" (کنز الایمان)۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عدل کا بیان ہے ورنہ آپ کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار دیا گیا تھا ارشاد ربانی ہے (سلیمان علیہ السلام نے) عرض کی اے میرے پروردگار تو مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو بے حد عطا فرمانے والا ہے۔ تو ہم نے ہوا کو اس کے زیر فرمان کر دیا کہ اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی جہاں وہ چاہتا اور جنات سے ہر قسم کے معمار اور غوطہ خور اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے دیوان کے بس میں کر دے یہ ہماری عطا ہے اب (اے سلیمان) اگر تو چاہے تو احسان کریا روک رکھ تجھ پر کوئی حساب نہیں۔" (۲۵-۲۶)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام روئے زمین کی حکومت کے ساتھ خلعت نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ یہ شان بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں ملی چنانچہ آپ اس فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ آپ کی عظمت شان کے بارے میں مذکورہ بالا قرآنی شواہد کی روشنی میں ایک کلمہ مشق زود گو اور کریم النفس شاعر محترم کا یہ حمد یہ شعر ملاحظہ فرمائیں ۔

چوٹی بھی ترے عدل سے ہم شان سلیمان
نکا بھی ترے فضل سے اک کوہ گراں ہے

چنانچہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کمال سے ایک چوٹی کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہم شان ہونے کا مرتبہ حاصل ہے، تو پھر زیادہ قرین حق یہ بات ہوگی کہ (نعوذ باللہ) انسانی برادری کا ہر فرد ہم شان سلیمان ہے (کیونکہ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز حاصل ہے)۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے وہاں تمام انبیائے کرام کو نبی نوع انسان پر فضیلت کا اعزاز بخشا ہے۔ اور انبیاء عظیم السلام میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما کر اپنے خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ انہی خصوصی انعام یافتہ نبیوں میں سے ایک نبی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

قرین دست کی بھی تعلیم ہے کہ انبیائے کرام تمام مخلوقات سے اولیٰ ہوتے ہیں لہذا کسی غیر نبی کو ان میں سے کسی کے برابر سمجھنا آیات قرآنی کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اور اراداً ”ایسے فعل کا ارتکاب انسان کو قبر سے قریب کر دیتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ سیرت النبی جلد چہارم میں امام غزالی اور شاہ ولی اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں ”نبوت انسانیت کے رتبے سے بالا تر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالا تر ہے۔۔۔ وہ ملکہ الہی اور موبست ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی“

سید صاحب موصوف نے سیرت اتمیٰ میں اس حقیقت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات و حیوانات کو فضیلت دینی نباتات پر حیوانات کو فضیلت دی۔ اور حیوانات پر انسان کو (نفس نامقدسہ) کی عطا کی۔ اور تمام انسانوں پر انبیاء و رسل کو (ان کے نفوس قدسیہ کی بنا پر) فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہ قانون الہی ہے اس میں ذات اعظم الحاکمین کے علاوہ کسی کو رد و بدل کا اختیار نہیں۔ رہا قدرت الہی کا مطلقہ کہ قدرت الہی سے حیات ممکن ہے۔ لہذا چوٹی کا ہم شان سلیمان ہونا قدرت الہی سے یہود نہیں۔ جہل شام۔

زور فکر سب ہے نہ اختیار میں

قدرت سے مدد ہاں نہ تصور بار میں

وہاں مسئلہ میں یہ بات قابلِ غور رہی ہے کہ ذات قادر مطلق صادق القہر ہے۔ وہ ذات مطلق الحکام ایک مقررہ حکم کے تحت چلا رہی ہے۔ وہ ذات اگرچہ اپنی قدرت کے مظاہر انبیاء و رسل کے کلمات کی صورت میں دکھائی رہی ہے اور قیامت تک وہ یہاں کی کرامات کی شکل میں

دکھاتی رہے گی۔ لیکن اس نے قرآن کریم میں ارکان دین اور عقائد اسلام کے حوالے سے جو تفصیلات بیان فرما کر دین کی تکمیل اور مسلمانوں پر اتمام نعمت کی مرثبت فرمادی ہے، اس میں نہ کبھی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ یہی وہ عظیم الشان عقیدہ ہے جس کی بدولت دین کی بنیادیں مستحکم ہیں۔ ورنہ اگر آج (قرآنی تعلیمات کے منافی) ایک پیرونی کو ہم شان سلیمان مان لیا جائے تو کیا بعید کل اسی بنیاد پر عصر حاضر کے کسی انسان کو دوسرے انبیائے کرام کا ہمسرو ہم شان ماننے کی بات چھڑ جائے اور گمراہی کا یہ سلسلہ فقہ انکار ختم نبوت تک دراز ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شمار انبیاء کے اولوالعزم میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ آپ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ”یشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) جیسی ہے۔ انہیں مٹی سے بنایا اور پھر فرمایا ہو جا“ تو وہ ہو گیا۔“ (آل عمران ۵۹)۔ اسی سورۃ مبارک کی ۴۹ ویں آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں ارشاد ربانی ہے ”(اے بنی اسرائیل) میں تمہارے لیے مٹی سے پرند جیسی صورت بناتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جاتی ہے فوراً“ اصل (جاندار) پرندہ اللہ کے حکم سے۔ اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور (لاعلاج) کو ڈھکی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے۔ اور بناتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بیشک ان معجزات میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے“ اگر تم صاحب ایمان ہو۔“ (آل عمران ۴۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا و آخرت میں عیسیٰ ابن مریم سے میں بہت قریب اور متصل ہوں اور ہمارے درمیان کوئی نمی نہیں ہے (مشکوٰۃ شریف) حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہی کہ توراۃ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہے آپ کے روزۃ اقدس میں آپ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے۔ راوی کا بیان ہے جس تجربہ مبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرمائیں۔ اس میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے) قبر کی جگہ باقی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ترمذی۔ کنز العمال)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے مبشر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور یہ باتیں بڑی بصیرت آموز ہیں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء و رسل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے نبی الملت ہیں۔ آپ ہی نے نبی اسرائیل کو یہ بشارت دی

تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا (سورۃ الصفہ-۶)۔ انجیل میں حضور اکرمؐ کا نام فارقلیط ان ہی معنی میں آیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اقدس ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور میری کی بشارت ہوں" (مشافہ شریف)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علوئے شان آپ کے معجزات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی مشابہت کے بارے میں ان مختصر معلومات کی روشنی میں مندرجہ ذیل شعر دیکھئے۔

آساؤں لبِ احمدؐ کے تجھے معجزے اب
دیکھ بیٹھا ہوں سچا ترے اعجاز بہت

اس شعر میں سوء ادب کا ایک پلو تو یہ ہے کہ جب کسی بزرگ سے کوئی بات کہنا ہوتی ہے تو ادب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان کو بلانے کے بجائے عرض داشت پیش کرنے والا شخص خود ان کی خدمت میں حاضری کا خواستگار ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں غیب کی باتیں بتانا شامل ہے اور آپ رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود سب سے بڑے مبشر ہیں۔ لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات سے انہیں بے خبر سمجھنا خوش عقیدگی کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب کا انداز اس شعر میں Chalange کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس انداز سے کسی نبی کو خطاب کرنا بے ادبی ہے۔

نبوت پر ولایت کو فضیلت دینا :

دنیاۓ اسلام کے ایک عظیم مفکر اور شاعر انگلستان جانے سے پیشتر جب دہلی گئے اور حضرت خواجہ نظام الدین اویاؒ محبوب الہی رستہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو ایک طویل منقبت پیش کی جس میں یہ اشعار شامل تھے:

نبیؐ کی زیارت نہ زندگی دل کی
سچ و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
خروشِ مکتبہ شوق نہ تیرے دم سے
طلب ہو خضرؐ کو جہلی "جام" ہے تیرا

اسلامی مقام کے ذیل میں یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ "وہی خواہ تیری بیست مرتبہ والا ہو کسی نبی سے یا نہیں ہو سکتا۔ نہ کسی غیر نبی کو افضل یا برابر تائے کافی ہے" (ہمارے شہیدیت) محول بالا شعر میں ایک دلی انداز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سے ہے۔ مرتبہ والا بیان لیا گیا ہے۔ اس شعر میں اسلامی مقام کے خلاف ہیں۔ ان اشعار میں خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام (نبی کی

نبوت میں اختلاف نہیں) کی شان گھنائی مٹی ہے۔ لہذا یہ روئے لائق تعزیر ہے اور نئی نسل کے شعرائے کرام کو اس سے اجتناب کرنا لازمی ہے تاکہ ایسی ناش غلطیوں اور بد عقیدگیوں کو دہرایا نہ جاسکے۔

اسلام میں دیگر انبیاء کی توقیر :

مذہب اسلام نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی عظمت و توقیر کی تعلیم دی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ یہودی کی بیٹی ہے۔ حضرت صفیہؓ یہ سن کر رونے لگیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اور ان کو روتے ہوئے پایا۔ آپؐ نے پوچھا روتی کیوں ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت حفصہؓ نے میرے متعلق کہا ہے کہ یہ یہودی کی بیٹی ہے آپؐ نے فرمایا (نہیں) تم ایک پیغمبر (حضرت ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہو۔ اور تمہارا چچا (موسیٰ علیہ السلام) بھی پیغمبر ہے اور تم پیغمبری کی زوجیت میں ہو۔ پھر وہ کس وجہ سے تم پر فخر کرتی ہے۔ پھر آپؐ نے (حضرت حفصہؓ سے) فرمایا حفصہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (ترمذی شریف)۔

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آقائے دو جہاں امام مرسلان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیائے سابقین علیہم السلام کے حفظ مراتب کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے۔ آپؐ کی یہ مبارک عادت تھی کہ جب کسی واقعہ کے تحت (مثلاً "شفاعت کبریٰ" "لوائے حمد" مقام محمود وغیرہ) دیگر انبیائے کرام کے مقابلے میں اپنی ذات اقدس پر انعامات الہیہ کی کثرت بیان فرماتے تو ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ لہذا امت مسلمہ کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہونے پر شکر خداوندی بجالائے اور دیگر انبیائے کرام کی تعظیم و توقیر کا بھی ہمیشہ خیال رکھے یہی راہ صواب ہے۔ خصوصاً "نعت نگار حضرات کو ان باتوں پر خصوصی توجہ دینا چاہیے۔

صراحت : بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر یہ مقالہ نظر ثانی اور ترمیم و تنسیخ سے پیشتر (خام حالت میں) ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس میں بہتری کی بہت کچھ گنجائش موجود ہوگی تاہم کوشش یہی کی گئی ہے کہ نفس مضمون کی ضرورت و اہمیت کے لحاظ سے مناسب مواد معتبر اسناد کے ساتھ ہدیہ قارئین کیا جائے تاکہ عقائد اسلام کے اس بنیادی رکن (ایمان بالرسول) کے بارے میں ضروری معلومات فراہم ہوں۔ اور ہماری نئی نسل کے نعت نگار اس سے کماحقہ استفادہ کر سکیں۔

آپؐ بھی توجہ فرمائیے :

حسب سابق ذیل میں قارئین کرام کی خدمت میں کچھ اشعار بلا تمبرہ پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اب

نہد کی منگو سے جو مثبت اثرات آپ کے ذہن پر مرتب ہوئے ہیں تھوڑی سی توجہ فرمانے سے ان کے نتائج سامنے آسکیں:

مفت حاصل ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کونے داموں بکے' یوسفؑ کی یہ تصویر نہیں

گناہ گاران امت کی حقیقت کیا کہ محشر میں
سارا دھونڈتے ہیں انبیاءؑ ان کی شفاعت کا

مری نگاہ ہر اک لمحہ اس کے در پر ہے
کہ جس کے در کا گدا گر ہر اک پیہر ہے

ٹائے خواجہ میں دیکھیں گے جب مرا اسلوب
تو کیا کہیں گے حاکم اور انبیاءؑ مجھ کو

شاہِ مہندہ شب کے والی
سارے نئی تہ در کے سوال

ان کی قسمت یہ نہیں کہ بھی رشک ہے
جن کو تم سے جیب خدا مل گیا

اب ان کو دیکھ لیتے اندر - رخ کے جلوے
موسیٰؑ سے دستِ مہر شمعِ حق کی دست

مصرؑ میں صورتِ موسیٰؑ عین
ایک منہ سے دیاں دیاں سے نظر

میں نے دیکھا کہ مومنؑ کے لیے
جو ہے سے انھیں وہ اپنے اپنے

اک نہیں لاکھ زلیخا ترے یوسفؑ ہووے
 پھر بھی بندہ ہے میرے یوسف لاثانی کا
 طور کا جلوہ تھا جلوہ آپ کا
 لن ترانی تھی صدائے مصطفیٰؐ
 اگر کوئی شعیب آئے میر
 شبانی سے کلیسیا دو قدم ہے



اس کو کہتے ہیں تکمیل انسانیت
 ساری اچھائیاں ایک انسان میں

ہم
 نعت رنگ کی اشاعت
 پر ”اقلیہ نعت“ کو
 ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں

اے حامد اینڈ کو
 ۱۰ اکروناٹک پورہ کو جرنوالہ

نعت پر تنقید (دوسرا رخ)

پروفیسر عاصی کرناالی

نعت رنگ کے دو شمارے اور ان میں نئے ڈالنے کی تحریریں نظر سے گزریں تو محسوس ہوا کہ ایک علمی اور تحقیقی خلا جو اس جریدے کے سبب پر ہوا۔ مختلف موضوعات پر اہل قلم کے مضامین تو اپنی جگہ لائق مطالعہ اور لائق استفادہ ہیں۔ نعت پر تنقید کا ایک تحقیقی سلسلہ مضامین اپنی جگہ خاصے کی چیز ہے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ جو اشعار سرکار رسالت کی بارگاہ میں نذر عقیدت ہیں۔ ان پر قلم اٹھانا اور ان کے بارے میں تنقید کی جرات کرنا غیر مناسب بلکہ ایک طرح سے نعت کے تقدس کے متافی ہے۔ حالانکہ نعت کا نذر عقیدت ہونا ہی اس جذبے کا محرک ہے کہ حضور کی درگاہ ادب میں جو نذر پیش کی جائے وہ کس قدر خالص، بے عیب اور منزہ ہونی چاہیے اور اس میں فنی اور معنوی سلامت روی اور حزم و احتیاط برتنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تجربے کا بھرپور آغاز نعت رنگ سے ہوا اور کیونکہ یہ سلسلہ تنقید اپنے آغاز سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس لئے شرف اہلیت بھی نعت رنگ ہی کو حاصل ہے۔

نعت کے موضوع پر تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا الحمد للہ سلسلہ چل نکلا ہے اور متعدد اہل قلم نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور نہایت ادب آمیز جرات کے ساتھ بہت سی کام کی باتیں لکھی ہیں اور لکھ رہے ہیں حتیٰ کہ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی تنقید شمر پر قسین کی جاتی ہے تو شاعر کا نام درج ہوتا ہے۔ اگر کہیں تنقید و تقریریں ہوتی ہے اور کوئی انتہائی بات لکھی جاتی ہے تو شاعر کا ذوال حذف ہوتا ہے۔ یہ روش نہایت قابلِ تعریف ہے۔ بات بھی ہو جاتی ہے اور پردہ بھی رہ جاتا ہے۔ اس روش کو اگر اسی طرح نہایت جانتے تو زیادہ مکمل کر بات ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بعض ناقدین نے اختلاف کے واقع پر نعت گو کا نام بھی لکھ دیا ہے اس سے شاعر شرمندہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس پردہ کشائی سے اجتناب مناسب ہے۔ یہ پردہ کشائی اس لئے بھی ضروری ہے کہ جہاں اس سے اختلافات کا ایک تقاضا پورا ہوتا ہے۔ وہیں تضاد کے لئے جہاں سب سے بھی غلطی ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ خدا کو خانی کی نشان دہی کرتے ہوئے خود کوئی سو ہو گیا

ہو۔ سو شاعر کا نام نہ لکھنے سے شاعر اور ناقد دونوں ہی کی پردہ داری کا تلامذہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ میں نعت رنگ میں ”تنقید نعت“ کی ناقدانہ روش کو اور محققانہ عمل کو نگاہ تحسین سے دیکھتا ہوں اور اس اولیت اور اس کے تسلسل پر نعت رنگ کے عملہ ادارت کو مبارک باد دیتا ہوں۔

اب مجھے تنقید نعت کے دوسرے رخ پر بات کرنی ہے۔ اس امر کا اظہار بے محل نہ ہو گا کہ تنقید کوئی آسان کام نہیں۔ نقاد کو بہت سے علوم و فنون پر عبور کامل ہونا چاہیے۔ خصوصاً وہ جس صنف شعر و ادب پر قلم اٹھا رہا ہے۔ اس سے متعلق بہت سا ہمہ پہلو اور ہمہ جہت علمی ذخیرہ اس کے دامن علم میں ہونا چاہیے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ وہ جس صنف شعر و ادب پر تنقید اور تحقیق کر رہا ہے۔ اس سے وہ تحقیقی سطح پر بھی نہ صرف آشنا ہو بلکہ اس بحرِ زخار کا شکار بھی ہو۔ المختصر اسے کامل دستگاہ حاصل ہو، تاکہ وہ استدلال اور حوالے کے ساتھ بات کر سکے اور شعور اور بصیرت کا اتنا بہرہ وافر اس کے پاس ہو کہ وہ اعتماد اور خود اعتباری کے ساتھ رائے قائم کر سکے اور محاکے کے جاوہ نازک سے سلامت ردی کے ساتھ گزر سکے۔ نقاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحبِ عدل ہو۔ کسی طرفداری اور کسی گروپنگ کا شکار نہ ہو۔ جذباتیت سے مغلوب نہ ہو۔ اس کی سوچ اور اس کا اظہار دونوں اس کی عالی ظرفی، بلند حوصلگی، صبر اور قوت برداشت کے غماز ہوں منصب نقاد اصل میں منصب عدل ہے اور اس کے لئے اہلیت کی شرائط اور نقد و نظر کے ضوابط سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں میں خود ہی اس بات کی وضاحت کر دوں کہ جس طرح ہر شاعر جذبہ نعت گوئی کی فراوانی اور اضطرابِ شوق کے باوجود اعلیٰ درجے کا نعت گو نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نقد و نظر کا ہر مدعی بھی ایک معتبر نقاد نہیں بن سکتا۔ یقیناً ”خواہشِ عدل“ کسی بھی شخص میں ہو سکتی ہے لیکن محض اس خواہش کی بناء پر اسے منصبِ عدالت پر فائز نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ وہ عدل کی اہلیت کے ساتھ ساتھ عدل کے علم اور اس علم کے اسرار و رموز سے آشنا نہ ہو۔ ہم کس شخص سے یہ توقع باندھیں کہ وہ کسی غزل پر تنقید کرے اور اس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ شعر کو صحیح قتلچ کے ساتھ پڑھ بھی نہ سکے۔ جب کہ نقد غزل کے لئے اساس یہ ہونی چاہئے کہ وہ تحقیقی سطح پر خود اچھا غزل گو ہو اس کے علاوہ وہ غزل کے بارے میں جامعیت کے ساتھ بہت سا علم رکھتا ہو۔ غزل کیا ہے اس کے موضوعات اور مضامین کیا ہیں۔ اس کے فنی حدود و قیود کیا ہیں۔ غزل اپنی ابتدا سے چل کر ارتقا کے کتنے مراحل طے کر چکی ہے۔ کن کن تحریکات اور دستانوں سے کیا کیا اثرات اس نے قبول کئے ہیں۔ قدیم اور متوسط زمانوں، نیز عمر گزراں میں اس کا رنگ و صنف کیا کیا رہا ہے۔ ہمارے سائنسی دور اور نئے علمی اکتشافات سے اس نے کیا کچھ جذب کیا ہے۔ وہ مختلف ادوار میں کن کن مسائل و افکار کی آئینہ

دار رہی ہے۔ غزل اور زبان و بیان کے تحولات و تغیرات، صنائع بدائع، عروض، بیان اور بلاغت کے کن کن پہلوؤں کا غور اس سے ہوا ہے۔ اسی غزل کا ایک اور متوازی مطالعہ یہ ہے کہ مختلف زبانوں سے اس کے اخذ و اثر اور جذب و ابجذاب اور تاثر و تاثر کی کیا صورتیں سامنے آئی ہیں۔ غزل کے ناقد کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اسے بے شمار شعرائے قدیم و جدید کے موضوعات و اسالیب کے ساتھ ساتھ ان کے بے شمار اشعار کا بھی درک ہو۔ تب اتنی بہت سی علم آشنائی کے ساتھ اور شعور و بصیرت سے آراستہ ہو کر وہ غزل پر معتبر اور لائق استفادہ تنقید کر سکتا ہے۔ یہ ایک معمولی سی مثال میں نے عرض کی ہے جس سے مدعا محض اتنا ہے کہ تنقید کا منصب اور اس کی ذمہ داریاں بہت نازک اور اہم ہیں۔ میں یہاں یہ بھی وضاحت کرتا چلوں کہ میں کسی کی آزادی رائے کو سلب کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ بے شک ایک عام سطح کا آدمی بھی کوئی غزل سن کر یا کوئی افسانہ پڑھ کر اپنی ایک رائے قائم کر سکتا ہے لیکن تاثراتی رائے اور نقد و نظر میں جو امتیاز ہے اس سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں اور اکثر نگاہ مبہرت سے یہ مناظر دیکھتے ہیں کہ کسی بھی تنصیف پر کوئی بھی شخص تقریظ یا رباجہ لکھ مارتا ہے اور لطف یہ کہ ہم اس تقریظ نگار یا رباجہ نویس سے متعارف ہوتے ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ کتام ہے اور اس نے ادب کی ایک سطر بھی تخلیق نہیں کی لیکن خیر سے اس نے تنقیدی مضمون لکھ لیا۔ اب اس تنقیدی مضمون کو پڑھئے تو اس میں اتنی بے معنیت، لالچ، تعصب اور اقتضاد حتیٰ کہ جملہ سازی کی اغلاط ہوتی ہیں کہ نوحہ باللہ من ذالک! چشم بد دور ہمارے ملک میں ایسے نقادوں کی کھپ کی کھپ موجود ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں نہ ایک شعر کہا نہ ایک نثری جملہ تخلیق کیا لیکن تنقید لکھنے جارہے ہیں اور مہنائے بے غلی جو کچھ ذہن میں آیا، کاغذ پر گھسیٹ رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ گویا ان کے ہاتھ میں ایک ”ج“ کا قلم ہے۔ مصحف ہونے کی سزا کا حکم سنا دیں یا باعزت بری کر دیں۔ آپ وطن عزیز میں آئے دن ہزاروں کتابیں چھپتے دیکھتے ہیں اور ان کے آغاز میں ایک رباجہ یا تنقیدی مضمون بھی ملاحظہ فرماتے ہیں۔ بعض تنقیدی مضامین تو ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ہی مضمون ذرا سے نام یا جملوں کے رد و بدل کے ساتھ کئی ایک کتاب نویسوں پر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی شاعر ایک سرائیکہ کر صرف ناموں کے ادل بدل کے ساتھ اس سے آٹھ دس سرت گمز لیتا ہے۔

جب عام اصناف ادب میں تنقید کے لئے اہلیت اور شرائط و لوازم کی سخت قید ہے تو نعت ایسی منفی الصفت، اشرف میں خدا کے معیار و منزلت کے بارے میں آپ کی توقعات کیا ہونی چاہئیں؟

مجھے اطمینان ہے کہ ”نعت رنگ“ کے ہر دو شماروں میں لائق اعتبار نقادوں کی غلط آرا سامنے آئی ہیں

اور میں اور مجھ جیسے دوسرے قارئین یہ توقع رکھیں گے کہ نعت رنگ کے صفحات پر ہمیشہ اچھی ہی تنقید کے نمونے نظر سے گزریں گے اور جب کوئی تنقیدی مقالہ علم ادارت کے سامنے آئے گا وہ اسے بار بار پڑھیں گے اور نہایت ادارتی ذمہ داری اور صحافتی دیانت کو ملحوظ رکھیں گے۔ اگر وہ دیکھیں کہ کسی تنقیدی مقالے کا کوئی حصہ یا کچھ اجزا سلی ہیں یا اختلافی مباحث کو ہوا دیتے ہیں۔ یا رنج و رنجش کا موجب بنتے ہیں۔ ان کو بلا تکلف حذف کیا جاسکتا ہے۔

نقاد کو کبھی یہ طے نہیں کرنا چاہئے کہ جو کچھ اس نے لکھ دیا ہے وہ قطعی ہے، حرف آخر ہے، قول فیصل ہے عدالتی فیصلہ ہے۔ ادب میں رائے ہوتی ہے، محاکمہ نہیں، یہ رائے جتنی وقیع با معنی، معیاری اور پذیرا ہو، اچھا ہے۔ لیکن نقاد کی رائے میں کوئی جھول اور خامی بھی ہو سکتی ہے اس لئے اس کی تنقید پر کوئی رد عمل ہو اور کوئی اختلافی رائے سامنے آئے تو اسے عالی ظرفی کے ساتھ قبول کر کے اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔

نائد نعت کو چند امور ذہن میں رکھنے اور انہیں بروئے کار لانا چاہئے۔

(۱) تنقید کرتے وقت جذباتیت اور غصے جیسی کیفیت پر قابو پانا چاہئے۔ اگر وہ کسی نعت گو کے یہاں کوئی (واقعی) خامی پائے تو اسے بے علم، بے خبر، کم راہ، کج روییے القاب سے نہ نوازے۔ اسی طرح اسے وعید سے بھی باز رہنا چاہئے۔ خدا رحیم و کریم ہے اور غفور و درگزر اس کی صفت ہے۔ ہم وعید سناتے رہ جائیں اور وہاں سے پروانہ بخشش جاری ہو جائے واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) خامی اور خطا کی نشان دہی پر کسی کی نیک نیتی (اخلاص نیت) کو ہدف نہیں بنانا چاہئے اور ہرگز شبہ وارد نہیں کرنا چاہئے۔ کون ایسا مردود و معتب و بد بخت ہو گا جو حضورؐ کا کلمہ بھی پڑھے، ان کی مدح و ثناء بھی کہے اور اس کی نیت میں فتور بھی ہو۔ وہ دانستہ ایسے مضمون باندھے جن میں کسر شان اور استخفاف ہو۔ خلوص نیت کے باوجود کوئی فکری یا قلمی لغزش ہو جائے تو ایسا شاعر لائقِ نفرت نہیں بلکہ راہ نمائی اور ہمدردانہ ہدایت کا ضرورت مند ہے۔ نائد کو چاہئے کہ اس پر کفر و شرک کا فتویٰ صادر کرنے کی بجائے اس کی غلطی راہ بری کرے۔

(۳) اپنی تنقید کی گرم بازاری کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نائد کئی نعتیہ تصانیف و ذخائر کا ڈھیر لگالے۔ آستینیں چڑھالے اور قلم کو نشتر بنا کر نیش زنی کا عزم کر لے اور یہ طے کر لے کہ مجھے عیب شماری اور خطا بینی کے فیلڈ کا تہمین بننا ہے۔ بلکہ اگر کوئی نعت کو خود سے چاہے کہ اس کے کلام پر رائے زنی کر دی جائے تاکہ اسے اصلاح کی روشنی حاصل ہو، تب یہ اخلاقی فریضہ ادا کرنا زیادہ موزوں ہو گا۔

(۴) تنقید اور خصوصاً "نعت پر تنقید کے رویے کے بارے میں ایک امر کے اختیار پر میں ضرور ناقدین سے اصرار کروں گا کہ وہ "مرحومین" کو زیر تنقید لانے سے عموماً "اجتناب فرمائیں۔ دنیا سے جانے والے اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو چکے ہیں۔ وہ جانیں ان کا رب جانے۔ پھر اب وہ اس مقام پر ہیں کہ ناقد کی عیب نمائی خطا جوئی اور اغلاط کی نشان دہی پر اپنی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اگر تنقید کے سیاق میں ان کا حوالہ لازمی ہی نظر آئے تو احرام رفتگان کے جذبے کے ساتھ نہایت ہلکے پھلکے انداز میں ان پر رائے زنی کرنی چاہئے۔

اکثر مرحومین نے یرشب کا لفظ بے تکلفانہ استعمال کیا ہے۔ یا عربی اور فارسی میں ضمیر واحد حاضر یا واحد نائب کا اہتمام کرتے ہوئے اردو نعت میں بھی یہی ضمیر استعمال کی ہے۔ یا کیس کیس غلو اختیار کیا ہے۔ دنیا سے گزرنے والے اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ہاں جو ہمارے درمیان ہیں ان کی نعتوں پر فنی شرائط اور اخلاقی ضوابط کے ساتھ رائے کے اظہار میں کوئی قناعت نہیں ہے۔

(۵) غلو کی بات چلی ہے تو یہاں ایک اور نکتہ سمجھ لیتا چاہئے۔ اللہ کی صفات کا ہر تو بند گمان الہی اور خصوصاً مبادی خاص (خاصان خدا) پر ہوتا ہے۔ خدا رحیم و کریم ہے، رحم و کرم کی صفت بندوں میں بھی ہوتی ہے۔ خدا رؤف ہے جو ادب ہے۔ خطائیں بخشنے والا ہے، عدل اور فضل اس کی صفات ہیں۔ بندوں میں ہی رافت و رحمت، جو دوستی، خطا پوشی اور انصاف پسندی کے اوصاف موجود ہیں۔ جو بند جس مرتبہ خلق ہوگا اس کے اخلاق میں اتنی ہی غلو اور رفعت ہوگی۔ انبیاء و مرسلین عظیم السلام تو بے شمار صفات ایسے راضق خداوندی کے ہر تہ سے خصوصاً "کس پذیر اور متعفف ہوتے ہیں۔ اس لئے نعت و ثنائے رسول میں جب نعت گوئی کی وصف بگاری کرتا ہے تو بعض ناقدین اسے غلو قرار دے کر یہ ادبی فتویٰ دے ڈالتے ہیں کہ نعت بیکار ہے اعتیالی سے الٹی حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ مثلاً "استغاثت کا مضمون ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین کی آیت جہیز میں استغاثت باللہ کا حکم واضح ہے لیکن یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ امانت و نصرت کے سلسلے میں جو خدا کی حدود اختیارات ہیں (اور ان کی کوئی انتہا نہیں ان میں کوئی نئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ لیکن امانت ظہری میں جو انسانی حدود اختیارات ہیں۔ ان کے پیش نظر ہم نعت میں غلو مطمئن نہیں ہوتے جس کے وسیلے ہم اپنے نبی سے کچھ طلب کریں۔" سے یوں سمجھنا چاہئے کہ مثلاً "اللہ تعالیٰ کے والی ذات اس عظیم صفت کی ہے کہ اللہ کہتے ہیں لیکن ہم امراض امت کے مالے سے گمراہی سے وہاں بھی گمراہی تو اس میں اختلاف الہی کی نکتہ ہی صورت نکلتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ "موت ہے وہاں ہے شب آپ بھی چارہ بازی نہ یہاں ہی تو چارہ مارا کہہ رہا ہے اللہ

کے شافی مطلق ہونے کی نفی کیسے ہو جاتی ہے۔ یا ”نگاہے یا رسول اللہؐ نگاہے“ کہہ کر اقبال جو اپنے نبیؐ کی چشم التفات سے نگاہ کرم کا طالب ہے، خدا کی نگاہ کرم سے کیسے بے نیاز ہو گیا؟
نتیجہ کلام یہ ہے کہ اگر نائد ان مبادیات و امور کو نظریں رکھے تو وہ استخفاف الہی کا حکم ہر مقام پر صادر نہیں کر سکتا۔

نعت رنگ کے سلسلہ نمبر ۲ میں کئی ناقدین نے نقد کے عمدہ اور اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔ اس فہرست میں جناب رشید وارثی بھی ہیں جن کی تنقید کا انداز نہایت عالمانہ ہے۔ میں ان کی محنت، وقت نظری، تحقیق اور تدقیق کا معترف ہوں۔ نام لئے بغیر انہوں نے میرے بعض اشعار پر گرفت کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے احتساب و نقد سے مجھے روشنی ملی ہے کیونکہ انہوں نے نہایت اخلاص سے میری نعت گوئی کی راہ گزر پر محبت اور ہدایت کے چراغ رکھ دئے ہیں اور میرے سفر کو آسان بنا دیا ہے۔ ایک دو مقامات پر میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ ایک مضمون یوں ہے کہ جب کائنات نہیں تھی تو عدم تھا۔ اس عدم کے باوجود خدا تھا اور اس کی ”وحدت“ تھی۔ بقول غالب: نہ تھا کچھ تو خدا تھا..... پھر خدا نے وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ تب کائنات کو وجود و ظہور بخشا اور صحرائے عدم چمنستان موجودات میں بدل گیا۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھ کر میں نے یہ شعر کہا۔

وہ جو آئے ہیں تو ساتھ آئی ہیں ساری رونقیں
ورنہ صحرائے عدم میں کیا تھا وحدت کے سوا

محترم نائد نے اس شعر کو شان الوہیت کے استخفاف میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ جب نبی ظہور فرماتا ہے تو وہ خدا فراموش اور کثرت پرست انسانوں کو توحید آشنا کرتا ہے اور انہیں معرفت الہی سے روشناس کراتا ہے۔ دوسری جانب نبی مرسل انسانوں کی اخلاقی تربیت فرما کر انہیں شرف انسانیت سے بہرہ ور اور عظمت بشری کی منزل سے آشنا کرتا ہے تاکہ وہ نیابت الہی کے منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس ضمن میں میرا ایک شعر ہے۔

ہم نے پہچانا خدا کو اس سے بڑھ کر یہ ہوا
تیرے ملنے سے ہمیں اپنی شناسائی ملی

یہ بھی جناب نائد کی نظر میں شان الوہیت کے منافی شعر قرار پایا۔

ایک اور شعر کو زیر تنقید لاتے ہوئے کہا گیا کہ ”یہ صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب سے ہے۔“ حالانکہ صدارتی ایوارڈ کسی ہنر پر مرتقدیق نہیں ہوتا۔ منصب نقد ایسے جذباتی لہجے کی اجازت نہیں دیتا نعت

رنگ سلسلہ نمبر ۱ میں جناب عزیز احسن کا ناقدانہ مضمون بڑے پائے کا ہے اور انہوں نے واقعی تنقید و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک مقام پر (ان کے نہایت احترام و تکریم کے باوصف) میں ان سے اتفاق نہیں کر سکا۔ جناب حافظ لدھیانوی جو عصر حاضر میں نعت کے تاریخ سازوں میں ہیں اور جن کا تخلیقی ذخیرہ معیار و مقدار کے اعتبار سے نہایت گراں قدر ہے، ان کی ایک نعت میں فاضل نقاد نے چند اشعار الگ کر کے یہ فرمایا ہے کہ یہ حمد کی تعریف میں آتے ہیں، نعت پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا، میری اختلافی رائے کے مطابق یہ نعت "نعت مسلسل" کی تعریف میں آتی ہے جیسے بعض غزلیں، غزل مسلسل کے اسلوب میں کہی گئی ہیں۔ ایسی غزل یا نعت میں کسی مضمون کا تسلسل ہوتا ہے اور اول سے آخر تک یکساں فضا پائی جاتی ہے۔ مسلسل کلام سے دو چار شعروں کو الگ نہیں کیا جاتا۔ مسلسل نعت میں یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ہر شعر میں قرینہ نعت موجود ہو، ایسے تمام اشعار ایک یونٹ کی شکل میں ہوتے ہیں اور ان میں ایک معنوی ربط کا تمازمہ ازاں تا آخر موجود ہوتا ہے۔ ویسے بھی حافظ صاحب کی زیر تنقید نعت جس مجموعے سے لی گئی ہے اس کا نام ہی "کیف مسلسل" ہے۔ یہاں میری یہ بات جو اوپر مذکور ہوئی، ضرور یاد رکھئے کہ حضور علیہ السلوۃ والسلام کے اسمائے صفاتی اور اخلاق حسنہ اس قدر بیکراں ہیں کہ فاضل ناقد نے جن اشعار کو ملحدہ کر کے حمد خداوندی سے منسوب کیا ہے وہ حضورؐ کی آئینہ اخلاق کا مظہر ہیں۔

بشیرؒ

پشمرہ فیض ہے رواں تیرا سب پہ ہے لطف بیکراں تیرا
ذرت ذرت میں ہے بتال تیرا نور ہے ہر کس عیاں تیرا
یہے حافظ ثناء کہتے تیری وصف ہو اس سے کیا بیاں تیرا
کیونکہ یہ "کیف مسلسل" کے مجموعے سے ہیں اور کیونکہ یہ نعت مسلسل کی تعریف میں آتے ہیں اور
کیونکہ ثناء نے غلو سے نیت کے ساتھ انہیں نعتیہ کلام میں شامل کیا ہے، اور کیونکہ کلام مسلسل میں ہر
شعر کے لئے قرینہ کا تمازمہ نہیں ہوتا اور کیونکہ اخلاق محمدیؐ کی کوئی حد و نہایت نہیں، اس لئے براہ کرم
کھینچ تان کر انہیں "مذہبی" کے احاطے میں نہ لائیے اور نعت ہی رہنے دیجئے!

انجمن نعت رنگ کا یہ اقدام یعنی نعت پر تنقید وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت ہے اور اب تک
شائع ہونے والے تنقیدی مواد نے حیثیتاً "نعت بیکراں کی فکری تربیت کا لائق تحسین فریضہ انجام دیا
ہے اور یہ مبارک کام جاری رہنا چاہئے۔ بس میں ایک خط میں صرف ایک ضروری نکتہ عرض کرنا

چاہوں گا کہ جتنا نازک کام نعت نگاری ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی نازک تر کام نعت پر تنقید ہے۔
آج کے تناظر میں عربی کا یہ شعر نعت اور تنقید نعت دونوں پر صادق آتا ہے۔

عربی مثاب ایں وہ نعت است نہ محراث
آہستہ کہ وہ بر دم تیغ است قدم را

ماہنامہ ”نعت“ لاہور

زیر ادارت..... راجا رشید محمود

جنوری ۱۹۸۸ء سے پوری باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے
۱۳ صفحات، خوبصورت، معیاری کمپوزنگ، سفید کاغذ، چار رنگا سرورق
ہر شمارہ نعت یا سیرت کے کسی ایک موضوع پر خاص نمبر
فی شمارہ ۱۵ روپے اشاعت خصوصی ۶۰ روپے ○ زر سالانہ دو ۰ روپے
اظہر منزل۔ مسجد اسٹریٹ نمبر ۵ نیو شمالا مار کالونی ملتان روڈ لاہور ۵۴۵۰۰

تذکرہ دبستان کراچی

بزم تخلیق ادب (پاکستان) کراچی کے زیر اہتمام ایک کتاب ”تذکرہ دبستان کراچی“ کے
نام سے زیر ترتیب ہے۔ جس میں کراچی کے تمام زندہ اور مرحوم شعراء کے اجمالی
کوائف زیست شائع کئے جائیں گے۔ کراچی کے شعراء اور مرحوم شعراء کے لواحقین
سے ہماری گزارش ہے کہ وہ درج ذیل پتے پر جوابی لفافہ بھیج کر فارم حاصل کریں۔

سید معراج جامی

بزم تخلیق ادب (پاکستان) کراچی

۱۲/۱۹۲- اے گلبرگ۔ فیڈرل بی ایریا کراچی ۷۵۹۵۰

اردو نعت اور جدید اسالیب

عزیز احسن

ادب زندگی کی حیاتی حقیقتوں اور دل و دماغ پر پڑنے والے اجتماعی اثرات کا عکاس ہوتا ہے۔ ادب میں خبر نہیں بلکہ اس خبر سے انسانی شخصیت یا پورے معاشرے کے عمرانی حالات پر پڑنے والے تاثر کو محسوس کیا جاتا ہے۔ یہاں تاریخ انسانی و اتفاقی صداقتوں کے ساتھ نہیں لکھی جاتی ہے بلکہ تاریخی عمل سے اجتماعی شعور پر پڑنے والے جذباتی بمنور منعکس ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل دانش واقعات جاننے کے لیے تاریخ اور واقعات کے عمرانی اثرات اور انسانی احساسات جاننے کے لیے ادب پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا ہے ادب کی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ ادب کے مواد (Content) میں بھی انقلاب آتا ہے اور موضوعات و اسالیب میں بھی زندگی کی سمبیر تازگی دیتی ہے۔ جس ادب میں وقت کا ساتھ دینے کی سکت نہیں ہوتی وہ ادب جامد ہو کر زندگی کو متاثر کرنے والی صلاحیت کھو دیتا ہے اور یوں ادب کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اردو نعت بھی عہد بہ عہد ارتقائی مراحل سے آشنا ہوتی رہی ہے۔ یہاں بھی شعری اسالیب میں ہونے والی تبدیلیاں اور اجتماعی حالات کے اثرات کی گونج سنائی دیتی ہے۔ زمانی اور مکانی حوالے بھی کسی نہ کسی نوع پر اردو نعت میں راہ پاتے رہے ہیں۔ لیکن ادب کی دوسری اماناف اور عام شاعری (poetry) کے مقابلے میں مجے کی تبدیلیاں اور اسالیب کی چمک دک نعت میں ذراست و رفاری سے اباگر ہوئی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شعر پر فنی گرفت رکھنے والے شعراء نے تو صرف حاصل سہولت کے لیے اکاؤنٹ لیں کہ کر تسکین پالی اور جن لوگوں نے نعت کوئی پر خصوصاً توجہ دہی ان میں اپنی شعور کھینے والے شعراء کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔

نعت کا موضوع تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے لیکن اس کی جہتیں ہر عہد میں نو دریافت دنیاؤں کی طعن افش نعت پر روشن ہوتی رہی ہیں۔ ولی دکنی سے احمد ندیم قاسمی تک غزل کے مجے میں تبدیلیاں آئیں اور اسالیب میں جو نگار پیدا ہوا اس کے باعث غزل کی دست میں کسی جانی والی نعتیں لکھ بھی کسی نہ کسی شک بد اور نعتیہ نظموں میں بیانے (Narrative) اور خطابے (Rhetoric) انداز خاص سے شک کم ہوا ہے اور اب اچھے شعراء کا نعتیہ نظموں میں بھی کم و بیش وہی تخلیقی رویہ ہے جو وہ اپنی

عمومی شاعری (General Poetry) میں اپناتے ہیں۔ آج کی نظم خیالات کی گہرائی اور علامتوں کے استعمال کی وجہ سے تجریدی معنوی کا سا روپ دھار چکی ہے۔۔۔ اور بعض شعراء اپنے تخلیقی خلوص کی وجہ سے خوبصورت نظمیں کہنے میں بہت کامیاب ہوئے ہیں اور وہ نظمیں اپنی فلسفیانہ گہرائی اور علامتوں کی ندرت کے باوجود محروم ابلاغ نہیں رہی ہیں۔ نظم میں غزل کی طرح عوامی اپیل نہ سہی لیکن زندگی کے پیچیدہ مسائل اور خیالات کی بولچھنی جس کامیابی سے نظم میں اجاگر ہو سکتی ہے غزل کے اشعار کی اکائیوں میں نہیں ہو سکتی۔

امناف سخن کی اہمیت اور محدودات یا وسعتیں اور ہستی تسوعات کا ذکر تو نمنا "آگیا ہمیں تو اس مضمون میں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اردو نعت میں جدید اسالیب نے کس حد تک راہ پائی ہے اور مضامین کے حوالے سے اس صنف شریف میں کیا وسعتیں پیدا ہو سکی ہیں؟

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار، آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کی آرزو، مدینہ پہنچنے کی تڑپ، حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے معجزات بالخصوص معراج کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشرف الانبیاء ہونے کا تذکرہ، آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی ترغیب، آپ ﷺ کی عملی زندگی کی مختلف جہتوں کی مرحلہ وار یا جزوی تصویر کشی آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی والمانہ عقیدت اور جاں نثاری کے واقعات تو اردو نعت کی مفرس سی ہی سے رقم ہوتے رہے ہیں اور بیشتر نعتوں میں عصری آشوب کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست استمداد کا ذکر بھی ہے یا آپ سے دعا کی درخواست کی گئی ہے مثلاً

ع اے خاتمہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے

موضوعات آج بھی کم و بیش وہی ہیں لیکن باشعور نعت گو شعراء کا لہجہ عصری ادبی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو رہا ہے جو نعت کے ارتقاء کی علامت ہے۔

نعتیہ افق پر جدیدیت کا پہلا ستارہ اقبال کے اس شعر کی صورت میں روشن ہوا۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اقبال کے اس شعر سے قبل معراج کے حوالے سے اردو کی ابتداء ہی سے نعتیہ غزلوں اور مثنویوں

میں واقعہ معراج کا ذکر کثرت سے ہوا تھا۔ احمد رضا صاحب بریلوی نے تو ایک قصیدہ بھی "در تہنیت شادی اسراء" کے زیر عنوان لکھا تھا جس کا مطلع یہ تھا۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نزلے طرب کے سماں عرب کے مسمان کے لیے تھے
لیکن معراج پر تمام اردو شعری سرمائے میں اقبال کا سا کوئی شعر نہیں تھا۔۔۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے
اقبال سے قبل مذہبی لٹریچر میں انسانی دنیا پر معراج محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات کا ذکر اس قدر
سائنٹیفک انداز میں شاید ہی ہوا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو محض آپ ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بیان
کرنا ایک جت ضرور ہے لیکن آپ ﷺ کے معجزات کو رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے
بلوغ اور ذہنی و عملی ارتقاء کے تاثر میں دیکھ کر مدلل انداز میں پیش کرنا کچھ اور ہی چیز ہے۔ اس حوالے
سے اردو نعتیہ شاعری پر نگری دروازے کھولنے کی یہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی۔

ارض پاکستان میں گزشتہ دو تین دہائیوں سے ”رفع النالک ذکر کرد“ (ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا)
(الم نشر آیت ۴) کی عملی تفسیر فضاؤں پہ تحریر ہو چکی ہے۔ نعت گوئی بلندی ذکر رسالت مآب ﷺ
کے لیے ایک اہم وسیلہ ہے لہذا اس خطے کے شعراء اس میدان میں اپنے اپنے فن کی پونجی لے کر حاضر
ہو گئے ہیں ان شعراء میں کچھ نعت کے تخصیص میں ہیں اور بیشتر حصول سعادت کے لیے نعت گو شعراء کی لے
سے لے مار رہے ہیں۔ اس کارواں میں بعض شعراء اپنے فنی غلوں اور نعت سے خصوصی قلبی نسبت
کے طفیل اوروں سے نمایاں ہو گئے ہیں اس لیے اب امید کی جاتی ہے کہ نعت گو شعراء کے حوالے سے
پیدا ہونے والے سوال کا جواب بھی جلد یا بدیر مل جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ نعت گو شعراء کا ادبی مقام کیا
ہے؟۔ اب جواب دیا جاسکے گا کہ نعت گو شعراء کا ادبی مقام عمومی شاعری (General Poetry) کرنے
والے فن دانوں سے کسی طور سبک نہ ہوگا۔ بلکہ آج جس ادبی شان سے نعتیں کہی جا رہی ہیں اس کا
تقاضا ہے کہ نعت گو شعراء کو ادبی اور مذہبی دونوں حوالوں سے وقعت ملے اور ان کو دہری اہمیت دی
جائے۔ اردو نعت کے اخی پر روشن، لہجوں کی دھنک اور اسالیب کی چمک میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے والے
شعراء بے شمار ہیں۔ اس مختصر سے مقالے میں سب شعراء کرام کا ذکر کرنا تو ممکن نہیں ہوگا میں تو یہاں
صرف چند شعراء کا نمونہ کلام پیش کر سکوں گا۔ اس مضمون میں جن شعراء کا تذکرہ ہوگا ضروری نہیں کہ
ہر نعت میں صرف وہی قابل ذکر ہوں اور جن شعراء کا حوالہ نہ آسکے وہ خدا نخواستہ ناقابل اعتناء ہوں
بلکہ یہ ہوتا ہے بعض بدعتر شعراء کا کلام پیش ہی نہ کیا جاسکے! اس کوتاہی میں میرے غلوں انتخاب سے
بڑھ کر کسی کو غل ہوگا۔ بدعتر نعت کے ضمن میں اقبال کا معراج نامہ شاعر پیش کیا جا چکا ہے۔

دیکھئے اسی موضوع پر عارف عبدالستین کس زاویے سے بات کرتے ہیں۔

ماہ و انجم ہیں غبارِ رو ابنِ آدم
بن مکی ایک حقیقت یہ حکایت تجھ سے

یا۔

مرحلے تیرے سفر کے تھے ازل اور ابد
جادوئے وقت سے آگے ترا جادو دیکھا

عارف عبدالستین کی نعتیہ شاعری جدید شعری آہنگ کی مثال اور نئے طرز احساس و اظہار کی علامت ہے۔ دیکھئے انہوں نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بیان کس سانچے میں ڈھالا ہے۔

سر و قد دیکھے ہیں تاریخ نے لاکھوں لیکن
قد کسی کا بھی ترے قد سے نہ اونچا دیکھا!

عمری نعتیہ شاعری میں کرب آگئی نے ایک نئی صورت اظہار پائی ہے۔ اب نعتیہ شاعری میں شاعر اپنی ذات کو بھی موضوع بناتا ہے۔ بعض شعراء اپنی ذات میں تعمیم (Generalization) کا عنصر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس سے ان کے اظہار میں انفرادیت کے بجائے اجتماعیت جھلکنے لگتی ہے گویا وہ اپنی ذات کے حوالے سے اپنے عہد کے اجتماعی رویے کی عکاسی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ عارف عبدالستین حضور ﷺ کی سیرت کے نقوش سے اپنی ذات (یا اسلامی معاشرے) کو مستیر کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ یہ کام خود آقائے نامدار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے خود آقا سے استمداد چاہتے ہیں۔

سانچے میں اپنے تو مرا کردار ڈھال دے
ہو جاؤں لازوال مجھے وہ کمال دے
ہر کام پر چن میں کھلاؤں گل و سن
سوج نسیم ہے تو مجھے اپنی چال دے
تو آفتاب ہر بھی ماہ کرم بھی ہے
دن رات میرے نور سے اپنے اجال دے
اپنا جمال دے کہ کبھی چاند میں ڈھلوں
سورج بنوں کبھی مجھے اپنا جلال دے

رخ مصطفیٰ ﷺ کو آئینہ کہنے کا ایک انداز تو یہ تھا کہ ۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں
لیکن جدید شاعری میں اسوہ رسول اکرم ﷺ کا آئینہ خود آگاہی اور عرفان ذات کے لیے استعمال
ہوتا ہے ۔

آئینے کی طرح تجھ کو دیکھ کر مجھ پر کھلے
میرے خدو خال کیسے ہیں میں کیا ہوں کون ہوں
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے تسخیر کائنات کا حکم دیا ہے اور معجزہ معراج تسخیر کائنات کا عملی
استعارہ ہے۔ عارف عبدالمجید نے معراج نبویؐ کے حوالے سے تسخیر کائنات کی تمنا کی ہے ۔
میں کوں تیری طرح تسخیر یہ ارض و سماں
یوں شب معراج کے سانچے میں خود کو ڈھال لوں
عارف نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے کہ مسلمان کی قوت کا سرچشمہ حضور کی ذات والا صفات ہے ۔
میں نا توں ہوں مگر آپؐ میری قوت ہیں
میں جب بھی کرتا ہوں مجھ کو سنبھالتے ہیں آپؐ
ان کے کلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن جمال سے خود کو چمکانے کی خواہش اتنی شدید
ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذاتی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام پر دیکھنے کے خواہاں ہیں لیکن عارف
عبدالتین کا تصور ذاتی الرسول ﷺ ’صوفیانہ تصور ذاتی الرسول ﷺ کی طرح ذاتی نہیں بلکہ
اجتماعی اور معاشرتی ہے وہ اپنی بات اپنی ذات تک محدود نہیں رہنے دیتے بلکہ اس خواہش کو عمرانی حوالہ
منا دیتے ہیں ۔

تو ہے جمال سراپاؐ میں ہوں تیرا خوشہ چمن

اپنا حسن نمایاں کر دےؐ مجھ کو رکھ مستور

اسی طرح ان کی شاعری میں نور نبویؐ کا تذکرہ بھی نور و بشر کا روایتی تقبیہ نہیں بننا بلکہ ان
کے ہاں نور نے منشور حیات اور دستور زندگی کی صورت اختیار کر لی ہے۔ تقسیم دین کے ضمن میں یہ بڑا
منفذ اور عملی (practical) زاویہ نظر ہے۔ ملاحظہ ہو ایک مختصر نظم

وہ نور جس کو ازل سے انسان کی آنکھ ترسی

وہ نور جس کا وجود محسوس ہو رہا تھا
مگر جو نظروں کی زد سے باہر کہیں نہاں تھا
تیری بصیرت کے صاف منشور سے جو گزرا
تو سات رنگوں میں ڈھل کے ابھرا
دھنک کی صورت

نگاہ کے راستے سے۔ انساں کے دل میں اترا
(نور، منشور اور دھنک)
نعت کی دنیا میں عارف عبدالستین کی آواز ایک منفرد آواز ہے اور جدید نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ
آواز بڑی توانا بھی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کی ادبی خدمات سے کون واقف نہیں؟ انھوں نے غزل کو روایتی بندھنوں سے نکالنے
اور اسے سنوارنے میں جو پر خلوص کاوش کی ہے وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ندیم نے نعت بھی
کسی ہے اور اس صنف میں بھی اپنے لمبے کی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے اور اس خوبی سے کہ نعت کا حسن
بھی قائم رہا۔ احمد ندیم قاسمی کے لمبے کی تازگی نے نعت نگاری کی روایت میں مروجہ غزل کا آہنگ اس
طرح سویا ہے کہ نعتیہ شاعری اعتبار میں اضافہ کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جب آپ کے دشمن
جاں بھی ملے تو وہ آپ ہی کے ہو گئے۔ اس مضمون کو صدیوں سے لوگ نعتوں کا حصہ بنا رہے ہیں۔ لیکن
ندیم نے کچھ اس اسلوب سے بات کی ہے کہ دل میں ترازو ہو جاتی ہے۔

جاں تری سر۔ ہمسرہ نبال، دل ترا آئینہ مثال
تجھ کو ترے وعدے نے بھی دیکھا تو ہو گیا ترا
اس نعت کے اور شعر ملاحظہ ہوں۔

اے مرے شاہ شرق و غرب! نان جو میں غذا تری
اے مرے پوریا لشیں! سارا جہاں گدا ترا
یوں تو تیری رسائیاں فرش سے عرش تک محیط
میں نے تو اپنے دل میں بھی پایا ہے نقشِ پاترا
دور سی دیار نور، چور سی مرا شعور

تو مرا حوصلہ تو دیکھ میں بھی ہوں مبتلا ترا
محمد حسن عسکری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں حالی کی نعت ع
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے ہی کھانا لکھا ہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ حالی نے ان فوائد کی
فرست بنائی ہے جو آنحضرت سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے ہیں اور فوائد بھی روحانی اور
اندرونی قسم کے نہیں بلکہ ظاہری اور سماجی قسم کے..... لیکن بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ بین
الاقوامی معاشرے کے سامنے اسلام کی عملی تصویر پیش کرنے کے لیے لازمی ہے کہ دین کو محض صوفی کی
نگاہ سے نہیں بلکہ مجاہد کی نگاہ سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی جائے کیونکہ مجاہد آلاتِ حرب اور سامان
حیات سے دست بردار نہیں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
اسوہ مبارک کا علمی پہلو ہر وقت سامنے رکھنا ہوگا اور ظاہر ہے جب آپ ﷺ کے عمل کی بات
آئے گی تو انسانیت کو آپ کی ذات گرامی سے پہنچنے والے فوائد بھی سامنے آئیں گے۔ عجیب بات یہ ہے
کہ عسکری صاحب کو (اس وقت کے مخصوص حالات میں بالوجہ) نعت کے جس پہلو پر اعتراض تھا بعد
کے نعت کو شعراء میں اسی طرز کو اپنانے کا رجحان بڑھتا چلا گیا اور آج تقریباً ”ہر نعت کو حضور اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی ذات والامفات کے ان احسانات کا تذکرہ کرتا ہے جن کے زیر اثر انسانیت کو فلاح دین
دو دنیا نصیب ہوئی ہے۔ اس بنا پر میں احمد ندیم قاسمی کی نعت کے یہ اشعار دیکھئے۔

تو جب آیا تو مٹی روح و بدن کی تفریق
تو نے انسان کے خیالوں میں لہو دوڑایا
جن کو دھندلا گئے صدیوں کی غریبی کے غبار
ان خدوخال کو سونے کی طرح چمکایا
مٹ آیا ترے اک حرف صداقت میں وہ راز
فسن نے جسے تاحد گماں الجھایا
کہا احسان ہے انسان پہ تیرا کہ اسے
اپنی گفتار کو زیوار بنانا آیا

راز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو۔

پس قدر سے میں کھڑا ہوں تو ہے تیرا کرم

مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سارا تیرا
ندیم کی نعتیہ شاعری میں آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات کو دیکھنے کے وہ زاویے بھی روشن
ہیں جو صوفی کی نگاہ میں نہیں دیکھ سکتے مثلاً :-

میں تجھے عالم اشیاء میں بھی پالیتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالم بالا تیرا
اور یہ پہلو دیکھ کر ندیم کو وہ بصیرت نصیب ہوئی کہ اب وہ خانقاہ کے خلوت نشینوں کو بھی اس طرح کی
دعوت نظارگی دے رہے ہیں ۔

میری آنکھوں سے جو ڈھونڈیں تجھے ہر سو دیکھیں
صرف خلوت میں جو کرتے ہیں نظارا تیرا
احمد ندیم قاسمی نعت نگاری کو محض روایتی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ وہ فنکاری کے بحر
پور شعور کے ساتھ نعت تخلیق کرتے ہیں اور بجاطور پر کہتے ہیں ۔

فن کی تخلیق کے لمحوں میں تصور اس کا
روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے

پس ہر حرف وہی جلوہ گلن رہتے ہیں
میری مانند مرا فن بھی وقادار ان کا

سرشار صدیقی کا مجموعہ حمد و نعت "اساس" بڑے تازہ لہجے اور جدید آہنگ شعر کا حامل مجموعہ ہے۔
ایسے مجموعوں سے مذہبی شاعری کو شاعری کی دنیا میں اعتبار اور جہان فن میں وقار حاصل ہوتا ہے۔ اگر
شعر کی محض مذہبی حوالے سے تحسین ہو تو اس کی شعریت مکشوک ہو جاتی ہے اس لیے صاحبانِ فن مذہبی
حوالوں سے مزین شاعری میں لطافت ہنر کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ سرشار صدیقی کی شاعری کیت
(QUANTITY) میں قلیل سی لیکن فنی معیارات اور جدید تخلیقی رو کے اعتبار سے بڑی وقیع ہے۔ گنبد
خضر دیکھ کر دل کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کا بیان کم و بیش ہر اس شاعر نے کیا ہے جس کو گنبد خضر دیکھنے
کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ لیکن دیکھنے سرشار نے کس تازہ لہجے میں بات کی ہے ۔

دور سے کبند خضر دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شورِ نشور ہوا
"روح کا گہرا سناٹا" اور "شورِ نشور" کس قدر معنی خیز اور بلیغ تراکیب ہیں اور نعتیہ شاعری میں کس

جنت فن اور تخلیقی شعور کے ساتھ برتی گئی ہیں۔

سرشار صدیقی نے اپنی نعتیہ شاعری میں بڑے فخر سے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے جد امجد حضرت سیدنا صدیقی اکبرؒ نے (مردوں میں) سب سے پہلے ایمان قبول کیا تھا ۔

سب سے پہلی گواہی میرے جد نے دی
پھر تو یہ منصب مجھ تک سلسلہ وار چلا
نبت صدیقی کو سرشار اپنی پہچان
سمجھتے ہیں۔ جز نبت صدیقی کیا نام و نسب اپنا
ہم ان کے رفتوں کے قدموں کے نشاں ٹھہرے

سرشار نے نعت کو شعوری طور پر جدید غزل کا لہجہ تو دیا لیکن انہوں نے نعت کو آدابِ مدحت سے پوری طرح آراستہ کیا ہے کیونکہ ان کی نعتیہ شاعری میں صرف شاعرانہ حسن ہی نہیں ہے بلکہ مذہبی تقدس کا احساس بھی جھلکتا ہے وہ کہتے ہیں ۔

رفتوں میں برتتے ہیں آدابِ عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

سرشار نے اپنی نعتیہ شاعری مدینے کے سڑکوں کے طور پر بھی متعارف کرائی ہے اور اپنی سادگی اور پرکاری سے قاری کو ان فضاؤں میں پہنچا کر وہاں ہی کا رخت سبز اندھا ہے تو جو کک خود محسوس کی ہے وہی کک قاری کی لوتِ دل پر مرتسم کر دی ہے ۔

جس سڑک پہ آج بھی ہے بابِ جبرئیل
اس سڑک پہ مرثیہ ہمیں چھوڑ آئے ہیں
”روضہِ رسول“ وہ صدیقی کا مزار
اک شہرِ علم و شہرِ یقین چھوڑ آئے ہیں
آرام کاو حضرتِ قارون کی قسم
ہم اعتبارِ فتح ہمیں چھوڑ آئے ہیں
سرشار وہاں پہ یہ عالم ہے جس طرح
ہم ساری کائنات کسیں چھوڑ آئے ہیں

سرشار مدہتی نے سفر طیبہ کو عشق سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی منازل پر صعود کا زینہ بنایا اس لیے ان کے قلب پر محن حرم میں عشق کی آیتیں نازل ہونے لگیں ۔

مجھ پہ تیرے عشق کی آیتیں نازل ہوئیں
محن حرم بھی مجھے غارِ حرا ہو گیا

سرشار نے حرفِ مدح کو لوحِ یقین پر اسم ”محمد“ لکھ کر محترم کیا ہے اس لیے ان کی نعتیہ شاعری کی فضا دوسرے جدید شعراء سے مختلف نظر آتی ہے۔ سرشار کی شاعری میں شعری ضرورت کے لیے موضوع کی مقدس حدود سے تجاوز نہیں کیا گیا ہے۔

میں اپنے حرفِ مدح کو یوں محترم کروں
لوحِ یقین پہ اسمِ محمد رقم کروں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوالِ کرم کرنے سے پیشتر وہ تہذیبِ الحجاز کی تعلیم کی تمنا کرتے ہیں ۔

تہذیبِ الحجاز مجھے تعلیم کر کے میں
دربارِ مصطفیٰ میں سوالِ کرم کروں
محسن کا کوروی جدید نعت کے بانوں میں شامل ہیں۔ ان کے قصیدہ لامیہ کو جو خدا داد شہرت نصیب ہوئی وہ ادب شناسوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سرشار نے غزل کے لہجے میں نعتِ رقم کی ہے اور محسن کی زمین میں نعتوں کے گلاب کھلائے ہیں اور اس طرح کہ ان کا شعری آہنگ اور غزل کا مزاج بھی برقرار رہا اور نعت کا تقدس بھی قائم رہا ملاحظہ ہو یہ نعت

مطلع فکر پہ روشن ہے رسالت کا کنول
کہ مجھے نعت کے اسلوب میں کلّعی ہے غزل
پھر کسی روح کے صحرا کا مقدر جاگا
پھر مدینے سے اٹھے لطف و کرم کے بادل
ہاں قدم بوسی کے جذبے میں صداقت بھی تو ہو
خود بدل جاتے ہیں سب ہجر کے اسباب و علل
مرحبا صلِ علی یارِ مدینہ آئی
یوں بھی احساس کے دیرانوں میں کھلتے ہیں کنول

یورش غم میں وہ گیسو مجھے یوں یاد آئے
 جیسے چھا جائیں کڑی دھوپ میں گہرے بادل
 روشنی حرف ہدایت ہے کسی نام سے ہو
 عرش سے غارِ حرا تک وہی اک نورِ ازل
 یہ اسی ذات گرامی کا کرم ہے سرشار
 بگمگنا اغما میری نعت سے ایوانِ غزل

اساس میں شامل نظمیں بھی تحقیقی سطح پر عقیدتوں کے اظہار کی عمدہ مثال ہیں نمونے کے طور پر چند
 انہیں ملاحظہ ہوں۔

یہ دان و دان ہے
 کہ وجہ تخلیق دو جہاں کا درود ہو گا
 درود ہو گا

تو ہم سے بے راہ و کم عقیدہ
 کہتا وہ گمراہوں کا ذکر ہی کیا
 کہ انبیاءِ دان کے خیر مقدم کو
 صف پہ صف اسے درود ہوں گے
 اور ان کے لب پر درود ہو گا
 سلام ہو گا

سلام ان پر

سلام ان پر

فدا ہوا اور جو اس پر

(تکبیر)

مفسر معنی نے بہت خوب کہا ہے کہ انہوں نے "تذہب بن محمد" کے نام پر شاعری کے بنیادی
 قیام کی بات کو بخوبی سمجھنے سے بچا ہے اور اس بات کی صحت و اسلوب سے شعوری طور پر احتراز
 کرتے ہوئے راجستہ "شعری زبان اور فطری تعبیر" میں بات کی ہے "ذاتی بات"۔
 غرض شاعری کو ادبی سطح پر لانے اور ذہنی شعری صحت کو بے تحاشہ سے ہٹانے کے لیے

ضروری ہے کہ سرشار صدیقی کے اس تخلیقی رویے کو دنیائے نعت نگاری میں عام رواج دیا جائے۔
جدید نعت گو شعراء میں جناب حفیظ تائب کا نام اس قدر نمایاں ہے کہ ان کے حوالے سے چند تعارفی باتیں لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ تائب صاحب کا کلام میری تحسین سے مستغنی ہے۔ تاہم نعت کے جدید اسالیب کا ذکر ہو تو تائب صاحب کے ذکر کے بغیر اس ذکر کا کملہ ممکن ہی نہیں ہے اس لیے صرف ایک تاثر کا اظہار کرنے پر اکتفا کرتا ہوں 'میرا سنجیدہ تاثر یہ ہے کہ اگر مجھے موجودہ عہد کے نئے نعت گو شعراء کے لیے کوئی نصاب تیار کرنے کا موقع فراہم کیا جائے تو میرے خیال میں تائب صاحب وہ واحد نعت گو ہوں گے جن کا کمل کلام مجوزہ نصاب میں شامل کرنے کی سفارش کروں گا۔ اور میں یہ بات محض عقیدہ "یا رسا" عرض نہیں کر رہا ہوں۔ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ نعت کے ادبی اور مذہبی نکات کو جس خوبی سے تائب صاحب نے سمجھا اور اپنی نعت گوئی میں برتا ہے۔ عمری نعت گو شعراء میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حفیظ تائب تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی معاشرے میں جاری و ساری دیکھنے کے متنی ہیں اور جب وہ مسلمانوں کو صرف گفتار کا غازی دیکھتے ہیں تو تڑپ جاتے ہیں۔ دیکھئے وہ بارگاہ رسالت تائب صلی اللہ علیہ وسلم میں کس سوز و گداز سے اپنی عرض داشت پیش کرتے ہیں۔

کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دکھائیں گے کیسے تجھے ہم سے ناکردہ کار امتی یا نبی
دشمن جاں ہوا میرا اپنا لو میرے اندر عدو میرے باہر عدو
ماجرائے تحیر ہے پُر سیدنی صورت حال ہے دیدنی یا نبی
روح دیران ہے آنکھ حیران ہے 'ایک بحران تھا' ایک بحران ہے
کھٹنوں 'شہروں' قروں پہ ہے پُر فشاں ایک سمبیر افسردگی یا نبی
یا نبی اب تو آشوب حالات نے تیری یادوں کے چہرے بھی دھندلا دیئے
دیکھ لے تیرے تائب کی نغمہ گری 'بنتی باقی ہے نود گری یا نبی'
اس مسلسل نعتیہ غزل میں تائب نے عمر حاضر کے مسلمان معاشرے کی تصویر کشی کی ہے اور اپنے
احساس کی حرارت اور فکر کی تپش فنکارانہ خوبی سے ہر لفظ میں سودی ہے۔

تائب صاحب نے اپنے دوسرے مجموعہ نعت "وسلمو انسلیم" میں جتنی تجربات بھی کئے ہیں جس سے ان کی جدت طبع اور کاوش فن کا بھرپور اظہار ہوتا ہے ان کی اس کتاب میں نعتیہ غزلیں بھی

ہیں ترجیح بند بھی اور مثلث، آزاد اور پابند نظمیں بھی ہیں، سانیٹ اور سی حنفی بھی ہیں اور ہر ہیئت میں شاعر کا فنی جمال اور طرزِ ادا کا کمال لفظ لفظ میں پیوست محسوس ہوتا ہے۔ نعتیہ غزل کی ایک مثال دیکھتے چلے۔

رحمت حق سایہ مہتر دیکھنا اور سوچنا
اک نظر شر پیبر دیکھنا اور سوچنا
کس قدر روشن ہیں انساں کے لیے صدیوں کے رنگ
وادی طابہ کے منظر دیکھنا اور سوچنا
اس کے ہوتے کس اجالے کی ہے دنیا کو تلاش
بزم گنبد کو برابر دیکھنا اور سوچنا
سنگ بھی سکے ہیں کیسی نکمہ افاس ہے
دیر تک محراب و منبر دیکھنا اور سوچنا
نایب کو ان کی چشم لطف رکھتی ہے عزیز
حکیم اپنا دامن تر دیکھنا اور سوچنا
ارض بدر، آثارِ خدق، دامنِ کوہِ اُحد
ہر قدم پر شانِ داور دیکھنا اور سوچنا
اب ملاحظہ ہو ایک آزاد نظم ”زریں افق“

ازل سے رواں ہیں
رقوں کے سبک کارواں
لہ لہ خلی حشرلوں کی طرف
لکھ لکھ خلی سرزمینوں کی دامن میں
مرد سال کی گردشوں کے جلو میں
ہواؤں کی رومیں
گمراہ ایک زریں افق
مہم سفر کے ذہنِ دہل و جاں پہ چھایا ہوا ہے
دور زریں افق آستانِ نئی ہے

جہاں رختیں سر جھکائے ہوئے ہیں
جہاں فصل گل کا تبسم سٹ کر امر ہو گیا ہے

سی حنیٰ بنو ان ”زمزمہ درود“ ایک شاہکار نظم ہے جس میں ہیئت کی جدت کے ساتھ طرز احساس بھی
جدید ہے۔ ملاحظہ ہو ایک بند

عجز طبیعت حفیظ
رنگ محبت حفیظ
شوق و عقیدت حفیظ
عزت و شہرت حفیظ
صدقہ ہے اس جناب کا
صل علیٰ نینا!
صل علیٰ محمدا

حنیف اسعدی نے غزل کے روایتی اسلوب کو نیا آہنگ دے کر نعت کے موتی رو لے ہیں۔ ان کے
آزادہ مجموعہ نعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سے اشعار عقیدت کا مرقع اور فن کی ندرت کا آئینہ بن
گئے ہیں۔ مثلاً ”

جب دیدہ و دل حلقہء رحمت میں سٹ آئیں
اس وقت بجز صل علیٰ کچھ نہ کہا جائے

تہا تو نہیں ہوں میں سر میں
اک روشنی میری ہم سر ہے
مدد شکر حضور کے کرم سے
انساں کا نصیب اوج پر ہے

دیکھئے معراج کے حوالے سے حنیف اسعدی نے کیا نادربات کہی ہے۔

سوچیں تو روح عصر کے ادراک کے بغیر
معراج کیسے آئے کسی کے گمان میں
حرف نے بڑھ کے کبھی ان کے قدم چوم لیے

جذبہ شوق کبھی عرض ہنر تک پہنچا
 تمام روح کے رشتے تمام سیر و سلوک
 انھیں کی ذات سے وابستہ ہیں جہاں بھی ہیں
 ہر زمانہ آپ سے کرتا رہے گا کسبِ نور
 ردِ ظلمت کے لیے وہ نقشِ تابندہ ہیں آپ
 منزلِ جاں سے محفل ہو تک ایک قدم کی راہ نہ تھی
 فرشِ قیام بھی زیرِ قدم تھا عرش بھی پا انداز ہوا
 وہ نورِ جبین سارے زمانوں کا اجالا
 وہ نقشِ قدم سایہ قلن بست و عدم پر
 کیا ہے آپ نے ایسے بتوں کو بھی پامال
 جو نیوتوں میں چھپے تھے جو آستین کے نہ تھے
 کسی ایسی ذات کا نام لو جو امیں بھی ہو جو اماں بھی ہو
 یہ میرے یقیں کا ہے فیصلہ نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

”لظم“ خارجی مواد کے حوالے سے شاعر کے داخلی احساسات کا عکس پیش کرتی ہے۔ غزل کی فارم میں جذبے کی افائی سے صرف ایک شعروہود پذیر ہوتا ہے لیکن لظم ایک مکمل صورت حال کی مکمل خارجی یا حسی تصویر پیش کرتی ہے۔ شاعر اپنے لظم (خارجی مواد) کو جذبے سے ہم آمیز کر کے فنی خصوصیات کو جس حد تک ملحوظ رکھتا ہے اس حد تک تاثر لظم میں جملکنے لگتا ہے۔ شعر میں لفظ تو بہر حال لغت ہی سے لیے جاتے ہیں لیکن بات حلیم شدہ ہے کہ نثر میں استعمال ہونے والے لفظ اور شعر میں استعمال ہونے والے لفظ میں امت کے فرق سے بھی تاثراتی فرق پیدا ہوتا ہے اور نثر نگار اور شاعر کا الگ الگ رویہ بھی اس تاثر میں کمی بیشی کا باعث ہوتا ہے شاعری میں لفظ کے استعمال کے یکجہ شاعر کی پوری شخصیت جھلکتی ہے نثر نگار لفظ کو محض واقعاتی اظہار کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے جبکہ شاعر لفظ کو فن اور شخصیت کے جذباتی پہلوؤں کا آئینہ دار بھی بنانا چاہتا ہے۔ خلیفہ کا شاہنامہ اسلام اور قاسم صوفی کی تاریخی نقیصہ محض واقعاتی حوالوں سے مزین ہیں۔ ان نغموں میں شاعر نے اپنے تاثرات کو محض ذرا انداز نگاری کی باتوں میں شہت (sincerity) پیدا کرنے کی کوشش کی حد تک راہ دی ہے۔ لیکن آج کے بیشتر شعراء

آزاد اور پابند نظموں میں فنکارانہ طرز اظہار کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ حنیف اسعدی نے پابند نظمیں لکھی ہیں اور ان نظموں میں ان کے تخلیقی خلوص نے ان کے تاثرات کو بہت کامیاب طریق سے اجاگر کر دیا ہے۔ میں نمونے کے طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ میں شامل ایک نظم ”مونس انس و جاں“ کا حوالہ دینا چاہوں گا جس میں انہوں نے قادر الکلامی سے تاریخی شعور کو لفظوں میں قید کیا ہے لیکن ان کی نظم محض تاریخ نویسی نہیں ہے۔ بلکہ دورِ جاہلیت سے اسلام کے زیرِ احسان دورِ علم و آگہی اور اصلاحِ احوال کا فنکارانہ اظہار ہے۔

وہ عرب کا دور ستم گراں وہ گماں پرستوں کی بستیاں
جہاں سب ہی خستہ و خوار تھے جہاں سب ظلوم و جہول تھے
کہیں کاہنوں کی تھی پیروی، کہیں ربطِ لات و منات سے
نہ عبادتوں کا ثواب تھا نہ کسی کے سجدے قبول تھے
نہ مواخذہ کسی ظلم کا نہ کسی کے خون کا خون بہا
نہ کسی کا عدل سے واسطہ کہ یہ فلسفے ہی فضول تھے
جنہیں راہِ حق کی تلاش تھی انہیں راہِ حق کا پتا نہ تھا
جنہیں ادعائے شعور تھا وہ سبھی ظلوم و جہول تھے
زہے آمدِ شہہ دوسرا کہ نظامِ شر ہی بدل گیا
جہاں سنگ تھے وہاں رنگ تھے جہاں دھول تھی وہاں پھول تھے
وہ ہوائے لطف و عطا چلے کہ کھلی چہن کی کھلی کلی
وہ جو خار تھے وہی خارابِ سیدِ رسولؐ کے پھول تھے
وہ ہجومِ راہِ رواں اشیا وہ گردہ راہبرِ چلا
وہ گرفتِ دل وہ شکستہ پاویں کل جو راہ کی دھول تھے
زہے فیضِ مونس انس و جاں فقط اک نگاہ میں طے ہوئے
وہ تمام وقت کے فیصلے جو میانِ رد و قبول تھے

اس نظم میں تاریخی حوالے تو موجود ہیں لیکن نظم کا اندازِ بیانیہ (Narrative) نہیں ہے بلکہ تاثراتی ہے۔ پھر ردیف و قافیہ کی قید میں اس قدر رواں دواں نظم کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

چنانچہ یہ بات حلیم کے بغیر چارہ نہیں کہ حنیف اسدی کو شعری جمالیات سے بھی اتنی ہی آگاہی ہے
جتنی تاریخ سے ہے۔

جن لوگوں کے نعتیہ مجموعے زیور طہافت سے آراستہ ہو چکے ہیں ان میں بیشتر شعراء تو روایت سے
آگے نہیں بڑھ سکے ہیں لیکن بعض غیر معمولی شعری صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ جیل نقوی کا مجموعہ
نعت ارمغان جیل کے نام سے طبع ہوا۔ اس مجموعے میں روایتی اور کلاسیکی مزاج کی شاعری ہے ان کی
بعض نعتیں بہت مشہور بھی ہیں۔ ان کی ایک نظم جدت کے حوالے سے مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی
ہے۔ اس نظم کی اٹھان حمید ہے اس میں صوفیانہ احساس کار فرما ہے اور تخیل کا سفر نعت شریف پر ختم
ہوا ہے۔ نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

رقص کرتی ہوئی اٹھتی ہیں نگاہیں حکیم
جانب گنبد خضرا تنہا ہایا ہو
بس گنتی ہے مری نس نس میں براہ انفاس
نکت کشن طیبہ تنہا ہایا ہو
من ہے ہمارو و ناکارو و بیاب و حسیں
اور دوبار مدینہ تنہا ہایا ہو
حال اس درجہ دلا دیز و دل آرا ہے جیل
بے اثر ہے غم فردا تنہا ہایا ہو
جیل نقوی نے قاری کے معروف شعر۔

حسن یوسف دم مینے یہ بیضا داری
آنچہ خواباں ہم دارند تو تنہا داری
گو اپنے شعر میں ترقی دی جب روایت کو ترقی دے کر آگے بڑھانے کا عمل کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔
بلکہ ہوشمر۔

”پن کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار
حسن یوسف دم مینے یہ بیضا کے سوا
عید وانی الہیہ مقبلیت نام ”ورق“ نے کرد و بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان
دوسری مصنفی الہیہ رقیبات سے ہم آہنگ تھے اور غزل کی فارم میں نعت گوئی کی خوبصورت مثال اور

لحم میں جمال فن کا حسین نقش پیش کرتا ہے۔ دیکھئے سعید وارثی نے طویل بحر میں خالص غزل کے لہجے میں نعتیہ مضامین کو کس خوبی سے سمویا ہے ۔

کل جواں رات تھی اور حسین چاندنی ہم نے ایسے میں دل کو جلایا بہت
جب ستارے سجے داغ لودے اٹھے کوئے طیبہ ہمیں یاد آیا بہت
بے عمل رویہ پر یہ چشم کرم دل نوازی تری مہمانی تری
ہے عجب بخششوں کی کہانی تری ہم نے مانگا تھا کم اور پایا بہت
کج روی کب مری آشکارا نہ تھی پھر بھی رسوائی میری گوارا نہ تھی
بے عمل تھا مگر ان سے نسبت تو تھی میرے آقا نے اس کو نبھایا بہت
زندگی کا بھروسہ کہاں دوستو! اب نہ جانے حضوری میسر ہو کب؟
کیوں چلے آئے آخر مدینے سے ہم اس تصور نے دل کو دکھایا بہت
یہ سعید حزیں یہ بھکاری ترا رسم و راہ بلائی پہ چلتا رہا
استقامت میں لغزش نہ آئی کبھی اہل دنیا نے یوں آزمایا بہت

آپ نے دیکھا اس نعت میں سارے طرازے غزل کے ہیں۔ آہنگ اور اسلوب بھی جدید غزل ہی کا ہے لیکن سعید وارثی نے اس انداز میں بھی نعتیہ تاثر پوری طرح قائم رکھا ہے۔ جدید نعت میں کیس کیس نعت کے اشعار پر بھی غزل ہی کا گمان ہونے لگتا ہے کیونکہ شاعر جدیدیت کے شوق میں اور تازہ کاری کی رو میں کچھ اس طرح بہہ جاتے ہیں کہ تصور مدحت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اجاگر ہونے کے بجائے محض تنزل رہ جاتا ہے۔ نعت نبی میں عجز کا تاثر کم و بیش ہر شاعر نے اپنے اشعار سے ظاہر کیا ہے۔ دیکھئے ”ورثہ“ کے شاعر نے یہ تاثر کس طرح ابھارا ہے ۔

بس اے ملال عجز فن اور نہ خون رلا مجھے
کنی ہے حرف حرف آج مدحت مصطفیٰ مجھے
دیکھئے نعت میں تنزل کو کس خوبی سے سمویا ہے ۔

یہ تو بجا وہ شہر گل رشک بہشت ہے مگر
مژدہ اذن حاضری سوچ مباحنا مجھے
اب ایک پھوٹی سی لہجہ بھی دیکھئے جس کی دست بھی نئی ہے اور احساس بھی تازہ ہے۔

جب بھی دشتِ طلبِ شہرِ ایران وقا

ابر کرم کو ترسا

اے سمندر کے سکون تو بھی گواہی دے گا

کہ سراپوں کو نہ تھا

تشنہ بی کا شکوہ

اس طرح ان کی مٹایات کا

بادل برسا

(دشتِ طلب)

اسی طرح سعید دارٹی نے چار مصرعی بندوں والی طویل نظم ”محبت“ میں بھی جدیدیت کی قلمیں لگائی ہیں اور طرزِ احساس کی تازہ کاری کو بھرپور انداز سے اجاگر کیا ہے۔ نعتیہ غزل کے ایک خوبصورت شعر پر سعید دارٹی کے ذکر کو اختتام سے ہم کنار کرتے ہیں۔

یہ بھال میری کہاں کہ میں ترے قرب کی کہوں آرزو

یہ کرم بت بہ خدا کہ تو مجھے نقشِ پا کا وصال دے

برآمد کی اپنی حسینی لہریں ہوتی ہیں جو ادب میں اپنی نمود پاتی ہیں کسی مدد کے تمام ادب میں یہ لہریں مشترک لہجوں اور خاصی حد تک ہم آہنگی کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اپنی بات کے بہتر ابلاغ کے لیے شعراء فی فی تشبیہات نئے نئے استعارات اور فی فی علامات تراشتے ہیں۔ مجرد خیال کو تشبیہاتی پیکروں اور علامتی شکلوں سے مزین کر کے جب شاعر قرعاس پر بکھیرتا ہے تو قاری ان تشبیہات اور علامتوں کے راست استعمال کی وجہ سے شعر کو تصویری آئینے میں دیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ شاعر کا کام کھرنی ہوئی اشیاء میں تازانات (Associations) تلاش کرنا ہوتا ہے کیونکہ ان تازانات کی بنیاد پر ہی وہ اپنے احساس کو زبان اور زبان کو ابلاغ کی صلاحیت سے ہم کنار کرتا ہے۔ شاعر کا مشاہدہ جس قدر وسیع ہوتا ہے اور جس قدر خوبصورت تازانات تلاش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قدر حسن و خوبی سے بیان میں کھار اور شعر میں خواہاںک حیاتی نقض قائم ہوتی ہے۔ اس طرح لفظ لفظ میں معانی کا ایک جہان مت آتا ہے اور شعر کو نہ معنی کا حلیم کہہ دینا جاتا ہے۔ اب نعتیہ شاعری میں بھی ایسے ایسے باشعور شعراء ملنے لگے ہیں جو اپنے حقیقی تخیل کو بھرپور طریقے سے نئے تازانات اور جدید خیالات کے

کیوس پر بکھیرنے پر قادر بھی ہیں اور شعوری طور پر نعت کو جدید شعری جمالیات سے ہم آہنگ کرنے کی کاوشوں میں مصروف بھی نظر آتے ہیں۔

مدینے پہنچنے کی تڑپ کا اکثر نعتوں میں اظہار ملتا ہے۔ نیاز بدایوانی نے بھی اس تڑپ کا اظہار کیا ہے لیکن دیکھئے کس رخ سے بات کی ہے کہ یہی پرائٹا مضمون بالکل نیا نیا سا لگتا ہے ۔

اس کے قدموں کی مجھے خاک ہی کر دے یا رب!
سوئے بٹھا کوئی جاتا نظر آتا ہے مجھے

یا

زائوں میں کل مدینے کا بڑا چڑھا رہا
ہو کرم آقاؐ کہ میں ان سب کا منہ نکلتا رہا
مدینے کے گلی کوچوں کا اور وہاں کی فضاؤں کا ذکر بھی ہزار ہا نعتوں کا موضوع بن چکا ہے لیکن دیکھئے انجم
نیازی نے اس ذکر کو محض اپنے اسلوب سے کس قدر خوبصورت بنا دیا ہے ۔

نہیں ایسی کہ جس پر آسمان قریان ہو جائے
ستارے گرد چو میں کھکشاں قریان ہو جائے
گلی کوچوں کی دیواروں پہ برے نور کی بارش
مکان ایسے کہ جن پر لامکاں قریان ہو جائے
وہ رستہ ایسا رستہ ہے وہ منزل ایسی منزل ہے
کہ جس پر آنکھ رہ بجے اور جان قریان ہو جائے
وہ صحرا جس کے ذروں میں چمک اجلی شعاعوں کی
وہ ٹھنڈی دھوپ جس پر سائباں قریان ہو جائے
کھلے ماحول میں وہ بولتے منظر کعبوروں کے
کہ جن کے حسن پر باغ جٹاں قریان ہو جائے
یہی سب سے بڑی انجم سعادت ہے کہ تو ان پر
جہاں موقع میسر ہو وہاں قریان ہو جائے

انور سدید بھی دیکر نعت نگاروں کی طرح خود کو گدائے مدینہ کہتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کی قوی امید رکھتے ہیں۔ دیکھئے کس خوبصورت انداز سے اپنا احساس لفظوں میں پروتے ہیں۔ ۔

میں خزاں دیدہ شجر ہوں یہ یقین ہے مجھ کو
 مجھ پہ برے کا کرم ان کا گھٹا کی صورت
 کارہ جسم کو انوار سے اپنے بھر دے
 میں کہ ہوں شر مہم کے گدا کی صورت

حادثہ برائی کا لہجہ اور شدت احساس ملاحظہ ہو۔

آپؐ چاہیں تو مرے حرف بھی روشن کر دیں
 آپؐ چاہیں تو میں خورشید نوا ہو جاؤں
 روشنی میرے مقدر پہ سدا رشک کرے
 کاش گرد رو متاب ترا ہو جاؤں

آج کی شامی میں فیربانوس توانی کو برتنے اور ان سے نئے معنی نکالنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ یہ کاوش کم
 و بیش ہر شاعر کر رہا ہے حالی نے عربی کی دو تناقض خلیں لکھ کر ان میں تطبیق کا نکتہ نکالا ہے۔ ایک یہ ہے
 کہ "کم ترک الاول لا لآخر" (یعنی اگلے بت کچھ پچھلوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں) اور دوسری مثل
 یہ ہے کہ "مانترک الاول لا لآخر" (یعنی اگلوں نے پچھلوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا)۔ حالی لکھتے
 ہیں کہ ان دو شکلوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اگلے بت سی ادھوری باتیں چھوڑ گئے ہیں تاکہ پچھلے ان
 کو پورا کریں لیکن انہوں نے پچھلوں کے لیے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا نمونہ موجود نہ ہو۔ آج کی
 شعری کاوش میں ہمیں ایسی شعوری کوششوں کا سراغ ملتا ہے جن میں پچھلے لوگوں کی ادھوری باتوں کو
 پورا کرنے کا عمل ہو یا سامنے کے ایسے احاطہ استعمال کرنے کا رجحان ملتا ہے جو پچھلے غزل گوؤں نے
 وقتی احتیاج سمجھے لیکن اب وہی ^{NEGLECTED} ^{WORDS} غزل میں نئے انداز نظر کا تعارف بن رہے ہیں۔
 دیکھئے رید کا کاروباری سائنس خالد اقبال یا سر نے نعت میں کس خوبی سے برتا ہے۔

محب اک ربط میرے اور اس کے درمیان ہے
 مجھے میرے دوستوں کی رید اس سے ملی ہے

"تپ نے ٹاٹھ فرمایا دوست پیچھے پر سزا درسات آب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے الطاف و کرم کی
 بارش کا اظہار کس سادہ سے نقطہ کے ذریعے کیا گیا ہے۔

ایک اور قیادہ ٹاٹھ فرمائیے۔

مجھے دیکھو امیں' جلتے انکار سے یا سر

پیادہ پا گزرنے کی کلید اس سے ملی ہے
 خورشید رضوی نے پوری نعت میں قوافی کا بڑا فنکارانہ استعمال کیا ہے اور جمالیاتی اظہار کی حدوں کو
 چھو لیا ہے۔ پوری نعت میں نظم کا سلسل بھی ہے اور دلی کیفیات کا بھرپور عکس بھی موجود ہے۔ ملاحظہ
 فرمائیے ۔

شان ان کی سوچنے اور سوچ میں کھو جائیے
 نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جائیے
 سوپ دیکھے دیدہ تر کو زباں کی حیرتیں
 اور اس عالم میں جتنا بن پڑے رو جائیے
 یا حصارِ لفظ سے باہر زمینِ شعر میں
 ہو سکے تو سرد آہوں کے شجر ہو جائیے
 اے زہے قسمت کسی دن خواب میں پیشِ حضور
 فرط شادی سے ہمیشہ کے لیے سو جائیے
 اے زہے قسمت اُگ دشت جہاں میں آپ کے
 نقش پا پر چلتے چلتے نقش پا ہو جائیے

نعت کو جس سنجیدہ زبان میں لہجے اور شدتِ تاثر کی ضرورت ہے وہ خورشید رضوی کی نعت میں موجود
 ہے۔

قوافی کو نعتیہ مضامین کے ساتھ خوبی سے بنانے اور جمالیاتی اظہار سے ہلکنار کرنے کی اور مثالیں بھی
 دیکھئے۔

خلق کی خوشبو سے وادیِ زندگی کی بھر مٹی
 تیری ہی تمغہ نے پر نور ہر آئین کیا
 دھوپِ رحمت کی عطا کردی ٹھہرتی زیت کو
 جس جاں جب حد سے گزرا تو اسے سادون کیا

(امان اللہ خاں اجل)

جو دیکھ پاتے انھیں ہم تو حال کیا ہوتا

نہ دیکھنے پہ یہ عالم کہ جیسے دیکھا ہے
 پردہ درود تو ہوتا ہے یہ خیال کہ اب
 حجاب فاصلہ وقت اٹھنے والا ہے

(اعید قاتل)

شبوں کی جاگتی نیندیں ہیں اعکاف ترا
 حرا کے سوچے لمبے عبادتیں تیری
 پگھل گئے تری گرمی سے منجد لمبے
 رک وجود میں اتریں حرارتیں تیری
 خدا کا آخری منشور ہے تری آواز
 ابد تک ہوئیں معیار عادتیں تیری

(انور جمال)

ہوائے صبح منہ کرم کیا تو نے
 امید شوق کا صحرایم کیا تو نے
 یہ صبح کہ دل مستقل رہے یارب
 جوں کے گھر کو اگر اب حرم کیا تو نے
 اگر میں بنت پہ نازاں ہوں تو نہیں بچا
 میں اک سقاں تھا اور جام ہم کیا تو نے

(شریف بھابی)

کتنی بھی کسور کرتا ہے
 چمکا رات بھر دینے میں
 کتنی صدیوں پہ ہوئے ہیں میل
 صبح شام دیکھ دینے میں
 تو نے کچھ بھی تو دیکھنے نہ دیا

اے مری چشم تر مدینے میں

(عطاء الحق قاسمی)

ایسے قوافی جو عموماً ”لوگ استعمال نہیں کرتے ہیں بعض اوقات کسی ماہر فن اور باشعور فنکار کی نوک قلم پر آکر بیرے کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔ غزل میں تو قافیہ بیاہنے کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں لیکن نعت میں غیر مانوس قوافی کو موضوع کی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ فنکارانہ چابکدستی سے بیاہنا ہر شاعر کے بس میں نہیں ہے۔ دیکھئے ڈاکٹر ریاض مجید نے درج ذیل اشعار میں قوافی کو کس خوبصورتی سے برتا ہے۔

رسائی میں نہیں تخلیق نعت کا لمحہ
یہ سدرہ وہ ہے کہ جبریل لفظ تھک جائے
ٹھہر ٹھہر کے مدینے کا راستہ طے کر
کچھ اور بھی شمر اشتیاق پک جائے
میں دیکھتا رہوں جالی کو حیرتی ہو کر
مجال کیا جو ذرا بھی پلک جھپک جائے
کیس رہوں، مری ہجرت نصیب آنکھوں سے
وداع طیبہ کا منظر چمک چمک جائے
دکھائی دے پس الفاظ نعت نور ان کا
جو دل سے پردہ غفلت کبھی سرک جائے

آپ نے ملاحظہ فرمایا تھک، پک، جھپک، چمک، اور سرک کے قوافی ”جائے“ کی ردیف کے ساتھ ڈاکٹر ریاض مجید نے کس خوش اسلوبی سے اپنے اشعار میں برتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ محض قافیہ پیمائی نہیں ہے۔ یہ تو لفظوں کا فنکارانہ استعمال ہے۔ ان اشعار میں قوافی کے نادر استعمال کے علاوہ دوسری خیال بھی ہیں جو اشعار کو حسین بنا رہی ہیں۔ مثلاً ”نادر تراکب جیسے جبریل لفظ، شمر اشتیاق، ہجرت نصیب، وداع طیبہ وغیرہ۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی شاعری تفصیلی مطالعے کی مستفی ہے جو بشرط فرصت و صحت بعد میں کسی وقت پیش کیا جائے گا۔

مظفر داولی بھی ندرت قوافی میں کسی سے کم نہیں ہیں دیکھئے انہوں نے کس اسلوب سے بات کی ہے

جزو ایماں مطالعہ جس کا
 دیں کی وہ کلیات آپ کی ذات
 ترے خیال میں رہتا ہے غم وجود میرا
 مقام کی نہیں محتاج شہرت میری
 جو وقت صرف ہو اپنے لیے وہی گھانا
 جو سانس خرچ ہو تجھ پر وہی بچت میری
 ہل پڑیں لوگ بھٹک کر نہ جدا رستوں پر
 اس لیے دین میں دنیا کو بھی ضم تو نے کیا
 پتھر ہے سماعت ہی ترے امتیوں کی
 اپنے تو ہر اک سے تری آواز کا جھونکا

مفتخروارثی نے خدائے جہید سے جس نعتیہ شاعری کی ہے اور اس میدان میں ان کی انفرادیت مسلم ہے۔

ڈاکٹرس اور معمولی قوانین کو نعت میں بدلتے اور ان میں تازگی اور زندگی آمیز حرارت پیدا کر دینے کا ذکر
 محض ہے تو مجھے مرحوم اختر کھٹوری بھی یاد آئے ان کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ۔

میری معراج ہے میری دعا کا تیر ہو جانا
 مندر میں حضورؐ کی شرف تحریر ہو جانا
 ہمیں غم کیا " غم جو دیتا بھی ہے دیں بھی ہے
 کوئی دیکھے ہمارا صاحب جاگیر ہو جانا

اختر کھٹوری کی نعتیہ شاعری میں وسیعہ لہجہ ہے اور ان کا جو تخلیقی رویہ ان کی غزل میں گار فرما نظر آتا
 ہے اور وہی تخلیقی رویہ نعت کی آبیاری میں نکھر آتا ہے ان کی نعتیہ شاعری کے چند نمونے ملاحظہ
 ہوں ۔

ان کے اور کئی کئی نامور شعر جنم پا رہے ہیں
 اور یہ ہوا تو ہوا ہوتے ہوئے ہوا ہوا ہوا ہوا

راستوں کی ہوا رہنما بن گئی سارباں بن گئی
 جب چراغ ان کی چاہت کا لے کر چلے ہاتھ پر رکھ کے ہم
 اپنی ہر رات رکھتے ہیں روشن بہت اور معطر بہت
 اک چراغ وفا ان کی یادوں بھرے طاق پر رکھ کے ہم
 آگ والوں کو گلوں کی ڈالیاں سوہنی لگیں
 مستحق کس کے تھے لیکن چیز کیا بخشی گئی
 سرکار کے در پر پہنچا تو سب بچ گئے سب خم نکلے
 رنگین بیماروں سے جگ کر مرے اندر کے موسم نکلے
 دل پہلے جیسا دل نہ رہا جاں پہلے جیسی جاں نہ رہی
 جب ان گلیوں سے ہم گزرے جب ان گلیوں سے ہم نکلے
 جب ان کے در کی دید ہوئی تو جسم و جاں کی عید ہوئی
 خوشبو کی ادائیں اوڑھے ہوئے ہر خانہ دل سے غم نکلے

تاجدار بظہا کے بیکوں کے والی کے در پہ حاضری کے بعد
 سب حروف روشن ہیں سب ورق سہرے ہیں زیت کی کتابوں کے
 لوٹ کر مدینے سے سوچتا ہوں پہروں میں یہ ہوا چلی کیسی!
 خار جن لیے کس نے کون لے گیا پتھر میری ر ہزاروں کے
 آپ کے غلاموں کو غور سے جو دیکھے گا اس پہ منکشف ہوگا
 جسم آئینہ صورت چہرے اس طرح جیسے پھول ہوں گلابوں کے
 یاد شر آقا کے موسموں کی کیفیت کیا بیان کی جائے
 جیسے شب ڈھلے اختر تار چمیز دے کوئی ان گنت ربابوں کے

میرے نصیب دیکھئے ان کے دیار کا طواف

صبح سے شام تک کیا شام سے تا سحر کیا

اختر کھنوی قبیلہ خن دریاں کے وہ شاعر تھے جو نعت کو عصری ادبی تقاضوں سے قریب تر کرنے میں ہمہ
 تن کوشاں رہے ان کے دونوں نعتیہ مجموعے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم" اور "سرکار صلی اللہ علیہ وسلم" ان کی شاعرانہ

جینس (Gordons) کے منظر ہیں۔

عاصی کرنا لی کا نام علی و ادبی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، ان کی کلیات شعر سے تین نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کا پتہ چلتا ہے جو پہلے الگ الگ شائع ہوئے اور اب ”تمام و نا تمام“ کا حصہ ہیں۔ مدت (۱۹۷۶) ”نعتوں کے گلاب“ (۱۹۸۶) اور حرف شیریں (۱۹۹۳)۔ عاصی کرنا لی ایک قادر الکلام شاعر ہیں ان کا مزاج نظم سے قریب تر ہے۔ وہ بڑی روانی سے نظمیں کہہ جاتے ہیں اور بڑے سے بڑے پیچیدہ مضمون کو بڑی خوبی سے الفاظ کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری میں بھی جدت طبع اور خلوص فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہاں ان کی نعت گوئی پر تفصیلی گفتگو تو ممکن نہیں ہے شے نمونہ از خروارے کے مصداق صرف ایک نعتیہ نظم کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ ”عجز بیان“ نعت کا خاص موضوع رہا ہے کم و بیش ہر نعت گو یہی کہتا ہے کہ نعت کہنے کا حق ادا کرنا میرے بس کی بات نہیں اس میدان میں تو بڑے بڑے بخاوریوں کا سانس پھول جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ لیکن عاصی نے اس عجز بیان کو مکالماتی انداز میں لکھ کر اپنے فن کا کمال بھی دکھا دیا ہے اور خلوص دل سے عجز کلام کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ میرا معاملہ بڑا محدود ہے لیکن اس کے باوصف مجھے یقین ہے کہ اردو نعتیہ شاعری کے سرمائے میں شربیان کے حوالے سے اتنی مدلل، جامع اور فنی خوبیوں سے لبریز نظم عاصی کرنا لی سے قبل کسی نے نہیں لکھی تھی۔

لاحظہ فرمائیے نظم۔

شائے خواجه میں اے ذہن! کوئی مضمون سوچ!
جناب! دادی حیرت میں گم ہوں، کیا سوچوں؟
زبان! مرطہ من چش ہے کچھ بول۔۔۔!
بھال حرف ذہن ہی نہیں ہے کیا بولوں؟
قلم! بیاض حقیقت میں کوئی مصرع لکھ!
بجا کہا، سر حلیم غم ہے کیا لکھوں؟
شعور! ان کے مقام جیہی کو سمجھ!
میں قید مد میں ہوں، وہ نکھڑاں ہیں کیا سمجھوں؟
غیر! بقدر رسائی تو ان کے علم کو جان!
میں نارسائی کا نقطہ ہوں ان کو کیا جانوں؟
خیال! مقصد شعرا کی نعت از پڑھو!

یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں کیا کھولوں؟
 طلب! مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ!
 یہاں یہ رخت سفر ہی نہیں ہے، کیا باندھوں؟
 نگاہ! دیکھ کہ ہے روبرو دیار جمال!
 ہے ذرہ ذرہ یہاں آفتاب، کیا دیکھوں؟
 دل! ان سے حرف دعا، شیوہ تمنا مانگ
 بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
 حضور! عجز بیاں کو بیاں سمجھ لیجئے!
 تم ہی ہے دامن فن، آستان پہ کیا لاؤں؟

آپ نے ملاحظہ فرمایہ کس خوبی سے انسانی قویٰ اور اعضاء سے مکالمہ کیا گیا ہے اور کس سحرے انداز سے سوالات مرتب کئے گئے ہیں اور کتنی ذہانت سے جوابات دیئے گئے ہیں انسانی قویٰ سے باہر کی چیز صرف ”قلم“ ہے جس کا سر ہمیشہ خم ہی رہتا ہے چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قلم نے کس سادگی سے جواب دیا ہے۔ سر تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟ اس طرح کے بالکل راست تلازمات (Associations) بھی موجود ہیں اور پھر شاعری میں کلاسیکی مزاج کی پختگی بھی ہے۔

کلاسیکی مزاج کی شاعری میں بیان کی طرف تکی اور فکر کی ندرت کا اعلیٰ نمونہ اس نظم کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ فی الحال عاصی صاحب کی ایک ہی نظم کے نمونے پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ ان کی شاعری میں ہر جہان دیگر نظر آئے گا اور سلسلہ گفتگو دراز ہوتا جائے گا۔

کلاسیکی مزاج کی شاعری کرنے والے بعض بزرگ شعراء نے بھی نعت میں اچھے اچھے مضامین کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً ”مباکبر آبادی“ تابش دہلوی وغیرہم نے جو نعتیں کہی ہیں ان میں مضامین کا شروع نظر آتا ہے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

کس نور کی شمع جل رہی ہے
 سائے سے بھی لو نکل رہی ہے
 ابھرے گا ابھی حرا کا سورج
 اب کفر کی رات ڈھل رہی ہے
 ہے کتنی کشش وہ نئی میں

خود زندگی رخ بدل رہی ہے
(مباکبر آبادی)

میں غامی آپؐ سرتاپا شفاعت
یہ رشتہ آپؐ سے محکم بت ہے
لحم ہستی میں توازن کے لیے

ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ (تالشی دہلوی)

در اصل بزرگ شعراء کے نعتیہ کلام کی خوبیاں تلاش کرنا اور ان کی شاعری کے رموز و نکات صحیح طور پر سمجھنا ایک خاص قسم کی مہارت (Skill) چاہتا ہے۔ اس لیے فی الحال میں کلاسیکی مزاج کے شعراء کے کلام پر تفصیل سے کچھ نہیں لکھ سکتا مضمون کی محدودات اور مقتضیات کے پیش نظر اتنے ہی حوالے پر اکتفا کرتا ہوں۔

بعض شعراء نے لفظوں کو جدت کے ساتھ برتنے کا ہنر کچھ اس انداز سے متعارف کرایا ہے کہ محض ان کا لہجہ ہی ان کی شناخت کے لیے کافی ہے ایسے شعراء میں ڈاکٹر اجمل نیازی محمد فیروز شاہ اور ریاض حسین چوہدری کے اسمائے گرامی یادے نمایاں ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

تری نظر خارزار شب میں گلاب تحریر کر چکی ہے
اجازت فینوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی ہے
کبھی مرے ذہن کے قلب پر سوال پکے تو میں نے دیکھا
ترے زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی ہے
وہ حرف جو تیرے دل پہ اترے وہ میرے دل میں بھی گونجنے ہیں
تری محبت مرے لبو میں ثواب تحریر کر چکی ہے
تری جدائی میں رونے والے ہی مہی بہتی میں بج رہے ہیں
میری نفس و ہوائے عالم غلاب تحریر کر چکی ہے
نفس لیے سرکھانے والوں کا نام ہے یا نہیں ہے اجمل
میں کی رشکال تیرے تیرے خطاب تحریر کر چکی ہے

(محمد اجمل نیازی)

تیری یاد کو ترے خواب کو میری آنکھ رکھے سنبھال کے
 مری زندگی کا جواز ہیں یہی عکس تیرے جمال کے
 میرے عہد کو بھی نصیب ہوں تری ذات سے وہی نسبتیں
 وہ جو غفمتیں تھیں ادیس کی وہ جو رابطے تھے بلا کے
 ہمیں منزلوں کی نوید دے، ہمیں خیر و شر میں تمیز دے
 کہ ہم اپنے ہاتھ سے لکھ رہے ہیں جو زائچے ہیں زوال کے
 مری سر زمین پہ تاباں ہو تری دعاؤں کا ساہا
 مرے شر شر دیے جلیں تری آرزوئے وصال کے
 مجھے اذن دے یہ عقیدتیں میں جبین دہر پہ لکھ سکوں
 تری روشنی میں سفر کریں سبھی قافلے مہ وسال کے
 یہ جہان بھی مری جان بھی ترے عشق ہی کی ہے سلطنت
 مرے لمحے یا بکوار ہیں ترے شر حسن و کمال کے
 (محمد فیروز شاہ)

مرے نطق کے قفل کھولے ہیں تو نے مجھے اذن اپنی ثنا کا دیا ہے
 مرے رنگ آلود انکار لے کر مجھے تو نے ہی حرف تازہ دیا ہے
 مجھے روشنی کا صیغہ ملا ہے ترے گھر کے نکھرے ہوئے آسمان سے
 ابھی ساعتوں کو چراغِ تمنا کی کرنوں کا تو نے اٹاٹ دیا ہے
 ترا نام طاق دعا میں ہے روشن ازل سے ابد تک یہ روشن رہے گا
 کہ تو نے رسول خدا، ہر صدی ہر زمانے کے انسان کو چہرہ دیا ہے
 حرا کی طرف جانے والی گزرگاہ پر بیٹھ کر میں یہی سوچتا ہوں
 یہ کس کے نقوش قدم نے کڑی دھوپ میں آسمانوں کو سایہ دیا ہے
 جسے کوئی نسبت نہیں تیرے در سے اسے کیسے سورج میں تسلیم کر لوں
 وہی معتبر ہے حوالہ سحر کا ترے پاؤں کو جس نے بوسہ دیا ہے

یہ تھکیک کے اڑوسے میرے خوں کی حرارت میں پلٹے رہیں غیر ممکن
 بیٹھ ہی تیرے تصور نے شر اماں کی فصیلوں پہ پہرہ دیا ہے
 بڑی تلخ اپنی حکایت ہے آقا بیاں کے لیے لفظ ملتے نہیں ہیں
 شب و روز کی ناروا الجھنوں نے مجھے غیر مانوس لہجہ دیا ہے
 ریاض آج پھر سردی ساعتوں نے لیوں پر بتائے ہیں عکس تمنا
 ریاض آج پھر ذکر خیر البثر نے مرے دامن دل کو مہکا دیا ہے
 (ریاض حسین چودھری)

درج بالا تینوں لغتیں مختلف آہنگ اور ٹامانوس لہجے کی نمائندہ لغتیں ہیں۔ دراصل شعری دنیا میں فکری
 اور اسلوبی دونوں طرح کے اجتہاد ہوتے رہتے ہیں اور جہاں کسی بھی قسم کا چھوٹے سے چھوٹا اجتہاد ہوگا
 وہاں لہجے کا ٹامانوس ہونا لازمی ہے۔ زبان کا استعمال بھی اسی اجتہاد کے زیر اثر بالکل ویسا نہیں رہتا جیسا
 قدامتے کیا تھا۔ اس لیے جدید شعری تخلیقات کی تحسین (Appreciation) کے معیارات بھی فراخ دلی سے
 بدلنے پڑتے ہیں۔ اور قابل قبول مدد تک اجتہادی کوششوں کو سراہنا پڑتا ہے۔ ٹامانوس لہجوں کی بات چلی
 ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں جاذب قہقش کی شاعری کا بھی اجمالاً ذکر کر دوں۔ جاذب قہقش نے
 اپنی شاعری کو علامتی طرز اظہار سے سجایا ہے علامت توسیع معانی (Expansion Of Meaning) کی ایک
 کوشش ہوتی ہے جیسے علمی دنیا میں نعت کے کسی لفظ کو اصطلاح (Terminology) کے طور پر استعمال کیا
 جاتا ہے اور وہ لفظ نعت کے محدود مفہوم سے کہیں زیادہ وسیع معانی سمیٹ لیتا ہے۔ اسی طرح تخلیقی ادب
 میں علامت کا استعمال اپنے اندر ایک جہان معانی سمیٹ لیتا ہے۔ اسی لیے ناقدین نے علامتی طرز اظہار
 کو بڑی اہمیت دی ہے۔ جاذب قہقش نے نعت میں بھی یہی طرز اظہار اپنایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ
 نعت بھی اسی تخلیقی جذبے سے کہتے ہیں جس تخلیقی جذبے کے تحت وہ عام شاعری کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں
 چند مثالیں۔

ہوا کے دوش پر روشن پرندے اڑتے رہتے ہیں
 دینے کا اجالا ہے کہ کس طور ہے لوگو
 یہ پچھانوں کو کھٹے کھٹے کر دیا جس نے
 زمین و آسمان نے ایک ایسا بھی دیا دیکھا
 میں اپنے مد کا سرا ہوں مجھ کو حسرت ہے

ترے حضور گروں آیشار ہوجاؤں

عمری ادبی رجحانات میں انشاء اور مصحفی کی طویل ردیف استعمال کرنے کی روایت کا احیا بھی ہوا ہے اور بہت سے شعراء طویل طویل ردیفوں کو بڑے سلیقے سے اپنی غزلوں اور نعتوں میں برت رہے ہیں۔ قر وراثی بھی سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنے کے عادی ہیں اور طویل ردیف کو بھی بڑی خوبی سے نباتے ہیں۔ ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے ”کف الوری“ میں شامل ایک نعت یہاں درج کرتا ہوں۔

لاکھ تھے ضوفشاں پھر بھی ایسے نہ تھے قلب و جاں کے دیئے
عشق سرکارؔ نے معتبر کر دیئے قلب و جاں کے دیئے
ادج پر تھا غم دوری مصطفیٰؐ اور پھر یہ ہوا
بجھتے بجھتے بیاد نبیؐ جل اٹھے قلب و جاں کے دیئے
آندھیوں کا ہنر اس حقیقت کی رکھتا نہیں ہے خبر
کتنے مربوط ہیں مرکز نور سے قلب و جاں کے دیئے
راہ طیبہ ملیؑ جلوہ گاہ نبیؐ میں ہوئی حاضری
رنگ اپنے مقدر پہ کرنے لگے قلب و جا کے دیئے
جالیوں سے ہوا چھن کے آئی تو چھائی کچھ ایسی فضا
اشک بن بن کے پلکوں پہ روشن ہوئے قلب و جاں کے دیئے
قرب کی انتہا نے کیا وہ کرم کر کے آنکھوں کو غم
رکھ دیئے میں نے قدموں میں سرکارؔ کے قلب و جاں کے دیئے
ہز گنبد کو دیکھا ہی تھا اک نظر دیکھتے ہی قر
جلوہ دید کی موج میں بہہ گئے قلب و جاں کے دیئے

اس نعت میں قمر وراثی نے ردیف کی طوالت کو نہ صرف سلیقے سے نبایا ہے بلکہ انہوں نے پوری نعت کو وحدت تاثر (Unity Of Impression) کا مرقع اور غزل مسلسل کا نمونہ بنا دیا ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ ردیف کی طوالت ترسیل جذبات میں بھرپور معاونت کر رہی ہے پھر حاضری اور حضوری کی ایک پوری مربوط داستان شروع سے آخر تک مرحلہ وار بیان ہو گئی ہے اور اس داستان کو بیانیہ (Narrative) انداز کے بجائے تخلیقی (Creative) موڈ کے ساتھ رقم کیا گیا ہے۔

جدید نعت میں ایک لہر تو خود آگاہی کے کرب کی محسوس کی جاتی ہے اور ایک خود آگاہی کی آرزو جھلکتی

ہے۔ خود آگہی کی آرزو کے حوالے سے کچھ اشعار پہلے آچکے ہیں ایک شعر ذاکر سید ابوالخیر کشتی صاحب کا بھی ملاحظہ فرمائیے۔

مٹانہ و ابوبکر و علی کی تجھے سوگند
مل جائے مجھے میری خبر سید عالم

خود آگہی کا کرب محسوس کرنے والے بھی بت سے شعراء ہیں لیکن اس گروہ کی نمائندگی پروفیسر عنایت علی خاں عنایت کے درج ذیل اشعار سے بھرپور طریقے سے ہو جاتی ہے۔ ان اشعار میں شاعر کی اپنی ذات کی فردیت کا خصوصی حوالہ معاشرے کی عمومی فضا کا عکاس بن گیا ہے۔

ترے حسن خلق کی اک رمت مری زندگی میں نہ مل سکی
پہ میں مطمئن ہوں کہ شر کے درو بام کو تو سجا دیا
میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں گمن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چہن میں خزاں کا جال بچھا دیا
یہ میری عقیدت ہے بھر یہ مری ارادت ہے شمر
مجھے میرے دعوئے عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جدید اسلوب اور تازہ لہجے کا اضافہ کرنے والوں میں ایک نام صبیح رحمانی کا بھی ہے۔ صبیح رحمانی نے تجریدی (Abstract) جذبوں کو محسوس (Concrete) تشبیہات سے مزین کیا ہے اس طرح شاعرانہ تخیل کو ہمہنی (Vivid) تجسیم مل گئی ہے۔ خوب صورت تشبیہات اور موزوں تلمیحات (Appropriate Association) نے صبیح کی شاعری کو بنیالیاتی احکام کا نمونہ بنا دیا ہے چند نمونے مذکور ہیں۔

آدنی روت کی ہستی میں جلوہاں کی دھنک اس نے
گفت شب پہ "جیسے سحر آہستہ آہستہ
صبح ان کی شام اور تو کہ جیسے برف کی کشتی
نکس سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ
میں نوائے شب میں بھگ گیا نے سورجوں کی تلاش میں
نہی روشنی کہ بدل سکے مری شب کا حال مے نیا
اندھ نیم و جاں : سارے موسم شامانی کے

بدل دی شہرِ ہستی کی فضا اول سے آخر تک
انگی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ ملتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم
لکھے سب پھول جیسے لفظ سوچے چاند سے مضمون
صبحِ نعت گو کو نعت کا لہجہ نیا دے دو

جدید عہد میں جدید طرزِ اظہار اور فکر کے نئے زاویوں کے ساتھ نئے نئے پیرایہ ہائے بیان بھی اختیار
کئے جا رہے ہیں جن میں آزاد نظم نثری شاعری (نثری نظم نہیں) اور جاپانی صنفِ سخن ہائیکو بھی شامل ہیں۔
دنیا نعت میں بھی بستی تجربے ہوئے ہیں جن میں ہائیکو لکھنے کے تجربات بڑے نمایاں ہیں۔ صبح نے بھی
بڑے خوبصورت ہائیکو کئے ہیں مثلاً

سیرت کے انوار	صرف مدینے میں
سورج بن کر ابھرے ہیں	اور کہاں پر اگتے ہیں
ان کے پیروکار	سورج سینے میں

اردو نعتیہ شاعری میں جدید اسالیب تلاش کرنے کا کام ابھی تو صرف شروع ہوا ہے۔ اس چھوٹے سے
مضمون میں تمام شعراء کا تذکرہ کرنا اور تمام اچھی شاعری کے نمونے دنیا ممکن نہیں ہے۔ بہت سارے
اہم نام باقی رہ گئے ہیں جن کا احاطہ کرنے کے لیے دوسری قسط لکھنا ہوگی چنانچہ اس مضمون کو سلسلے کی پہلی
کڑی تصور کیا جائے۔ باقی۔ باقی

کتابیات

- ۱۔ کلیات اقبال، لاہور۔
- ۲۔ حدائقِ بخشش۔ احمد رضا خان بریلوی مدینہ، ہیشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء
- ۳۔ بے مثال، عارف عبدالستین، کاروانِ ادب، ملتان ۱۹۸۵ء
- ۴۔ تنال، احمد ندیم قاسمی، بیاض، لاہور ۱۹۹۳ء
- ۵۔ اساس سرشار صدیقی، ملہو کشتی میو ریل سوسائٹی، کراچی ۱۹۹۰ء
- ۶۔ وسلموان تسلیم، حقیقت تائب مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۰ء
- ۷۔ صلوا علیہ والہ، حقیقت تائب سیرت مشن، لاہور ۱۹۷۸ء

اردولعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار

ڈاکٹر عصمت جاوید (مبارت)

ما قبل تاریخ کے دور میں مذہب صرف مظاہر فطرت سے خوف زدہ ہو کر انہیں رام کرنے، رجمانے اور ان کے آگے سر نیاز خم کرنے سے عبارت تھا، کیونکہ ابتدائی انسان کی نظر میں ہر مظہر فطرت رب النوع کی حیثیت رکھتا تھا، وہ منسوری ہو، مجسمہ تراشی ہو، فن تعمیر ہو، تمثیل ہو، رقص و سرود ہو، یا شاعری، یہی وہ انسان کے حواس خمسہ کو تیزی سے متاثر کرنے والے ذرائع اظہار تھے، جن کے توسط سے ابتدائی انسان مظاہر فطرت کو ارباب فطرت سمجھ کر ان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ آج بھی جب انسان نے مظاہر فطرت پر بڑی حد تک قابو لیا ہے، اس سر زمین پر ایسی قوموں کا وجود باقی ہے جن کے مذاہب۔ اگر انہیں مذہب کا نام دیا جائے۔ صرف رسوم عبادات (RITUALS) کا مجموعہ ہیں جن میں فنون لطیفہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اسلامی عقیدہ کے مطابق اس سر زمین پر مہبوط آدم کے بعد ہی سے بنی آدم کو نغمہ توحید سنایا گیا تھا لیکن انسان کی محدود عقل پیکر محسوس کی اس قدر خور تھی کہ وہ پتھروں، درختوں، سمندروں، سانپوں اور اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویروں اور صورتوں سے بلند اٹھ کر اس بلندو بالا قوت کے تصور تک پہنچنے کے لئے تیار نہ تھی جس نے اپنے اثبات کے لئے انبیائے کرام و نفاً نوقاً مبعوث کئے، جب انسانی فکر کے بالغ ہونے کا وقت آیا، تو مشیت ایزدی نے دین کی تکمیل کے لئے "اکمل البشر" کا انتخاب کیا جس نے دنیا کے سامنے وہ ضابطہ حیات پیش کیا جسے اسلام کہتے ہیں، اسلام نے دنیا کی تمام معاشی، معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے جو نسخہ حیات تجویز کیا، اس میں عقیدہ توحید اساسی حیثیت رکھتا ہے، جس میں شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور نہ کوئی مفاہمت ہے۔

بتل اقبال

باطل دہلی پسند ہے حق لا شریک ہے شرک میاں حق و باطل نہ کر قبول

اسلام کی نظر میں وہ اسنام مادی ہوں یا اسنام خیالی، ان کی پرستش چاہے وہ کسی شکل میں ہو شرک کا حکم رکھتی ہے، اس لئے دنیائے اسلام میں بعض فنون لطیفہ تو بالکل ملحد قرار دیئے گئے اور بعض کے وہ تمام پہلو ممنوع قرار پائے جن میں نفسانی خواہشات کے مشغول ہونے، ظلم پرور اور باطل پرست قوتوں کے آگے سر جھکانے، جاؤ حق سے منحرف ہونے اور بلند اخلاقی قدروں کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے امکانات ہیں، یہ فن تعمیر اور فن خطاطی کو اسلام کے زیر سایہ جو فروغ حاصل ہوا وہ فنون لطیفہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ شاعری میں بھی اسلام نے حدود مقرر کئے، صرف وہی شعراء مٹا میڈا الرحمن کہلانے کا حق رکھتے ہیں

جو انسانیت دوستی بلند اخلاقی کردار اور مطہر و منر کی جذبات کے اظہار کے لئے اپنی اپنی فنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امرؤ القیس کے بارے میں یہ ارشاد مبارک کہ "اشعر الشعراء وقاللہم الی النار" شاعری کی موثر قوت کا اعتراف بھی ہے اور اس کی تحدید بھی۔

اسلامی ادبیات میں خدائے بزرگ و برتر کی حمد اور اس کے حضور مناجات کو جو مرتبہ حاصل ہے وہی مرتبہ نعت کو بھی حاصل ہے، کیونکہ اہل ایمان کے نزدیک خدا کے بعد جو سب سے زیادہ تعریف کا مستحق ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے جنہوں نے عالم انسانیت کو خدا کے صحیح تصور، لاکھات کی ثنات تھلکتی اور دیائے اختیارات میں خدا کی طرف سے ملے کئے ہوئے اوامر و نواہی سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ اس کا عملی نمونہ تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دیا جس سے انکار صرف متعصب دین ہی کر سکتا ہے دنیا بھر کے مسلمان جو زبانیں بولتے ہیں ان میں نعتیہ ادب کا وجود ایک فطری امر ہے، اردو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، نعت گوئی کے دوا کا کافی پلو ہیں، ایک پلو تو وہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف خاموشی "کلمات باطنی" آپ کی زندگی کے اہم واقعات، غزوات اور تاریخ عالم میں آپ کے بے مثل دین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا پلو وہ ہے جس میں نعت گو شاعر آپ کی بے مثل شخصیت سے اپنی بے پناہ عقیدت و محبت کی ترجمانی کرتا ہے، ظاہر ہے کہ نعت کے ان دونوں پلوؤں کو اب بدخاموں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، ایک مضر دوسرے مضر میں اس حد تک گھلا ملا ہوتا ہے کہ اس بے مینائی کو ایک دوسری سے الگ کرنا ممکن نہیں، پھر بھی چونکہ بعض نعتیہ اشعار یا نظموں میں وصف نگاری کا پلو غالب ہوتا ہے اور بعض میں عقیدت و محبت کا، اس اعتبار سے ان پلوؤں کے بارے میں کہ ایک شک کی جگہ نہیں ہے۔ مثلاً ہذا میں اردو نعت کے صرف اسی پلو پر روشنی ڈالی جائے گی جس میں عقیدت و محبت کا مضر نمایاں ہے اور وصف نگاری کی بنیاد بھی اس عقیدت و محبت پر قائم ہے۔ علامہ

اقبال نے کہا ہے

ہو نہیں اور نہیں پس کو بانی الشیخ
در مغلل از خود زرقین کار ہر دیوان نیست

نعت کی بنیادی باتیں ہیں جس میں ہر دین کے لئے لازمی ہے کہ وہ جوش عقیدت میں ان حدود سے تجاوز نہ کرے نہ انہوں نے مقرر کیے ہیں، نعت کا راستہ جہاں سے زیادہ باریک اور نکواری سے زیادہ تنہر ہے، یہاں عام جوش نہیں بلکہ محض ایک شاکہ کی صورت میں روا نہیں، کیونکہ شرک سے تصور قویہ کی تائید ہے، یہاں ہر عقیدہ کی جہاں جہاں ہے اور نعت میں اگر شاکہ کا قدم قدم پر اٹھائے گا تو خالق اور مخلوق کی حقیقت کے درمیان اس قدر کم فاصلہ ہے کہ جوش عقیدت میں اس فرق پر غور کرنا محال ہے اور جہاں جہاں ہے جس کی زبان نعت گوئی میں اگر شاکہ کا ایک خالق و ملامت ہے تو یہاں حقیقت معلوم ہوگی کہ ایک خالق لاکھات ہے تو دوسرا

ہے تو دوسرا محبوب خدا۔ یہ فرق جتنا باریک ہے اتنا بنیادی بھی ہے، عبد و معبود کا یہ باہمی اختلاف ایک ناقابل عبور خلیج ہے اسے اس طرح سمجھئے کہ اگرچہ انسان حیوان ہی کی ایک نوع ہے لیکن اس کے اور حیوان کے درمیان ناقابل عبور باب مائل ہے، جن قوموں نے خالق و مخلوق کے درمیان اس نازک فرق کو ملحوظ نہیں رکھا وہ گمراہ کن عقائد، فسق و فجور، ظلم و تعدی اور اضماع پرستی کی آڑ میں نفس پرستی کا شکار ہو گئیں اور آج بھی ہیں، ہندوستان کے نام نہاد توحید پرستوں میں اس خطرناک رجحان کی طرف حالیؒ نے سدس حالی میں جہاں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے وہاں یہ بھی کہا ہے

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

جہاں تک اردو کے نعتیہ ادب کا تعلق ہے، کچھ نعت گو ایسے ضرور ہیں جنہوں نے حاشا و کلا اس قسم کی گستاخی کر کے ”فلم یکن لہ کفو احد“ کے بنیادی عقیدے سے انحراف کیا ہے، لیکن مستثنیات سے قطع نظر ہمارے نعت گو شعرا نے جوش عقیدت میں بھی نعم العبد والمعبود کے درمیان جو قلاب تو سین سے بھی کم کا فاصلہ ہے، اسے ملحوظ رکھا ہے، اور جہاں بھی حدود شریعت کے متجاوز ہونے کا خطرہ محسوس کیا ہے وہاں یا تو خاموشی اختیار کر لی ہے یا پھر اس سے بچ نکلنے کی کوئی دوسری صورت نکالی ہے، مثلاً ”حفظ جالندھری کہتے ہیں

ہے صورت نور سبحانی بہ معنی خلل روحانی نشان حجت حق مظهر تائید ربانی!!
وہ جس کو فاتح ابواب اسرار قدم کے بنائے عرش و کرسی، باعث لوح و قلم کہئے
علی الاعلان سرسنت کنزاً خفیا کہئے مگر اس کو شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہئے
دیکھئے امیر گوندوی نے وفور شوق میں شرک سے بچنے کی کیا صورت نکالی ہے

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں نہ دیں جو اہل شریعت جہیں کو اذن مجبور
امیر گوندوی نے اکثر مقامات پر نعم العبد اور معبود کے اس لطیف فرق کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے مثلاً۔

عظمت تنزیہ دیکھی، شوکت تشبیہ بھی ایک حال مصطفیٰ ہے ایک قال مصطفیٰ
کلی ہو، مہر و ہو، شمع حرم ہو ہے سب کے جگر میں رخ تابان محمد
اے حسن ازل اپنی اداؤں کے مزے لے ہے سامنے آئینہ طہیران محمد
وہ راز غفلت ہستی، وہ معنی کو نہیں! وہ جان حسن ازل، وہ ہمارے صبح وجود!
بقول اقبالؒ

نگاہ عشق و مستی میں، وہی اول وہی آخر وہی قرآن، وہی فرقاں وہی۔ سیس وہی طہ

ایک شاعر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کیا خوب کہتا ہے

بات یہ کیا ہے خدا کو جو پکارا میں نے نام لب پر مرے بے ساختہ آیا تیرا (بدیع الزماں نادر)

تو کوئی شاعر داریت از ریت و لکن اللہ ربی کے حوالے سے اس طرح کہتا ہے
 سر ہوتے نہ کیوں بدر واحد خندق و خیر جب دست خدا آپ ہو بازوئے محمد (مشق نقوی)
 اس قبیل کے کچھ اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

حقیقت میں رہنے آب و ناک جسم ہوا نور یزدان پاک (مبا لکھنوی)
 نبی کا خلق ہے خلق الہی کلام حق ہے فرمان محمد (دورام کوثری)
 ترا دیدار ہو دیدار الہی مجھ کو لا تری الفت مرا ایمان رسول عربی (بیدم شاہ دہلوی)
 جو یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ ہوتا کوئی بھی پیدا خدا کی شان بھی گویا خدائی ہے محمد کی (سل الہ آبادی)
 غالب نے مشاہد حق کی محقق کے سلسلے میں باد و ساغر کے استعاروں کے جوازی کی طرف اشارہ کیا
 ہے، 'نظر وحدت الوجود کو تسلیم کرنے والے صوفی شعرا نے ان استعاروں کا استعمال فراخ دلی سے کیا ہے
 اور کس کس تو معشوق مجازی اور معشوق حقیقی میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے نعت گو شعراء
 نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور، قد رعتا، خدو خال، گیسو وغیرہ کی بھی جی کھول کر تعریفیں کی
 ہیں، لیکن جوشِ محبت میں ایسے انداز بیان سے گریز کیا ہے جن کا اطلاق معشوق مجازی پر بھی ہو۔ ایک
 نعتیہ قصیدے میں سودا کا سنان تشبیب ضرور استعمال کرتے ہیں لیکن بہت جلد یہ کہ کر مدح کی طرف گریز
 بھی کر لیتے ہیں

کچھ اے باقابت قسم کب تک یہ بیاں ہو گا ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی
 آپ کے قدر کا کی تعریف میں دیکھئے ایک شاعر کیا شاعرانہ توجیہ پیش کرتا ہے
 'فانما ائیس کا کر صورتیں آدمیت تا میں تب آیا راست نقشہ کلک قدرت سے ترے قد کا
 دیکھئے ہمارے نعت گو شعرا نے حسنہ کے رخ پر نور، خدو خال، گیسو و رخسار کی تعریف میں کس حد
 تک محبت کے اظہار کے ساتھ ادب و احرام کو ملحوظ رکھا ہے۔

الطیلس نے گیسوے عطیں کی ہے شاہ و الخس ہے ترے رخ پر نور کی قسم (سداور شاہ ظفر)
 چمن و گلستان محمد کے گیسو محو عالم و رحمت کے سائے (غفار بارہ یکرہی)
 سب بادشاہان نور نیما ہے تذکرہ گیسوے نبی

اے تو ہماری صبح نہیں مٹھرتے تو ہماری شام نہیں (دل کھنوی)
 سرگرم کر بھیجی بھیجی وہ غریبے تیرے دیکھ کر ریت رحمت ہیں درجین
 کہہ کے انت نیما پاہ کے صل علی باہلی خوشنما چھوٹا لگا (آبیدارانی)
 'فلا فہمہ' زلف سیاہ تو کھجور کہ شام صبح کے بعد آبی صبح شام کے بعد (آسی نازہری)
 سو خراں چہ گلستاں چہ تاباں سو درخشاں
 منگل چاں زلف جبر صلی اللہ علیہ وسلم (مہر علی)

عام طور پر ہمارے شعرا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی تعریف میں عمومی انداز اختیار کیا ہے
ایک نعت میں امیر کوٹہ فرماتے ہیں

اگر خوش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود!
محسن کا کو روی فرماتے ہیں

گل خوش رنگ رسول مدنی و عربی زیب دامن ابد طرہ دستار ازل!
اختر شیرانی کہتے ہیں

شادابی منور و نرس تمہیں سے ہے بوئے گل و بہار گلستاں تمہیں تو ہو
بقول احمد رضا خان بریلوی

انہیں کی بویا عین ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مکہ رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے
متین سروش کہتے ہیں

تخلیق ازل خود ہی جس حسن پہ نازاں ہو اے کاش کوئی دیکھے وہ جلوہ انسانی
تو بقول معین ادیبی

پہیلی ہوئی تصویر ہے سرکار جہاں کی جس سمت بھی دیکھو نگہ حسن یقین ہے
نعت کا ایک اور موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ختم النبیین اور سر تاج انبیاء ہیں دیگر
انبیائے کرام سے مقابلہ و موازنہ کر کے آپ کی انصافیت و برتری کا اظہار کرنا ہے اس لئے نعت میں اس
بات کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں جوش عقیدت میں دیگر انبیائے کرام کی تحقیر کا کوئی پہلو نہ نکلے از روئے
اسلام تمام انبیائے کرام کا احترام بھی مسلمانوں کا جزو ایمان ہے، مثنوی ”سحر البیان“ میں میر حسن اسی
بے اعتیالی کا شکار ہو جاتے ہیں جب وہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ دیگر انبیائے کرام سے اس انداز میں
کرتے ہیں جو ان کی شایان شان نہیں، مثلاً ”فرماتے ہیں

کردن اس کے رتبہ کا کیا میں بیاں کھڑے ہوں جہاں باندھے صف مرسلان
صبح اس کی خراگہ کا پارہ دوز!!! تجلی طور اس کی مشعل فردوز!!!
غلیل اس کے گلزار کا باغبان!!! سلیمان سے کئی مردار اس کے یاں
فخر اس کی سرکار کا آبدار!!! زہ ساز داؤد سے دس ہزار!!!
پارہ دوز خیمہ سینے والے کو کہتے ہیں۔ مردار اس شای ملازم کو کہا جاتا ہے جس کی تحویل میں بادشاہ
کی مرخص ہوتی ہے، آبدار اس ملازم کو کہتے ہیں جسکے ذمہ بادشاہ اور امراء کے لئے پانی میا کرنے کا
انتظام ہوتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اردو کے نعت گو شعرا نے اس باب میں احترام کو ہاتھ سے جانے نہیں
دیا۔ صرف چند مثالیں ملاتے ہیں۔

تو خنجر ہی 'تشنہ شوق' لقا نہیں
یوسف بھی ہے بیا سا مدام اس کی چاہ کا (غلام امام شہیدی)

نبی کہتے گئے اس غم میں روتے
کہ اے کاش! ہم ان کی امت میں ہوتے (سعادت یار خان)

آدم معنی اللہ ہیں موسیٰ کلیم اللہ ہیں
یعنی بھی روح اللہ ہیں لیکن تو چیزے دیگری (الم مظفر عمری)

خلیل اللہ ہے کوئی، کلیم اللہ ہے کوئی
مگر آقا مرے آئے ہیں محبوب خدا بن کر (احسن مارہروی)

عقلمند نوح و خلیل ناز مسیح و کلیم!
سینہ آدم کا راز دیدہ یزداں کا نور (روشن صدیقی)

چاند ہوتم تو رسولان سلف تارے ہیں
سب نیماں ہیں تو تم جان رسول علی (بیدم شاہ دارانی)
نعت کا ایک اور موضوع شہر مدینہ کی تعریف ہے، یہی وہ موضوع ہے جس نے اسلام کی تاریخ میں
ایک انقلاب پرور کرار ادا کیا ہے، اس شعر کو اس بات کا بھی شرف حاصل ہے کہ یہاں گنبد خضراء ہے
جو زیارت گاہ عاشقانِ رسول ہے، تارے نعت کو شعرا نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "سرکار
مدینہ"، "تاجدار مدینہ"، اور سلطان مدینہ کہہ کر مخاطب کیا ہے، وہیں اس شرکی گلیوں کی تعریف کر کے اس
مقتدیت و محبت کا بھی اظہار کیا ہے جو انھیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اکثر نعتیہ نظموں کی
روایتی مدینہ "مدینہ" ہے جیسے "تشنائے مدینہ"، "قریان مدینہ"، "گمنا مدینہ سے"، "مدحت سلطان مدینہ"
"دولت سلطان مدینہ"، "تاجدار مدینہ وغیرہ۔۔۔ کوئی شمار چاہتا ہے کہ جب اسے موت آئے تو اس کا طائر
رہن گنبد خضراء پر چاہیئے

تشنہ ہے درختوں پر ترے روئے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ہوئے حصارِ موت مقید کا (کرامت علی شہیدی)
تو مولیٰ موت کو چہرہ پر رک جائے گا، لے لے لے گا کہ دویدار مدینہ کی حسرت پوری کر لے۔
پھر موت کے آگے اڑا لے موت شہ جا۔۔۔ باقی ہے ابھی بہت دیدار مدینہ! (غلام سندھ علی)
نئی دلی میں اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ جب وہ میں اسے موت آئے تو اس کا منہ مدینہ کی طرف

جان کی طرح بھی دل میں تمنا ہے ریاضِ مروں کعبہ میں تو منہ سوئے مدینہ ہو جائے (ریاضِ فیہ آبادی)
تو کسی شاعر کو سر زمینِ مدینہ میں سجدوں کی لذت حاصل ہوتی ہے اور وہ پے بہ پے سجدہ کرتا چاہتا ہے
مدینہ کی زمیں پر لذتِ سجدہ کوئی دیکھے کہ فرض اک سجدہ کر دیتا ہے ہر سجدہ ادا ہو کر (سئل الہ آبادی)
کوئی حضرت خضر کو مدینہ میں عمر جاوداں کے مزے لوٹنے کی تلقین کرتا ہے تو کوئی مدینہ کی ہواؤں میں
شراب کی تاخیر محسوس کرتا ہے

اے بادہ کشو تم کو مبارک ہے و ساغر میں بے تے و ساغر بھی ہوں سرشارِ مدینہ (سلام سندیلوی)
زندگی وادیِ شرب میں بسر کرتا تھی! حضرت خضر کو بتی کر بھی نہ جینا آیا! (نون ناردی)
کوئی شاعر سنگِ اسود کی اس حسرت کی ترجمانی کرتا ہے کہ اسے کعبہ کے بجائے روئےِ اقدس میں جلد
کیوں نہ ملی۔

رہا کعبہ میں 'تیرے روئے کے در پر نہ جا پایا اسی اندوہ سے ہے رنگِ تیرہ سنگِ اسود کا (کرامت سی
شمیدی)

مندرجہ ذیل اشعار میں ذوق و شوق کی والہانہ کیفیت کا اظہار بڑی کامیابی سے ہوا ہے

روئےِ مصطفیٰ کو دیکھیں گے بے پریا کو دیکھیں گے

صبح کی شبی فضاؤں میں رقصِ موجِ صبا کو دیکھیں گے (انور مابری)

اللہ اللہ ان کا کرم دیکھنا ہم تصور میں روئے پہ جانے لگے!

پھر دل بتلا کیف پانے لگا پھر مدینے کے دن یاد آنے لگے!

دیدہ روح و دل کھوئے کھوئے تھے دوری و ہجر میں روئے روئے تھے!

جب وہاں کی بہاریں نظر آئیں دیدہ و روح و دل مسکرانے لگے! (ہزاد گھنوی)

ذیل کے اشعار سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے فعلِ پاک حضور تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں (حسن بریلوی)

کتنی ہے خلق مجھ کو خرابااتی نبی! اچھا کوئی خطاب نہیں اس خطاب سے (عرش ملیانی)

وہ داناے سل، ختمِ الرسل، مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا، فروغِ وادیِ سینا!! (اقبال)

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا (کرامت علی

شمیدی)

دلِ ثارِ مصطفیٰ، جاںِ پاناںِ مصطفیٰ! یہ اویس مصطفیٰ ہے، وہ بالِ مصطفیٰ! (امیر کوئٹوی)

اوسے مجھوں ہوا بدنام تو لیلیٰ کو دل دے کر اگر میرے نبی کو دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا! (فراق بیجا پوری)

اپنے کسی محبوب یا بزرگ ہستی کے آگے اپنا دکھ درد بیان کر کے اس سے مدد طلب کرنا بھی اس ہستی

سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے، 'اردو کے نعتیہ ادب میں کچھ ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ان سے اپنی امت کے حال زار پر نظر کرم کرنے کی درخواست کی گئی ہے، مثلاً حالیؒ اپنی ایک نظم میں حضور پاک کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے ٹکسوں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سننے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزت کے ہیں خواہاں پر فکر ترے دین کی عزت کی سدا ہے
اس نظم میں حالیؒ نے اپنی قوم کی ابتری، خستہ حالیؒ اور تباہی کی داستان ایتلاؒ بیان کی ہے، یہ وہی درد ناک داستان ہے جس نے پچھلے کرمسوس حالیؒ کی شکل اختیار کی ہے اقبال کی نظم "حضور رسالت مآب میں" اردو ادب کا شاہکار ہے، اس نظم میں مسلمانوں پر ہونے والے سیاسی مظالم، مسلمانوں کے جذبہ شوق شہادت اور حضور سے استمداد کو صرف ایک مصرعہ میں جو نظم کا آخری مصرع ہے ایسی فنکارانہ چابکدستی سے پیش کیا ہے کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی، نظم کے آخری مصرعے کو پڑھ کر قاری کے سامنے نظم کا مرکزی خیال ایک بجلی کی طرح کوند جاتا ہے، نظم کے آخری بند کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

حضور دہر میں آسویں نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آئینہ لایا ہوں! جو چیز اس میں ہے، جنت میں بھی نہیں ملتی
جھمکتی ہے تری امت کی آمد اس میں

طرابلس کے شہیدوں کا ہے لو اس میں

پاکستان کے ایک مشہور شاعر نے جن کا مسقط الراس یمنی شہر اورنگ آباد ہے، اپنی ایک نظم "احزانِ بختور سرورِ بخت" میں اپنے وطن کے مسلمانوں کے اخلاقی بحران کا نقشہ بڑے مؤثر انداز میں کھینچا ہے، اس کا اطلاق ہندوستان کے کیا تھا، ہر ملک کے مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے، حمایت علی شاعر کی اس شاہکار نظم سے صرف چند اشعار پیش کر کے میں اپنا مقالہ ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا

حضور آپ کی امت کا ایک فرزند ہوں میں مگر خود اپنی نگاہوں میں آج گردہوں میں
میں کس نظم سے تمہیں سرفرازی کی حکایت ملے گی کہ رنگ دیکھ کے اپنے لو کا زرد ہوں میں
نظم کی صورت الفاظ میرا سرمایہ ہیں خوف ہے کیا کب مجھے نظر آیا
میں نے اپنے لیے مجھ پہ معنی اقوام کی قیمت علم پہ ہے میرے جہل کا سایہ
میں بہت بہت نہیں ہوں پہ بت نہیں بھی نہیں دو دو بیت کہت ہوں جو کوہ کن بھی نہیں
میں کس طرح دیکھ رہا ہوں تو مجھے پہ اک ٹکٹ بھی نہیں

کہا گیا جسے قرآن میں بندہ مومن وہ میں تو کیا کہ مرا کوئی ہم وطن بھی نہیں
ہر امتی کی یہ فرد عمل ہے کیا کیجے
حضور! آپ ہی ہم سب کا فیصلہ کیجے



افردو کے عالمی شہرت یافتہ ادیب، شاعر اور نقاد

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی ایمان افروز نعتوں کا مجموعہ

نسیب

جلد ششم، دو باب ہے

ناشر ☆ اقلیم نعت۔ ای۔ ۲۵ ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیزہ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۷۸۵۰

افسراہ پوری کی نعتوں میں کتنے ہی رنگ مل کر ایک ہو گئے ہیں لیکن ان کی شاعری
کا سب سے نمایاں پہلو سرور کائنات ﷺ سے ان کا ذاتی تعلق اور اس کا
اظہار ہے۔ (سید ابوالخیر کشفی)

ممتاز و معروف شاعر افسراہ پوری کا مجموعہ حمد و نعت

طور سے دراتک

شائع ہو گیا ہے.....○☆○..... قیمت دو سو روپے

ناشر ☆ افسراہ پوری میموریل اکادمی۔ ایل ۲۹ سیکٹر ۵ یو بلال ٹاؤن شمالی کراچی

زندگی بر تقسیم کیا جائے تو شاعری کو ان کی حیات کا صرف ایک سال ملتا ہے اور چونکہ اردو شاعری بہ نسبت عربی و فارسی کے مقدار میں زیادہ ہے۔ لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے صرف چھ ماہ کا حصہ ملا۔

اب ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے محسن و رزنا کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا۔ ان دونوں کے جذبہ عشق رسول کی حدت و شدت و التباب و ارتعاش کو ناپنے کی کوشش البتہ نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ دونوں بہر حال عاشق رسول^۱ تھے۔ البتہ اشعار یا دوسرے امور خود بخود اس بات کی وضاحت کر دیں گے کہ کس کے ہاں اس عشق رسالت مآب کی تب و تاب اور توانائی زیادہ ہے۔

نعت نگاری کے جائزے میں یہ بات بھی دیکھنی ضروری ہوتی ہے کہ آیا کام دائرہ شریعت میں ہے یا اس سے باہر ہے۔ اس کے بعد علمی، ادبی اور فنی محاسن کا نمبر آتا ہے۔ اب علمی، ادبی اور فنی محاسن کی روشنی میں محسن اور رزنا کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) سراپا نگاری : محسن کا کوروی کے دو سراپا بہت ہی مشہور ہیں۔

(الف) سراپائے رسول اکرم (مسدس میں) (ب) مثنوی چراغ کعبہ

امام احمد رضا نے التزام کے ساتھ ایک سراپا قصیدہ سلامیہ میں رقم کیا ہے۔ البتہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف و رخ، چشم و لب اور قد و قامت وغیرہ کا بیان مختلف نعتیہ غزلوں میں متفرق اشعار کی شکل میں بیان کیا ہے۔

جناب محسن کے پہلے سراپا ”سراپائے رسول اکرم“ کی طرف ناقدین نے خاص توجہ نہیں دی ہے۔ دراصل رنایات لفظی، صنعت کرمی اور تلمیحات و اقتباسات کے زیادہ استعمال اور رچاؤ نے مضامین کو کجنگ کر دیا ہے اور سراپا کا حسن کچھ سے کچھ ہو کر رہ گیا ہے۔ البتہ یہ مسدس محسن کی مناعی اور قوت شاعری کا نمونہ ضرور مانی گئی ہے۔

محسن نے ”مثنوی چراغ کعبہ“ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سراپا رقم کیا ہے اس میں زبان و بیان میں ملامت بھی ہے اور مضمون آفرینی بھی۔ البتہ شرعی اعتبار سے چند اشعار قابل گرفت ہیں۔ ملا

حکمت ہوں: حقاً کہ وہ جسم سر سے تاپا
ہے شاہد غیب کا سراپا
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم
آئینہ بنا کے قد آدم
کمپنی بکمال حسن تدبیر
نقاش ازل نے اپنی تصور

قیوں شعروں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے جلوہ حق کہنے کے خدا کی تصویر اور اس کی شبیہ کہا ہے جب کہ خدا جسم شبیہ اور تصویر و سراپا سے پاک ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "من رانی راء الحق" فرمایا ہے یعنی جس نے مجھ کو دیکھا حق کا جلوہ دیکھا نہ کہ خدا ہی کو دیکھا۔

ابرو، چشم، گیسو اور جبیں کی تعریف خوب ہیں۔ تشبیہات خوبصورت ہیں اور حوالہ جات بجا و درست۔ البتہ اس شعر میں شرعی خطا موجود ہے

خلوت گمہ کبریا کو دیکھا آنکھوں کی قسم خدا کو دیکھا

کلیات محسن کے حاشے میں ۱۴۳ پر اس شعر کے لیے اشارہ رقم ہے۔ "حضرت کی آنکھیں خلوت گمہ کبریا ہیں۔ جس نے ان کو دیکھا۔ خدا کو دیکھا۔"

اولاً "تو" خلوت گمہ کبریا "ی قابل گرفت ہے۔ اس لیے کہ خدا مکان سے پاک ہے اور اگر تاویل کر کے "جلوہ گمہ کبریا" مان لیا جائے تب بھی ان چشمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار..... دراصل دیدار رب نہیں۔ قسم علاوہ خدا کے کسی اور کی کھانا جائز نہیں۔ البتہ علاوہ انسان کے کوئی اور غیر خدا کی قسم کھائے تو جائز ہے۔ جیسا کہ امام احمد رضا نے لکھا ہے۔

یہی کہتی ہیں بلبل باغ جہاں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں بند میں وامف شاہ ہدی تجھے شوخی طبع "رضا" کی قسم
امام احمد رضا نے محسن والے مضمون کو اس طرح پیش فرمایا ہے۔

بے جلوہ گمہ نور الہی وہ رو
توسین کے مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں سبزہ مرگاں کے قریب
چہرے میں فضا لا مکاں میں آہو

اور دوسرے مقام پر اس طرح فرماتے ہیں۔

سر نکس آنکھیں حرم حق کے وہ مشکیں غزال
بے فضا لا مکاں تک جن کا رونا نور کا

شرعی گرفت سے مبرا اور حسن و تاثیر سے پر ہیں یہ اشعار رضا۔ فرق اہل نظر پر خوب واضح ہے۔
رضا نے سلام میں جو سراپا رقم کیا ہے اس کا یہ شعر دیکھئے۔ قرآنی حوالہ سے لکھتے ہیں۔

معنی قد رانی مقصد ما طعی
فرمیں باغ قدرت پہ لاکھوں سلام

ملاست زبان دیان اور معنی آفرینی دونوں موجود ہیں۔

محسن کے مزید اشعار ملاحظہ کریں۔

اسرار دین میں دن منزل

اور حائل وحی ریش مرسل
 احباب میں لب مسیح تقریر
 اعداء میں لیے کلیم شمشیر
 کیا ذکر تبسم نہیں ہے
 گل کی گلشن میں جو ہنسی ہے
 کانوں کی سنی ہے کیا روایت
 جو سرد ہے قطب کی ولایت
 جو ہر کا بھرا ہوا خزینہ
 آئینہ بے مثال سینہ
 اسرار نہ آسماں نظر میں
 ڈوبے ہوئے ہفت بحر و بر میں
 اس گردن صاف کی بلندی
 تکبیر فریضہ سحر کی

نعم ہیئت کی اصطلاحات، قطب شمالی و جنوبی وغیرہ کا استعمال، رعایت لفظی کے ذریعہ پھیلائے گئے۔ خیال میں لطف زبان اور سحر طرازی بیان موجود ہے۔ مگر اصلیت کی چمک اور اثر پذیری کم ہے۔ "اسرار دہن میں وحی منزل، احباب میں لب مسیح تقریر" وغیرہ کہنے میں جدت و ندرت اور فکر کی رفعت تمام و کمال موجود ہیں۔ لیکن جو تقریر احباب میں لب مسیح کی طرح حیات بخش ہے، وہی اعداء میں کلیم کی شمشیر ہے۔ یعنی کاٹ دار تقریر یا مانند دعا۔ برقرار! جب کہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں سے بھی سخت کلامی کارناما نہیں کیا اور نہ ہی ان کے لیے بددعا کی۔ اب دہن، ریش اور لب و انداء کی سرکوبی کے متعلق رضا کے اشعار ملاحظہ کریں

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
 چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
 خط کی گرد دہن وہ دل آرا بچہن
 سبزہ نسر رحمت پہ لاکھوں سلام
 ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
 ہالہ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام
 ہے لب میسٰی سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
 سگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ابر نیماں مومنوں کو تیغ عیاں کفر پر
 جع ہیں شان بے مانی و جلالی ہاتھ میں
 دہن کے متعلق شعر میں محسن و رضا کا انداز ملتا جلتا ہے مگر دہن کو ہشتم علم و حکمت کہہ کر جو بات
 رضائے پیدا کردی وہ محسن کے ہاں نہیں ملتی۔

ریش مبارک کو ریش دل کا مرہم اور ماہ اندرت کا بالہ کہنے میں "رضا" کی قوت شاعری کا اظہار ہوتا
 ہے۔ لیکن ریش سے متعلق جو دو سرا شعر رضائے کہا ہے "اس میں جو ندرت اور معنی آفرینی ہے" اس کی
 مثال نہ محسن کے ہاں ملتی ہے نہ ہی کسی اور شاعر کے یہاں۔

اس شعر میں حضور کی صورت کے ساتھ ساتھ میرت کا بھی بیان ہے۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم اس
 کی تشریح کرتے ہوئے رضا بریلوی کی شاعرانہ عظمت کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

"ایک شعر پڑھتے ہوں، میں دغوں سے کتا ہوں کہ آپ نے کسی زبان کی شاعری میں سرکار ختمی
 مرتبت کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہو گی۔ ذرا تصور کیجئے۔ ایک نمر ہے۔ اس کے ارد گرد ہنر
 ہے۔ اس ہنر سے نمر کا حسن دو بالا ہو گیا ہے۔ نمر عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں۔ آپ کے دہن
 مبارک کو نمر رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن القدس سے موجزن ہے۔

یہ دہن القدس یہ نمر رحمت کہ سخرائے میں پتھروں کی بارش ہوئی۔ سر مبارک سے خون بہا، نعلین
 مبارک تک کیا مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے ہوئے عرض کیا "اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما کہ یہ لوگ
 نہیں جانتے، ظلم نہیں رکھتے۔" تو اس دہن اور اس کو نمر رحمت کہا اور ریش مبارک کیا ہے۔ اس
 دریاے رحمت کے گرد اٹھانے والا ہنر جس نے نمر رحمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اب شعر ملاحظہ
 فرمائیے۔

ظن کی گرد دہن وہ دل آرا پہن

ہنر نہ رحمت پہ لاکھوں سلام

سر مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کے لب جلی بخش سے متعلق بھی رضا اور محسن کے اشعار میں فرق واضح
 ہے۔ سر مبارک صلی اللہ علیہ وسلم نے امدادی سرکوبی کی ہے۔ میدان جماد میں وہ بھی جب کہ کفار گناہ بمسم
 بن گئے اور انسانیت کے لیے ہمارے تئیں تب رضا بریلوی اور ہمیں اشارہ کرتے ہیں اور سرکار کی بے مانی و
 ہولی شان کا اظہار کرتے ہیں۔ (شعر نمبر ۵)

تجسم سے متعلق رضا کہتے ہیں۔

ہنس کی نیکی سے راتے ہوئے ہنس پڑیں

اس تجسم کی حالت پہ لاکھوں سلام

یہ ایک متنازعہ و امانہ پیشکش کے ساتھ ختم ہے۔

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
رضا اور محسن کا مضمون قریب قریب ایک ہے لیکن جو والمانہ پن رضا کے ہاں ہے وہ محسن کے
یہاں نہیں۔

اس گردن صاف کی بلندی..... تکبیر فریضہ سحر کی

محسن کا یہ شعر صنعت گری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

رعنائی قامت مناسب + روزے میں اذان وقت مغرب

بہت خوبصورت شعر ہے۔ رمزیت میں اشاریت اور اشاریت میں رمزیت ہے۔

اب رضا کے اشعار دیکھیں۔

ترا قد تو تاور دہر ہے، کوئی مثل ہو تو مثال دے

نہیں پھولوں کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چٹاں نہیں

طاہران قدس جس کی ہیں قمریاں

اس سہی سرو قامت سپہ لاکھوں سلام

قامت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہی سرو کہہ کر اور فرشتوں کو طاہران قدس اور پھر اس سہی سرو کی

قمریاں کہہ کر فنی نزاکتوں کا اظہار کیا ہے اور شاعرانہ حسن بھر دیا ہے۔

محسن کے ہاں اسی طرح دست، انگشت، صورت وغیرہ کی تعریف ہے اور پھر حسن رسول اور حسن یوسف

کا قائل بھی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

حاضر تھے مہ منیر کنعاں

فرزند جوان پیر کنعاں

گل جن کے تھے مصر کے چمن میں

کانے کنعاں کے پیر ہن میں

یعقوب تھے جن کے تاز بردار

تھا جن کا دلوں میں گرم بازار

آنکھوں میں سبائی تھی وہ بجلی

جو خواب میں تھی کبھی نہ دیکھی

یوسف ہوئے جان و دل سے شیدا

منہ دیکھ کے رو گئی زلیخا

یہ تالیفات اشعار رواں دواں ہیں 'مناعی کا اعلیٰ نمونہ بھی ہیں مگر اصلیت سے ایک دم قریب نہیں

ہیں۔ معراج میں سب انبیاء موجود تھے۔ یوسف علیہ السلام سے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ وہ حسن حضور دیکھ کر شیدا ہو گئے لیکن وہاں غیر نبی کا گزر کہاں تھا اور اس طرح حضرت زینا کہاں موجود تھیں جو وہ منہ دیکھ کر رو گئیں۔

اب اس قبیل کے جناب رضا کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

حسن یوسف پہ کشیں مصر میں انکشت زناں
سر کھاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب
کوچ کوچے میں مسکتی ہے یہاں بوئے قیص
یوسفستان ہے ہر گوشہ کھان عرب

یوسفستان اور گوشہ کھان عرب کی ترکیب میں کیسی جدت و غدرت ہے!

امام احمد رضا نے معنی اشعار کی شکل میں بھی نئی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال، صورت، زلف، رخسار اور چشم وغیرہ کا شاعرانہ مکر محیی روایات اور حوالہ جات کے ساتھ والمانہ بیان کیا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسو، عارض اور ایزدوں کی تعریف میں علیحدہ علیحدہ فقرے بھی لکھے ہیں جو مضمون آفرینی، پیکر آرائی، تصانیات اور دیگر ادبی خاص سے پر ہیں۔ صرف تین مطلع دیکھیں۔

ہنم طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بیہ کر چمن ناز پہ دارے گیسو
عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایزدیاں
مرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایزدیاں
بار دلف کو چمن کر دے بہار عارض
قلت حشر کو دن کر دے نہار عارض

محسن اور رشتہ اپنے اپنے انداز سے سراپا نگاری کی ہے لیکن رشتہ کے یہاں مضامین کی وسعت اور رنگارنگی روایات کی صداقت، معنیت کی تہذیبی سلاست، زبان و بیان بدرجہ اتم موجود ہیں۔ محسن نے مشہوری کے افسانہ میں واقعہ معراج کا تفصیلی بیان بھی کیا ہے لیکن اپنے مخصوص انداز بیان سے جی ہوئی تصویراتی دایوں میں ڈھال دیا ہے۔ وہ فکر کا پورا زور لفظوں کی تراش و تراش اور تشبیہات و استعارات کی تراش پر صرف کرتے ہیں جس کے سبب بیان کا آرائشی حسن تو ہوتا ہے لیکن نفس مضمون کی سادگی کے پیش نظر محال میں روپوش ہو جاتی ہے۔ انہوں نے رات کی جو مٹھ گئی کی ہے، اس نے اسے پر ہزار ہمسایہ رات میں ڈھال دیا ہے۔ لکھن کے ماننے سے مضامین وہ حسین اور خواب گوں تو ہے لیکن اہمیت و عظمت سے قیہ تر نہیں ہے اور نہ ہی لمحہ غریہ مٹا کر کے انہاں کو بیدار کر سکتی ہے۔

محسن کی تشبیہات و استعارات کے بہتے میں بڑا کمال حاصل ہے۔ لیکن ایک مقام پر یہ نازک آئینہ

ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے۔ شب معراج کی منظر کشی میں فرماتے ہیں۔

انجم کا یہ آسماں میں نقشہ

سوسن کی زمین میں بنفشہ

سوسن کی زمین تو سمجھ میں آتی ہے لیکن انجم کا بنفشہ سے تعلق عقل میں نہیں آتا۔ فکر محسن جب آسمانوں کی سیر سے کامیابی سے گزر کر مقام اعلیٰ پر پہنچتی ہے تو بے اختیاری میں دست فکر سے دامن احتیاط چھوٹ جاتا ہے۔

ذات احمد تھی یا خدا تھا

سایہ کیا میم تک جدا تھا

عرشاں کے مقام کی کریں سیر

دیکھیں کہ صفت عین ہے یا غیر

کیا ہو گئے حد سے پڑھنے والے

مجھ سے میں درود پڑھنے والے

رضا بریلوی کا قصیدہ معراجیہ جس کا عنوان ہے ”تہنیت شادی اسری“ خطابیہ قصیدہ ہے اور شب معراج کا تہنیت نامہ ہے۔ مطلع اس طرح ہے۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

نئے نرالے طرب کے سماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اب دیگر اشعار ملاحظہ کریں۔

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی بچی تھیں دھو میں

ادھر سے انوار بہتے آئے ادھر سے نعمات اٹھ رہے تھے

وہ جوت پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی پھیلی

وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نئی دلہن کی پہن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا

تجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے

وہ نغمہ نعت کا سماں تھا حرم کو خود و جد آرہے تھے

وہ جمہور میزاب زر کا جمہور کہ آرہا کان پر ڈھلک کر

پہوہار بری تو موتی جہز کر طہیم کی گود میں بھرے تھے

دلہن کی خوشبو سے مت کپڑے نسیم مستان آنچلوں کے

غلاف مٹکی جو اڑ رہا تھا، غزال ٹانے با رہے تھے
 ہاڑیوں کا وہ حسن ترکیں وہ اونچی چوٹی و ناز و نمکس
 مہا کے سبزے سے لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
 نما کے نہروں نے وہ دمکا لباس آب رواں کا پہنا
 کہ موہیں چھڑیاں تھیں دھار لپکا حجاب تاباں کے تھل نکلے تھے
 پرائے پر داغ لگایا تھا اٹھا دیا فرش چاندنی کا
 ہجوم تارنگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

رضاکہ یہ منظر کشی کس قدر فطری ہے۔ تخیل کی پرواز کا انداز حد درجہ سنبھلا ہوا اور متوازن ہے۔
 جو تھل بولے بجائے گئے ہیں۔ ان میں مقامی بوباس ہے اور اس طرح ان کی ایجری میں ملکی رنگ نمایاں
 ہے جو اردو شاعری کا اپنا مزاج ہے۔

یہ نظم موسیقیت اور شاعرانہ نکتہ سنجی کا مرقع ہے۔ باوجود مہجر عالم دین ہونے کے رمضان کمال قرب
 کے ذکر میں قرآن و احادیث کے الفاظ کے استعمال یا اقتباسات کے بجائے ریاضی کی اصطلاحات پر مبنی شعر
 کے ہیں تاکہ اس نازک مضمون کو نبھا بھی سکیں اور شری پاس و قار بھی برقرار رہے اور قارئین کو معانی
 کی بحول۔ علیوں میں گم نہ کر کے ان کے اذہان میں مضمون میں با آسانی اتار بھی سکیں۔

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
 کائنات حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
 کمان امکاں کے بجوئے نقطہ تم اول آخر کے پھیر میں ہو
 محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے؟
 محسن کی "مثنوی صبح جلی" میں سرکار خدی تب ملی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا ذکر بہت حسین
 اور شاعرانہ انداز میں کیا گیا ہے

بیضادی صبح کا بیاں ہے تفسیر کتاب آسمان ہے
 بزم ہے کنار آب جو پر یا فخر ہے مستعد وضو پر
 فنون میں خاموشی کا عالم یا صوم سکوت میں ہے مریم

ذیاد اشعار میں منظر کشی اور مصوری کا مروج کمال ظاہر ہے۔ تشبیہات و استعارات نہایت متحرک
 اور کیف آور ہیں اور الفاظ میں بیاں و آب و تاب ہے۔ البتہ بزم کو فخر سے اور فخر کو مریم سے تشبیہ دینا
 قصداً نامناسب ہے۔ مگر فخر علیہ السلام نمایاں اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا ایک اولوالعزم رسول
 کی تشبیہ ہے۔

مقام و زمانے سے لے کر ولادت مبارکہ پر کوئی تفصیلی نظم نہیں لکھی ہے۔ البتہ مختلف نعتوں میں

یہ مضمون ضرور ملتا ہے۔ محسن کی منظر نگاری اور علم بیان کی آرائش و زیبائش کے تقابل سے کلام رضا میں اس طرح کی منظر کشی کے عناصر زیادہ ہیں اور جذبات نگاری میں ان کے خامہ کا کمال لائق دید ہوتا ہے

شب اسریٰ قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر
 بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیر منازل کا
 ٹپکتا رنگ جنوں عشق شے میں ہر گل سے
 رنگ بہار کو نشتر رسیدہ ہوتا تھا
 جس سانی گھڑی چکا طیبہ کا چاند
 اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
 بھینی سانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
 کلیاں کلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے!
 اجابت کا سرا عنایت کا جوڑا
 دلہن بن کے نکلی دعائے محمدؐ
 اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
 بڑمی ناز سے جب دعائے محمدؐ
 ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں
 ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل
 وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
 تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
 جنبش ہوئی کس مہر کی انگلی کو "رضا"
 کلی سی گری شیشہ سے ٹوٹ گیا
 بیدارغ لالہ یا قمر بے کلف کون
 بے غار کلبن چمن آرام کون تجھے
 تاب مراۃ بحر گرد بیابان عرب

نازہ روئے قر ترو چرخان عرب
 مد مشکل کشائی کے چمکے ہلال
 بانوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام
 یہ شام مدینہ نہ سمجھتا اے دل
 آہ دل عاشق کا دھواں چھایا ہے
 بزم شائے زلف میں میری عروس فکر کو
 ساری بار بہشت غلہ چھوٹا سا عطردان ہے

محسن کے کلام کا سب سے خوبصورت نمونہ اور ان کا شہکار ہے۔ قصیدہ لامیہ - (مدح خیر المرسلین)
 اس قصیدہ کی تمہید محسن کے فکر و تخیل کی رفعت اور شعری توانائی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس قصیدہ کی دو
 فراموش جو قصیدہ کی معنوی فضا سے پوری طرح مربوط ہیں اور اس کا جزو نظر آتی ہیں۔ بلاشبہ نعت خالص کا
 پاکیزہ پیکر ہیں

گل خوش رنگ رسول منی العربی زینب دامان ابد طرہ دستار ازل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل

میرے ایمان مفصل کا یہی ہی مجمل

امام احمد رضا کا قصیدہ سلامیہ اور قصیدہ درودیہ پورا کا پورا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح
 سراہی پر ہے۔ ان کے علاوہ غزلیات میں بھی خوب صورت نمونے ہیں۔ رضا کی وہ نعت جو صنعت طبع
 (چار زبانوں میں ہے) جس کے ہر مصرع کا پہلا کھواہی دو سراقاری اور مصرع ثانی کا پہلا نکڑا ہندی اور
 دوسرا اردو میں ہے۔ نعت خالص کی منفرد فرم ہے۔ مطلع اس طرح ہے

لم یات نظیرک فی نظر مثل نو نہ شد پیدا جاننا

بکراج کو تاج تورتے سر سے تھے کو شہ دوسرا جانا

ایک فن محسن کے قلم میں دو نعتیہ فراموش کے چند اشعار پیش ہیں

س تا بہتم ہے تن سلطان زمن پھول

لب پھول، دہن پھول، زقن پھول، بدن پھول

صدق میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول

اس فہم دل کو بھی تو انعام ہو کر بن پھول

نہ نہ مل جائے مرے مکی کا پیوند

لے نہ بھی ملے نہ ہم چاہت دین چہا

یہ پوری غزل ایک لفظ ”پھول“ سے مختلف مضامین پیدا کرنے کا بے مثل نمونہ بھی ہے۔ پھول سے اس غزل میں حقیقی پھول، ہلکا، گھمنڈ، کرن پھول یعنی زیور وغیرہ معانی پیدا کیے گئے ہیں۔ مقطع بھی بہت جاندار ہے۔

کیا بات ”رضا“ اس چمنستان کرم کی
زہراؑ ہے کلی جس میں حسینؑ اور حسنؑ پھول

دوسری غزل کا مطلع اور چند اشعار حسب ذیل ہیں

ہے کلام الہی میں شمس و منیٰ ترے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کے زلف دو تا کی قسم

ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم
اس طرح یہ غزل جس کا مطلع ہے

سرور کوں یا مالک و مولیٰ کوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کوں تجھے

حضرت رضا بریلوی کا سارا دیوان نبی کریم کی بے مثال عظمت و رفعت اور محبت و عقیدت کے پر
کیفِ نعموں سے بھرا پڑا ہے۔ صرف تین اشعار مزید پیش ہیں

نہ رکھا گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا بآئی
چکلا پھر کہاں فچہ کوئی باغِ رسالت کا

انہیں کی بومایہ سخن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشنِ مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

کلامِ محسن میں ناقدین نے جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب

(۲) پاکیزہ اور تازہ کار تشبیہات و استعارات

(۳) تسمیات اور حسنِ تعلیل کا وقار اور حسن (۴) منظر نگاری

بالا شبہ مندرجہ بالا اوصاف کلامِ محسن میں موجود ہیں لیکن امام احمد رضا کے یہاں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں اور بدرجہ اتم موجود ہیں۔

تشریف و استعارہ، تمبیحات اور حسنِ قلیل کے موازنہ کے سلسلے میں کلامِ رخصت سے اشعار پیش ہیں

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی نہ نو پہ نہ اے چرخ کسن پھول

ربک مرثیہ سے کر کے نخل یاد شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کاشوں پہ عطر جمال گل

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

جنم باغ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی جی برات پہ لاکھوں سلام

روی عکاسِ دلت جیسی بانیاں شیش
گنتی کثیر زاتوں میں شام و سحر کی ہے

آب زر بنتا ہے عارض پہ ہینہ نور کا
صدفِ اجاز پہ چھتا ہے سونا نور کا

ان کے غلہ قصر سے غلہ ایک کمرہ نور کا
سدرہ پائیں باغ میں نھا سا پودا نور کا

ک کیو نہ دہن ی ایہ آئیں ع م
کھیمبر سے ہے ان کا چہرہ نور کا

کیو نہ قد لام اتف کرد و بلا حصر
لا کے تر تہج لام تم پہ کردوں دود

یا رب ہوا بھرا ہے داغ بکر کا باغ
میں سے بار بار ہر سال سال گل

مکھو زلف رخ چہرے سے بالوں میں شعاع
سجھو ہے طلب زلف و تار عارض

حک ما زلف و نور انفل روئے حضور
نہ لہ طلب صیب و تار دامن

عرش سے مرثوہ بلیقہ شفاعت لایا
طاؤرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمان عرب

میل سے کس درجہ سترا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

میں ترے ہاتھوں کے مددے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعہ منہ پھر کیا
زبان خار کس کس درد سے ان کو ستاتی ہے
ترپنا دشتِ طیبہ میں جگر افکارِ فرقت کا

ہلال کیسے نہ بنا کہ ماہِ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہوتا تھا

سبزہ گردوں جھکا تھا بہرِ پا بوسِ براق
پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
عبدِ شکر کا کرتے ہیں اشارے گیسو

ہر اک دیوار و در پر مرنے کی پے جیں سائی
نگارِ مسجدِ اقدس میں کیا سونے کا پانی ہے

جس نے بیت کی بہارِ حسن پر قراں رہا
ہیں لکیریں نقشِ تغیرِ جمالی ہاتھ میں

منچے ما اوجی کے جو چٹکے دنیا کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

تیری مرضی پا کیا سورج پھرا اگلے قدم
تیری انگلی اٹھ مٹی کا کلیجہ چھ گیا

کلامِ رضا میں عام فہم اور ادق عالمانہ..... دونوں طرح کی تفسیحات موجود ہیں۔ صنعتِ تبلیغ اور اقتباسات یعنی قرآن و احادیث کے حوالے بکثرت ہیں بلکہ ہر شعر ان پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ کلامِ رضا

رضا خان صاحب بریلوی کی شاعری کو ملا، کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کے ہم عمروں میں محسن کا کوروی کا نام یقیناً "ایسا ہے جن کا معیار نعت گوئی کم و بیش وہی ہے جو رضا بریلوی کی نعتوں کا ہے لیکن محسن کا کوروی کے مجموعہ نعت میں سے صرف ایک قصیدہ لامیہ اور ایک "مثنوی صبح تجلی" ہی کو مقبولیت حاصل ہو سکی ہے۔"

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں "تجربہ علمی، زور بیان اور وابستگی و عقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں مکمل مل گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتا۔"

اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی نے..... ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دستان کی تشکیل ہوئی۔

فرمان فتح پوری اور ریاض مجید کی آراء سے ظاہر ہے کہ امام احمد رضا کا پورا پورا کلام ادبی، فنی، فکری، علمی اور شعری اعتبار سے گرانقدر اور مقبول ہے جب کہ محسن کے یہاں یہ گرانقدری اور قبولیت جزوی طور پر ہے۔ نعت کی تاریخ میں از ابتداء تا دور رضا بلکہ تا عصر حاضر، نعت کی ترویج و اشاعت، اس کو ادبی و علمی مقام عطا کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ امام احمد رضا کا ہے اور چرخ نعت گوئی پر ان کی حیثیت آفتاب عالم تاب کی مانند ہے۔ جب کہ دوسرے نعت نگار ماہتاب و نجوم کی مثل ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

ہم

نعت رنگ کی اشاعت پر دلی مبارکباد

پیش کرتے ہیں

اتحاد بلڈرز

فون نمبر ۳۹۶۰۵۳۹

بانگ درا کی نعتیہ کتاب

پروفیسر محمد اقبال جادوید

بانگ درا ۱۹۲۳ء میں شائع ہونے والا 'اقبال' کا وہ پہلا اردو مجموعہ کلام ہے جس نے اقبال کو عوام الناس میں متعارف بھی کرایا اور ان کے پیغام کی عظمت و رفعت کے لیے اساسی حیثیت کا کام بھی دیا۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر شعر اقبال کا رفیع الشان قعر وجود میں آیا۔ اس میں نظمیں زیادہ اور غزلیں کم ہیں۔ لسانی شکوہ، اہل نظر اور تماشا کی ہر دو کے لیے معتبر دلاویزیوں کا حامل ہے۔ اس کتاب میں پیغام اقبال، اس شاہین کے مانند ہے جو اپنے نشین میں مقیم اور پرواز کے لیے بے چین ہو، اور اس کی نگاہ دور بہت دور اتفاق کی لافانی وسعتوں پر لگی ہوئی ہو، یا پھر اس دیو کی طرح جو انگڑائی لیا چاہتا ہو۔ بانگ درا میں وطن دوستی کا رنگ بھی ہے اور غیر مسلم شخصیات کی مداحی بھی، داغ کی ششکی زبان بھی ہے اور امیر کا رنگ تغزل بھی۔ انگریزی شعر و ادب سے استفادہ بھی موجود ہے اور منظر نگاری کے دلکش نمونے بھی۔ البتہ خیالات کی گہرائی اور فکر کی بنیاد کے مقابلے میں مشاہدے کی گہرائی اور اسلوب واداکاری رعنائی نمایاں ہے۔ اس میں وہ نظمیں بھی ہیں جو زبان کے اعتبار سے آسان ہیں اور جنہیں بچوں کے ادب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ گویا ابتدائی نوعیت کے اس کلام میں فکری اعتبار سے وہ چٹکی نہیں ہے جو بعد میں اقبال کا طرہ امتیاز بنی، اس میں مشاہداتی نظموں کی بھرمار ہے جب کہ ضرب کلیم میں اس نوع کی کوئی نظم بھی نظر نہیں آتی اور نہ الفاظ و تراکیب کا کوئی ایسا شکوہ دکھائی دیتا ہے۔ وہاں فکر کی عظمت غالب ہے اور زبان واداکاری ہو کر رہ گئی ہیں اور شاعر اقبال، حکیم الامت کی مفکرانہ شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اقبال کے اپنے الفاظ میں "بانگ درا کی بیشتر نظمیں میرے طالب علمی کے زمانہ کی ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مسلمان دل کا سرمایہ ایمان ہے۔ مولا کریم نے اقبال کو اس سائے سے ہمہ وا فرمایا کیا تھا۔ اور یہ اس کریم کا کریم خاص بھی ہے اور بڑے نصیب کی بات بھی

ہم حق مشتق احمد بند گان چیدہ خود را

ہم خاصاں نی ہمد ش بادہ نوشیدہ خود را

گو بانگ درا اقبال کی ابتدائی کلام ہے مگر اس میں بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا ہے اقبال کا نظم آنسوؤں کے گہر ہلکانے کے ساتھ ساتھ محبت کے پھل برسانے کے لیے بھی ہے

چہن نظر آتا ہے۔ نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ بھی ہے اور ان کی ذاتی پسندیدگیوں کا شعری بیان بھی۔ یہ پسند اشتیاق سے لیکر اعمال تک اور مقامات سے لیکر آثار تک پھیلی ہوئی ہے۔ نعت گو کا قلم ان خوش نصیب اصحاب کے حضور میں بھی سجدہ نیاز پیش کرتا ہے۔ جنہوں نے انوار رسالت کو چشم سر سے دیکھا۔ وہ ان فضاؤں کو بھی سلام کہتا ہے، جن میں ممدوح کے سانسوں کی مک رکچی ہوئی ہے۔ وہ ریت کے ان ذروں کو بھی اپنی بیگی ہوئی پلکوں سے چومتا ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خرام ناز کی وجہ سے ریشم کا لوچ عطا ہو چکا ہے۔

جاوید ہمیں باش بایں نعت دبایں وصف
پاکیزہ پاکیزہ با خلاق و پسندیدہ بہ افعال
وصغش ہمہ تقدیس زیہوند و زفرزند
نقش ہمہ تزیہ زامثال و ز اقوال

نعت کی اس تعریف کی روشنی میں، بانگ درا کی نعتیہ رنگ و آہنگ کی ایک اجمالی کیفیت یوں ہے۔
بلالؓ بانگ درا کی ۳۷ ویں اور اس اعتبار سے پہلی نظم ہے کہ اس میں نعت کا رنگ بھی ہے اور بلالؓ کے پردے میں خود اقبال کے اپنے دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور نگاہوں کی تمنائیں بھی شعر کے پیرہن میں انوار بکھیرتی محسوس ہوتی ہیں۔ یہ نظم ۱۹۰۴ء میں مخزن میں شائع ہوئی تھی۔ بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ ان کے مالک کا نام امیہ بن خلف تھا۔ بلالؓ قبول اسلام میں سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ اس بنا پر وہ ناقابل برداشت ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ حتیٰ ریت اور جلنے سگریزوں پر گھسیٹے گئے، دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے، لوہے کی زرہ پہنا کر سورج کی آتشیں کرنوں میں بٹھائے گئے، مگر ان کی زبان "احد" "احد" کے ترانے الاپتی رہی۔ جرم کتنا حسین ہے اور سزا کتنی دردناک، اور مقصود کتنا ارفع و اعلیٰ۔

اس جرم میں پہنچے ہیں سردار کہ ہم لوگ
اس قامت زیبا کو بھلا کیوں نہیں دیتے

حضرت ابو بکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا جبکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم خریداری میں شمولیت کی آرزو فرمائی۔ اسلام کے پہلے مؤذن بلالؓ ہی تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہی کی زبان سے کعبے کی چھت پر توحید کا نغمہ گونجا، حضرت عمرؓ کے مڑنے کے زمانے میں شام کی طرف، جہاد کی غرض سے گئے ۲۰ء میں دمشق کے مقام پر فوت ہوئے۔ حضرت عمرؓ، حضرت بلالؓ کو "سیدنا" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ قلبی تعلق اور روحانی نسب بھی کتنی عظیم نعت ہے، استوار ہو جائے تو زندگی مقصود مرد و ماہ بن جاتی ہے، کٹ

جا۔ تُو در بدر بے آبرو ہو کر رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔ اس لطم کا عنوان بظاہر بلالؓ ہے مگر حقیقتاً "اس لطم کا ہر شعر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاب و تب لیے ہوئے ہے۔۔۔۔۔ اقبال اپنے مکاتیب میں شعر کی در باری سے بہت ہی کم کام لیتے ہیں مگر انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں اس لطم کے آخری شعر کو ان الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے۔

"میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں۔ مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرونِ ادلی کی سیر مگر خیال کھینچے جس زمانے کی تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہوگا۔

خوشا وہ عہد کہ میثرب مقام تھا اس کا

خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا

یہ لطم بتاتی ہے کہ کسی وجودِ رعنہ کے عشق میں ہونے والا ستم، لطف و راحت کی تمہید ہوا کرتا ہے۔ عشق کے مرطے بھی عجیب ہیں اور انداز بھی نرالے۔ اولیں قرنیٰ ترستے رہے کہ رخِ خیرا بشر صلی اللہ علیہ وسلم چشم سے دیکھا بھی جاسکے گا یا نہیں، وہ کاسہ ہائے چشم کو شفاف بنانے ہی میں شہید ہو گئے۔ بلالؓ جی بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے باوجود دیکھتے ہی رہے کہ انہیں دیکھنا عین عبادت تھا اور عبادت بھی ایسی جس سے دل کبھی سیر نہ ہو۔۔۔۔۔ عادت، عبادت ہو جائے تو سراپا کیف ہو جاتی ہے مگر عبادت، عادت بن جائے تو لطفِ نیاز کھو دیتی ہے۔ لمحات دید میں حسرت دید قائم رہے تو شوقِ جوان رہتا ہے بلالؓ کی نگاہیں رخِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چل چل کر "نمازِ نیاز" ادا کیا کرتی تھیں۔ ان کی اذانِ عشق کا ترانہ تھی اور ان کی آواز، قلبِ رسالتِ آب کے لیے موجبِ فرحت

وہ آسمان نہ چھتا تھی سے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
منہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا بھی طور تھا گویا
اوائے دید سراپا نیاز تھی کسی کو دیکھتے رہتا نماز تھی تیری
اذانِ ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
اس لطم میں جہاں لفظی شکوہ اور قلبی تکیبائی کا ایک حسین امتزاج ہے وہاں فنی حسن بھی
تجسیمات کی شکل میں موجود ہے۔

نظر تھی صورت سلمانؑ ادا شناس تری شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجے نکارے کا مثل کلیم سودا تھا اویسؑ طاقت دیدار کو ترستا تھا
گری وہ برق تری جان نا شکلبا پر کہ خندہ زن تری خلعت تھی دست موسیٰؑ پر
عشق کی برق آشامی نے بلالؑ کی سیاہ فامی کو، موسیٰؑ کے ید بیضا کے لیے وجہ رشک بنا دیا تھا، مدینہ انوار
کی بستی تھی! اور بلالؑ اسی طور کے کلیم تھے۔ اور ادا شناس نبوت کے لیے سلمان فارسیؑ کو بطور تشبیہ لانا
بھی چند لفظوں میں تاریخ کی وسعتوں کو سمیٹ دیتا ہے کہ سلمانؑ، ہر دنیاوی تعلق سے کٹ کر، "ابن
اسلام" ہو گئے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل بیت میں سے قرار دیا تھا۔ سلمان ساوی
کا مصرع ہے، "ع چوں محمد گفتم" "السلطان من اہل بیت"

بانگ در احصہ اول کے آخر میں دی تھی غزلوں میں سے نويس غزل جنوری ۱۹۰۴ء کے خزن میں چھپی
تھی۔ گو غزل کا ہر شعر مختلف الاحوال ہوتا ہے۔ مگر اس غزل میں فکری تسلسل اس نوع کا ہے کہ شروع
میں اللہ تعالیٰ کی منجبتوں کو پا کر خود عظیم ہو جانے کا ذکر ہے۔ درمیان میں اللہ کے ان بندوں کا تذکرہ ہے
جن کی موج نفس بجھتے ہوئے، دیوں کو روشن کر دیا کرتی ہے اور آخر میں چہ اشعار نعتیہ انداز لیے ہوئے
ہیں۔

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو کہ خورشید قیامت بھی دو تیرے خوشہ چینوں میں
سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق بھلا اے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
مجت کے لیے دل دھونڈ کوئی ٹوٹنے والا یہ وہ ہے جسے رکھتے ہیں نازک آئینوں میں
بھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے "ما عرفنا" پر ترا رجبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں
نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا بہت مدت سے چرپے ہیں ترے باریک بینوں میں
خوش اے دل، بھری مغل میں چاٹنا نہیں اچھا ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
وہ شرر جو خرمن دل کو یوں پھونک دے کہ خورشید، محشر بھی اس کا خوشہ چیں ہو جائے، جب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہی شرر، مقصد زندگی ہے۔ اور یہ محبت انہی دلوں
میں انوار برساتی ہے۔ جو سوز و گداز کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ گویا اس شرر کے حصول کے لیے
ملاحیت اور طرف لازم ہے۔ اور اقبال کا یہ کہنا نہ معلوم ان کے دل کی کس کیفیت طلب کا آئینہ دار ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حسین سے دل لگانے والا خود سراپا حسن بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس حسن
کا طواف تو خود حسن آفرین کرتا ہے۔ بقول حافظ منظر الدینؒ

جو حسن میرے پیش نظر ہے اگر اسے جلوے بھی دیکھ لیں تو طواف نظر کریں :

اور یہی وجہ ہے کہ جب اس حسین کامل کی زبان فصاحت ثار سے خالق حسن نے یہ سنا کہ ”ہم نے تجھے اس طرح نہ پہچانا جس طرح پہچانے کا حق تھا“ تو اس ارادے ناز پر وہ اس قدر پھڑک گیا کہ انہیں معراج کی شکل میں دید کی سعادت بھی عطا ہوئی اور اجمل و احسن ہونے کا شرف بھی ملا، عرفان کامل کے باوجود ”اعتراف نارسائی“ شان عبودیت بھی ہے اور شوق طلب کی بے پایانی بھی۔ اقبال یہ تمنا بھی کرتے ہیں کہ کاش، ”صل کے پرستار اس صن کا ایک جلوہ دیکھ لیں تو ان کی بصارت، بصیرت کے نور سے مستنیر ہو جائے۔ اور آخر میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضور ناز میں سکوت بولتا، آنسو چمکتے اور دھڑکنیں حال دل کھتی ہیں۔ اور ادب ہی وہ قرینہ ہے جس سے محبت بال و پر لیتی اور انتمائے عشق کو چھو کر کیما ہو جاتی ہے۔ اس غزل میں اقبال نے پہلے عاشق کا، پھر عشق کا پھر محفل محبوب کا اور پھر خود محبوب کا ذکر کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، کائنات کا مقصود اور محبت کی معراج ہے۔

کیا رمیں غزل جون ۱۹۰۳ء میں لکھی گئی۔ اس کے آخری شعر میں اقبال، غبار راہِ حجاز ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں۔

ہوا ہوا ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال اڑا کے جھکو غبارِ راہِ حجاز کرے

پروفیسر سلف سلیم چشتی کے الفاظ میں ”اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اقبال کے دل میں جوانی ہی سے کار فرما تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ حجاز نہ جاسکے لیکن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لاکھوں مسلمانوں کے محبوب ضرور بن گئے۔ اگر انہوں نے اپنے آپ کو سرکارِ دو عالم کے عشق میں ڈاکر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں زندہ جاوید کر دیا۔“

بائٹ دراکے آخر میں دینی غزلوں میں ”پہلی غزل کا پہلا شعر ہے۔

اے بادِ مہا، نکلی دالے سے جا کیو پیغام مرا قبضے سے امتِ پجاری کے، دیں بھی کیا، دنیا بھی مٹی

گویا امت نے اقبال رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑا تو دنیاوی اعتبار سے بھی ذلت اس کا مقصد مٹی تھی۔ کیونکہ

حکومت ہے فقط حفظِ حرم کا ایک ثمر

اسی طرح تیسری غزل کا چوتھا شعر بھی نعتیہ رنگ لیے ہوئے ہے

عشقِ فرمودہ سے سب کام مل وصل بھی ہی نہیں مٹی پیغام ابھی

موت و حیات کا فرق ہی اعلان ہے آئے۔ اور استغفار پہ بھی نما کہ ”موت کا چہرہ کسی جموے کا چہرہ

نہیں ہو سکا۔“ دوسری طرف ابو جہل عقل عیار کا شکار رہا اور خاسرونا مراد ہوا اور نہ سمجھ سکا
 رود آوازِ جبرِ معجزہ است

اقبال نے ۱۹۰۸ء میں میونخ (جرمنی) کے مقام پر وصال کے عنوان سے ایک نظم لکھی، گویہ نظم
 مجازی نوعیت کی ایک متغزلانہ سعی ہے۔ مگر اس سے ان کے دل کے گداز، روح کی پیاس اور نظر کی تنہا
 کا ضرور پتہ چلتا ہے۔ کہ کیسے ان کے دل کے گوشے گوشے میں آتشِ غم شرارہا رہے۔ اور اس بات کا
 اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں اقبال کا دل عشق کے جس سوز سے آتش کدہ بنا ہوا تھا۔ وہ سوز جب
 مجازی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہوا ہو گا تو پھر کیا سے کیا ہو گیا ہو گا۔ تابشِ خورشید سے تو ذرے بھی ٹکرا
 جائیں تو ماتاب ہو جاتے ہیں۔ اور جو پہلے ہی ماتاب ہو اس کے رشکِ صد طور ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا
 ہے۔ اس دور کی اس نظم کے چند شعر ہیں۔

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے مرے کھیلنے ہیں بھلیوں کے ساتھ اب نالے مرے
 غارُ اللہ سے یہ خاک یہ آئینہ ہے اور آئینے میں عکس ہم دم دیرینہ ہے
 صو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے
 یک نظر کر دی و آداب فنا آموختی اے شکِ روزے کے خاشاک مرا واسوختی
 اس دور کی ایک نظم ”پیامِ عشق“ میں اقبال، مجاز سے حقیقت، فرد سے ملت، صحرانوردی سے محفل
 آرائی، فرقہ سازی و طریق آزاری سے قوی یک جہتی تک پہنچ چکے ہیں اور جوں سے دامن بچا کر، غبارِ راہ
 مجاز ہونے کے شرف سے مشرف ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وہ فکری ارتقاء ہے جس نے اقبال
 کو نہ صرف حکیم الامت بنایا بلکہ دو قوی نظریے کی اساس کو بھی مستحکم کیا، اقبال کے جسمِ خاکی نے ۱۹۰۸ء
 میں اس دیارِ نامی سر اپنا نیاز بننے کی تمنایوں کی تھی۔

دعوتِ افراد کا مجازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت پہ یعنی آتشِ زنِ ظلم مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزاری کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامن جوں سے اپنا غبارِ راہ مجاز ہو جا

ادریوں لگتا ہے کہ انیسویں صدی کے اداسی ہی میں خالق آرزو نے اقبال کے دل میں لگن پیدا کر
 دی تھی کہ اس نے خود ترپنا بھی ہے اور ادوں کو ترپانا بھی ہے۔ اور یہ طے ہو چکا تھا کہ شعرِ اقبال نے
 عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حرارت لے کر، ایک حمد کے مرقعِ مردہ کو خونِ زندگی دینا ہے اور
 نقشِ پائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تابانیاں سمیٹ کر دلوں کی وادیوں میں نورِ بکیر بٹا ہے۔ تاریخِ شاہد

ہے کہ مارچ ۱۹۰۷ء میں اقبال نے ٹھیک کہا تھا۔

میں غمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درمائدہ کارواں کو
شر فشاں ہو گی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا
نظم بلاد اسلامیہ میں اقبال نے مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد دلانے کی ایسی سعی کی ہے جس
میں جذبہ، جنوں آفرینوں کے جلو میں اغرائی لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظم تاریخی حقائق کا ایک
شامانہ اعمار ہے اور تاریخ کا مقصود ہی یہ ہے کہ گرے ہوئے دل و دماغ ہمیشہ کے لیے گرے ہوئے نہ
ریں بلکہ وہ ابھرے، بلند ہوں اور یہاں تک بلند ہو جائیں کہ عزت کی سب سے اونچی سطح پر پہنچ جائیں۔
اس نظم میں اقبال، 'دلی' بغداد، 'قربطہ' قسطنطنیہ اور مدینہ منورہ کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ علاقے ہماری
شوکت ویرینہ کے مظہر ہیں آخری بند میں جب مدینہ منورہ کا ذکر آتا ہے تو اقبال کے دل میں چھپا ہوا نعت
کو پھل پھل کر سامنے آتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ذکر اس "خنگ شر" کا ہے جو دو عالم سے خوشتر بھی ہے
اور دو عالم کی عقیدتوں کا مرکز بھی۔ اقبال کے نزدیک یہی وہ سر زمین پاک ہے جو احساسات و کیفیات کی
جملہ شعاعوں کا نقطہ جاذب ہے۔ مدینہ منورہ کی فواہ ہے تو ہم قطراتِ جبینہ وہ مرکز ہم دائرہ۔

وہ زمیں ہے تو مکہ اسے خوابا، مصطفیٰ
خاتم ہستی میں تو نمایاں ہے مانند تمہیں
تھم میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی
ہم لیا جس کے شاہدہ عالم کے ہوئے
ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام
آہ شب ولس ہے مسلم کا تو ماقب ہے تو
جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
نظم ترانہ ملی کا نواں، دوسرا شعر بھی خاکِ بھلا کے لیے بنے والے خونِ مسلم کی رعنائیوں اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھیں عقیدتوں کا اعمار ہیں۔

اسے ارضِ پاک، تیری حرمت یہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگہاں میں اب تک رواں ہمارا
سہارا، ارضوں ہے میرا تجاؤ اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا
حضور و اہل بیت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں۔ ایسا ہی نظم ہے جس میں اقبال اپنے مدد کے سب

سے مدد کیا ہے۔ یہ نظم اس لیے کہ وہ خود میں غمت لے رہے ہیں۔ وہی ایسا ہی ہے جس سے دکھتی ہوئی
ہوئی۔ غمت ہے۔ غمت میں اٹھنے کی امانت سے طے لیا۔ اور اس پر قبضہ کر

لیا۔ طرابلس سلطنت عثمانیہ کا حصہ بلکہ صوبہ تھا، ترک اس کی مدد کے لیے مصر کے راستے آسکتے تھے مگر انگریز نے اس راستے کو روک دیا تھا۔ جبکہ مسلمان بحری طاقت سے محروم تھے۔ ترک غیر معروف راستوں سے طرابلس پہنچے، عربوں اور مصریوں نے بھی اعانت کی۔ اور یوں مسلمانوں نے طرابلس کو بچانے کے لیے لیبیا کے ریگزار کو لوہے سے سرخ کر دیا، انگریز نے جنگ کا رخ موڑنے کے لیے بلقانی ریاستوں سے ترکی پر حملہ کرا دیا۔ اور یوں وہ اپنی سیاست اور شرارت میں کامیاب رہا۔ اقبال نے یہ نظم شاہی مسجد لاہور میں ۱۹۱۲ء میں پڑھی تھی یہ جلسہ ترک بھائیوں کی مالی امداد کے لیے مولانا ظفر علی خاں کی کوشش سے منعقد ہوا تھا۔

اس تصور آتی نظم کا آخری بند نعتیہ آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس میں جہاں غم زمانہ کی ایک خوبصورت آمیزش ہے وہاں شاعر کے درد دل کا ایک بے ساختہ اظہار بھی ہے۔

حضورؐ دہر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آہنگینہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جعلکتی ہے تری امت کی آمد اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لو اس میں
شفاخانہ حجاز، ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال حجاز کے زروں میں تحلیل ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں۔
کیونکہ ان کے نزدیک دیار محبوب میں موت کو بلیک کہنا اور انہی راستوں کا غبار بن جانا، زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ کہ یہ حیات عارضی ہے اور موت، صبح دوام زندگی ہے۔ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں نثار کہ یہی موت زندگی کی دلیل اور حریم ناز تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ حجاز میں شفاخانہ بنا کر اس کے لیے چندہ جمع کرے، آپ کم نظر لوگوں کو تو پیغام زندگی دے سکتے ہیں مگر میں تو اس دیار خشک آثار میں مٹا اور بیس کی مٹی بن جانا چاہتا ہوں۔ کہ اس مٹی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم چومنے کا شرف مل چکا ہے، شمس و قمر کی درخشاںیاں، ان کے نقوش پاکی تابانیوں پر نثار۔

اوروں کو دیں حضورؐ یہ پیغام زندگی میں موت ڈھونڈتا ہوں دیار حجاز میں

جواب شکوہ، بظاہر اللہ پاک کی طرف سے، قبل ازیں کیے جانے والے شاعرانہ شکوے کا جواب ہے، یہ نظم ۱۹۱۳ء میں بیرون موچی دروازہ لاہور، بعد نماز مغرب پڑھی گئی۔ یہ جلسہ مولانا ظفر علی خاں کی سعی سے ترکوں کی مالی امداد کے لیے منعقد ہوا تھا۔ یہ نظم مومنانہ گداز کا ایک شاعرانہ اظہار ہے۔ معصود یہی ہے کہ مسلم پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیگانہ ہو گیا۔ نتیجہ معلوم کہ نہ اس کے دل میں سوز ہے نہ روح میں احساس، ہولے ہولے وہ پتھروں سے بھی سخت ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کرے یعنی ان کی اطاعت کا حق ادا کرے اور ان کی اتباع سے اپنی زندگی کو نور بنالے تو آج بھی وقت کی ہر قوت اس کے قدموں تلے ہوگی۔ اور اس کی ہر تدبیر تقدیر کے سانچے میں ڈھل کر اعجاز ہو جائے گی

- نتیجہ معلوم کہ وہ اس کائنات ارضی میں ایک چلتی پھرتی آیت الہی بن جایگا۔ اس طویل لفظ کے آخری پانچ بند 'اپنے اندر نعتیہ جمال کا کمال لیے ہوئے ہیں۔ کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہمارے ایمان کی شری اساس ہے۔ ہماری دنیاوی کامرانوں کی تمسید بھی ہے، یہ بنیاد اگر قائم ہو تو پھر اسلام کو پھلنے اور پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ جب رسول اور ارتقائے ملت دونوں ہم رشتہ ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جو افلاک و ارض پر مبنی ہوئی ہے، حقیقت بکھر نہیں سکتی مگر چاہیے کہ مسلمان خود کو بکھرنے سے بچائے۔

خصل بوقید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا رخت بردوش ہوائے چنستاں ہو جا
ہے تک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا نغمہ موج سے ہنگامہ طوقاں ہو جا
قوت مشت سے ہرست کو بالا کر دے دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو جن دہر میں کلیوں کا تجسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو غم بھی نہ ہو بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیر اتفاق کا استاد اسی نام سے ہے نبض ہستی چشم آثار اسی نام سے ہے

دشت میں دامن کسار میں میدان میں ہے بحر میں موج کی آغوش میں طوقاں میں ہے
جن کے شر مراقب کے بیابان میں ہے اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے رفعت شان رختاں تک ذکر کر دیکھے

مہم چشم نہیں یعنی وہ کالی دنیا وہ تمہارے شدا پالنے والی دنیا
کرمی سر کی پروہ حلال دنیا مشت والے جسے کہتے ہیں بلال دنیا
چشم انداز ہے اس نام سے پارے کی طرح غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

صل ہے تیری ہر مشت ہے شمشیر تری مرے دولہاں خلافت ہے جہانگیر تری
ماہر اللہ کے لیے ایک ہے نکیر تری تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی عمر سے وقا تو لے تو ہم ترے ہیں یہ جہاں جہ ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ایک دائمی رفعت اور وسعت کا حامل ہے۔ یہ سائنسی حقیقت ہے کہ زمین گول ہے سورج غلبہ اوقات میں مختلف مقامات پر ظہور ہوتا ہے دنیا میں اوقات مختلف ہیں۔ ہمارے دنیا میں ایک منٹ نہیں۔ ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جب کہیں نہ کیس نماز کا وقت نہ ہو اور کئی نہ کئی مسلمان نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ اور اپنے آقا پروردگار سے بھیج رہا ہو اور یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے صدیوں پہلے فرما دیا کہ "ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا" اور متعدد جہاں اشعار اسی حقیقت کا

تیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویٰ سے شرابو لہی
یہ شعر اس نوع سے نعتیہ ہے کہ اسے پڑھتے ہی وہ پورا دور تصور میں گھوم جاتا ہے کہ کس طرح اہل
کلمہ 'حرف حق کے خلاف یکجا ہو گئے تھے۔ اور کیسے حرف حق 'بلند ہوتے ہوتے' دار کی بلندیوں تک آگیا
تھا۔ اہل باطل نے شمع صدق کو ہر انداز سے گل کرنا چاہا تھا۔ مگر انکی پف زنی ناکام رہی اور اس شمع کا نور
مکمل ہو کر رہا اور یہ شعر اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ حق و باطل ازل ہی سے دست و گریباں رہے
ہیں۔ اور زندگی کا سارا حسن 'سچی سلسل میں مضمر ہے۔

۵۹ میں غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندے کی اپیل فرمائی اس موقع پر
حضرت ابو بکرؓ نے گھڑی ہر شے 'پیش فرمادی' اقبال۔ 'لظم صدیق' میں اسی واقعہ کو بیان کرتے ہیں حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے جب استفسار فرمایا کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے تو اس رفیق نبوت اور مردوف
سرشت نے جو جواب دیا۔ اس میں ایک شعر خالص نعت کا ہے۔

بولے حضور "چاہیے فکر عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدہ منہ و انجم فردغ گیر اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پردانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس
دوسرے شعر پر غور کیجیے۔ نعت کے کتنے ہی مضمون اس ایک شعر میں ضرور ہیں 'حضور صلی اللہ
علیہ وسلم ہی کے طفیل کائنات رتقین و رعنا ہے' ان کے جسم سے کلیاں چمکتی تھیں ان کے گرد سفرے
کلمشاں کو لباس نور ملتا تھا ان کے قامت زیبا سے کہسار سر بلندی پاتے تھے اور ان کی تشریف فرمائی سے
فرش کو عرش کی رعنائی نصیب ہوتی تھی۔ جود و کرم کا یہ ہر لحظہ برستا ہوا بادل نہ ہوتا تو کائنات 'سراب
ہوتی۔ دوسرا مصرع اس نکتے کو واضح کر رہا ہے کہ آپؐ ہی کی ذات 'وجہ وجود کائنات ہے۔ ہماری ہر آبرو
اسی نام کے طفیل ہے اسی ذات گرامی قدر کا عشق تابندگی و پائندگی کی دلیل ہے۔ اس صداقت کو اقبال
تعل ازیں اپنی لکھن بال 'میں واضح کر چکے ہیں۔ کہ سکندر رومی عظیم فاتح ہو کر بھی وقت کی گردش میں گم
ہو گیا۔ مگر نور نبوت سے مستنیر 'بال حبشی' زندہ جاوید ہے کہ ان کے ذہن سے ابھرنے والے کلمات
اذان کی صورت میں لمحہ لمحہ اور قریہ قریہ گونج رہے ہیں اور اقبال اس استغما یہ انداز میں کہتے ہیں۔

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟ رومی فنا ہوا 'حبشی کو دوام ہے
گویا عشق ہی چمن بے نظیر ہے جس کے پھول مر معانے کے لیے نہیں کھلتے 'یہ ایک بار بے خزاں
ہے اور اس جذبے کی چاندنی سے لہد کی تاریکیاں بھی روشن ہو جاتی ہیں۔

عشق کے خورشید سے شام اہل شرمندہ ہے عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے
شب معراج پر اقبال کے دو شعرا اپنے اندر اس رات کی فضیلتوں کے ساتھ ساتھ اس عزم مصمم کا
ذکر بھی لیے ہوئے ہیں جو فکر اقبال کا خاص جوہر ہے۔ اور جس کے سامنے آسمان 'روائے نیگوں سے

زیادہ وقیع نہیں اور جس کے طفیل 'مردوں' عالم بشریت کی زد میں ہے۔

دختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز سجود کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رویک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات
میں اور تو ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال نے اپنے درد دل کو شعر کے رنگ میں یوں پیش کیا ہے کہ
وہ ہر دل کی تڑپ بن گیا ہے۔ اس میں ملت اسلامیہ کی پریشاں حالی کا ذکر ہے کہ شیوہ آزری ہمارا شعرا
ہے۔ ہم ایک بے کیف نغمہ اور بے رنگ دو پھول ہیں۔۔۔ ایسے میں اقبال کی نظر اسی آستان کی طرف
اٹھتی ہے اور وہیں تک جاتی ہے حق یہ ہے کہ اس نقشِ پاکی تابانیوں کو پالنے کے بعد 'کسی اور منزل کی
تلاش تو ہیں جستجو ہے۔ یہ تعلق استوار ہو جائے تو نان جو جس 'قوت حیدری بن کر ابھرتی ہے اور فقر غیور'
غنا کے سانچے میں ڈھل کر 'وقت کے ہر سکندر کا سرہائے استحقار سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اس نظم کا آخری
شعر۔ نعت کے ایک ایسے مضمون کو لیے ہوئے ہے کہ اگر دیائے نعت میں اسی سے پھوٹنے والی بہاروں
اور ابھرنے والے ستاروں کو یکجا کیا جائے تو اس سے ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ شعر ہے۔

کرم اے شاعر عرب و عجم کہ کھڑے میں خضر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں داغ سکندری

ظہور اسلام 'وہ آخری طویل نظم ہے جو اقبال نے (اپریل ۱۹۲۳ء) حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی
تھی۔ اقبال نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جو خواب ۱۹۰۷ء میں دیکھا تھا۔ وہ اب پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اس
لیے اس نظم میں اقبال انکارِ مسرت بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے ایک روشن مستقبل کی پیش
گوئی بھی کرتے ہیں۔ دیائے اسلام ابھرا اور نکھر رہی ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا، ترکی میں 'رضاشاہ پہلوی'
ایران میں 'شاہ امان اللہ' افغانستان میں محمد زانلول، مصر میں اور غازی عبدالکریم، مغرب اقصیٰ میں
ظہور اسلام کا نشان اقبیا زبنت ہوئے ہیں۔ اقبال ان تمام کامرائیوں کو حضورِ نبی کی نگہ کرم کا کرشمہ سمجھتے
ہیں۔ اور اسی ذکر سے لیوں کو آرامتہ اور اسی محبت سے دلوں کو ہیرامتہ کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں
کہ اس ذاتِ اطہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پوشیدہ تصرفات 'شاعر کی چشمِ باطن پر روز روشن کی طرح عیاں
ہیں۔ اس نظم کے آخری بند کا یہ قاری شعر 'نعتِ سراپی میں تازہ گوئی کی ایک اساس ہے۔

بہ مشاقاں معشوقاں بدو حسین آواز
تعارف ہائے پناہن پختہ آشکار آمد

اور بآفتِ دراکے بعد کی شاعری زمراتِ مابِ صلی اللہ وسلم کے انہی پنہاں تصرفات کی ایک نعمانی
تفسیل ہیں۔

حافظ منیر الدین احمد منیر سندیلوی کی نعتیہ شاعری

سلیم فاروقی

محبوب رب العالمین افضل الانبیاء، خیر البشر، محسن انسانیت، ختمی المرتبت، حضرت محمد مصطفیٰ علیہ
السلوة والتسلیم کے حامد و محاسن کے اظہار بیان کے سبب ”نعت شریف اردو شاعری کی ایک مبارک اور
”زرخیز“ قوت نمو کے لحاظ سے ایک سدا بہار صنف سخن بن چکی ہے۔ اس چمنستان سدا بہار میں گل
ہائے مشک بو کی غلد بیں بھی ہے اس جنت سخن کا ہر گل اپنی جگہ حسن و جمال کی تصویر نظر آتا ہے۔

علیٰ میں صحابی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر اعظم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ،
حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت کعب بن زہیر۔ حضرت امام بو میری رحمۃ اللہ علیہ
صاحب ”قصیدہ بروہ شریف“، فارسی میں ردو، ”تمذی“ ”ثنائی“ اور امیر خسروؒ نعتیہ شاعری کے متاثرہ نور
ہیں۔ اردو میں یوں تو قلی قطب شاہ اور ولی اور تیک آبادی سے لے کر میر تقی میر، غالب، مومن، حسرت،
بکر تک سب ہی نے نعتیں کہی ہیں لیکن جن شعرا نے جذبہ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر
بالاتزام نعتیہ شاعری کی ان میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی، ”کافی مراد آبادی“، لطف بریلوی، کرامت علی
شہیدی، محسن کاکوروی، امیر منٹائی، احمد رضا خاں بریلوی، ”حسن بریلوی“، بیدم شاہ وارثی، ضیاء القادری،
حمید لکھنوی، اقبال عبدالعزیز خالد کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس کے بعد جن شعراء نے نعت شریف کو
ا۔ بے لیے باعث سعادت سمجھا ان میں ظفر علی خاں، منور بدایونی، ماہر القادری، اقبال سہیل، حفیظ
بالدھری، سیما اکبر آبادی، بابا ذہین شاہ تاجی، اقبال عظیم ادب سیما، ضیف اسعدی، حفیظ تائب،
حافظ لدھیانوی، عزیز حاصل پوری، اختر الہامی، وقار صدیقی، رقتی عزیزی، شمس وارثی، حاصل مراد
آبادی، کوثر نیازی، مظفر وارثی، نصیر الدین گولڑوی کے علاوہ بے شمار نام ہیں۔

اب جو نعت گو شعرا گوشہ گمائی میں چلے گئے انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک وہ جو
زندگی بھر نعت کہتے رہے اور بیاضوں میں لکھتے رہے۔ ان کو کلام سخنہ سنانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ان کی
وفات کے بعد بیانیہ نکلنے تو پتا چلا کہ وہ بڑے قادر الکلام نعتیہ شاعر تھے، دوسرے وہ جو شعری نشستوں
میں اپنا کلام پڑھتے لیکن چھپنے چھپانے کا انھیں کبھی خیال نہ آیا، تیسرے وہ جن کا کلام کئی کئی حصوں میں

شائع ہوا، رسالوں اخباروں اور شعری گل دستوں میں چھپا، مقامی طور پر بھی مشہور ہوا پھر وقت کے ساتھ ساتھ لوگ اسے بھول گئے حالانکہ ان میں بعض کا شمار اس عہد کی نمایاں شخصیات میں بھی ہوتا تھا لیکن آج انہیں کوئی جانتا بھی نہیں حیرت تو اس بات پر ہے کہ پاک و ہند کے بڑے بڑے کتب خانے تک ان نعت گو شعرا کے مجموعوں سے بے خبر ہیں جو نائی گرامی پریسوں میں چھپ چکے تھے، اب ایسی بیانیہ اور نعتیہ مجموعے ان اہل علم و ادب کے ذاتی کتب خانوں میں محفوظ ہیں جو ان چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں ان حضرات کی کاوشیں ہر لحاظ سے قابل تحسین و آفرین ہیں۔

آج ہم آپ کا بحیثیت شاعر نعت و منقبت جس ہستی کا تعارف کرا رہے ہیں اس کا شمار اس عہد کی ممتاز شخصیات میں ہوتا تھا جس کی شاعری کے چار مجموعے شائع ہوئے، اس ممتاز ہستی کا نام نائی حافظ منیر الدین احمد منیر سروردی سندیلوی تھا۔

حافظ منیر الدین احمد بن حافظ نذیر الدین احمد سروردی سندیلوی ۱۸۶۳ء میں ساگر (مدہ پریش بھارت) میں پیدا ہوئے ان کے والد کرائی ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے سبب اپنے وطن مالوف سندیلہ ضلع لکھنؤ (اس زمانے میں قصبہ سندیلہ لکھنؤ کے ضلع میں شامل تھا عہد فرنگی میں یہ ضلع ہرردوی میں شامل ہو گیا) حافظ نذیر الدین احمد اپنے عہد کے نائی کرائی و نکا میں شمار ہوتے تھے وہ نسباً صدیقی اور حساباً سید السادات بنی ہاشم تھے ان کے مورث اعلیٰ سرزمین عرب سے ہجرت کر کے سرورد (ایران) آئے نسباً ان کا سلسلہ صوفی کامل حضرت شیخ شہاب الدین سروردی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ”غوارف العارف“ سے ملتا ہے۔ حافظ منیر الدین احمد منیر نے ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ صرف چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد طائے فرنگی محل سے علوم دین کی تحصیل کی ان کے والد کرائی انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے اس لیے ان کی انگریزی تعلیم کا آغاز بیس سال کی عمر میں ہوا۔ انھوں نے ڈل کا امتحان تین سال میں اور انٹرنس کا امتحان دو سال میں پاس کیا۔ یہ تحفہ انھوں نے ساگر جیل پور اور لکھنؤ میں حاصل کی۔ ۱۸۹۹ء میں وہ لندن روانہ ہوئے اور ۱۸۹۴ء میں بی بی سنہی میں سند حاصل کر کے ساگر آگئے جہاں کچھ عرصے چھاننی سو (وٹلی بند) میں بی بی سنہی شہر کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شہرت عطا فرمائی، مگورنر جنرل نے انھیں سینٹرل ایڈیا ایجنسی کا ”پبلک پرائیسیور“ مقرر کیا جو اس زمانے کے لحاظ سے بڑی بات تھی خصوصاً ایک مسلمان کے لیے چند سال گزرنے کے بعد مہاراجہ بنگالہ نے انھیں اپنی ریاست کا ”پبلک لیکچرار“ مقرر کیا، ”قانونی مشیر“ مقرر کیا، چونکہ ان کی شخصیت صلاحیتوں کے اعتبار سے غیر معمولی عزت و شہرت کا سبب بن چکی تھی اس لیے اس عہد کی نئی ریاستوں نے انھیں جیسے جیسے عہدوں کی پیشکش کی

لیکن انھوں نے اپنے وقار و آزادی کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں قبول نہیں کیا۔ نوابین، راجا، مہاراجا ان کے مشوروں سے مستفید ہوتے مگر وہ ان کی مصاحبت سے دور رہتے۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کو اللہ تعالیٰ نے عزت، دولت اور شہرت کی بے کراں نعمتوں سے نوازا تھا اس کے باوجود توکل و درویشی ان کے کردار کا خاص وصف تھا، پابند شریعت انسان تھے، مسائل تصوف سے خاص شغف تھا اس ضمن میں کتب زیر مطالعہ رہتیں، صوفیائے عظام سے گہری عقیدت اور خصوصاً "خواجہ خواجگان سلطان اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی" سے روحانی نسبت تھی، اپنے جد بزرگ حافظ کرم احمد سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ (پیدائش ۱۲۲۹ھ، ۱۸۱۳ء، وفات ۱۳۰۶ھ، ۱۸۸۹ء) سے بیعت تھے اپنے فارسی قلم سے پیرو مرشد کی تاریخ پیدائش و تاریخ وفات الگ الگ لکھی ہے۔

جناہ	جد	امجد	تک	من
کہ	از	نقرو تصوف	داشتے	سج
ظہور	حق	برائے	سال	میلاد
۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء				

بنوک	خامہ	آمد	از	خمن	سج
چوڑیں	عالم	بآں	عالم	رواں	شد
نوشتم	از سر	زاری	غم	و	رنج

نہایت کشادہ دل، بامروت اور بااخلاق انسان تھے عزیزوں اور ضرورت مندوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے اولادیں اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند (مجید الدین) عطا کیا جسے اعلیٰ تعلیم و لوائی و کالت کا پیشہ اختیار کرایا، وہ ساگر کی مجلس متقنہ کے ممبر تھے افسوس کہ عین غفوان شباب میں اپنے والد گرامی کی وفات کے صرف چار سال (۱۹۳۷ء) بعد واصل بہ حق ہو گئے کل من ملیسا فان۔

جب حافظ منیر الدین احمد منیر کی صحت خراب رہنے لگی تو علاج کے لیے لکھنؤ آئے وہاں ان کے بھتیجے ڈاکٹر کسے علاج سے بیماری میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی ۱۹۳۳ء میں ہمیں انتقال ہوا میت سندیلے لائی گئی جہاں ان کی وصیت کے مطابق انھیں ان کے پیرو مرشد حافظ کرم احمد قدس سرہ العزیز کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ان للہ وانا الیہ راجعون

حافظ منیر الدین احمد منیر کو شعر و سخن سے فطری لگاؤ تھا وہ عربی، فارسی، ہندی اور اردو میں شعر کہتے تھے

شاعری میں انھیں کسی سے شرف بلند حاصل نہ تھا ابتدا میں چند غزلیں حضرت امیر مثنائی علیہ الرحمۃ کو بھیجیں لیکن کوئی جواب نہ آیا اس کے بعد کسی سے رجوع نہیں کیا۔ وہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود علمی و ادبی دلچسپیوں کے لیے وقت نکال لیتے تھے انھوں نے عربی فارسی ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا فارسی شاعری ان کی رگ و پے میں رچی بسی تھی 'ان کا زیادہ کلام فارسی میں ہے 'حافظ' 'سعدی' 'جانی' 'قدسی' 'شالی' 'ردی' 'امیر خسرو کی زمینوں میں انھوں نے بلند پایہ غزلیں کہی ہیں 'انھوں نے فارسی 'ہندی اور اردو میں فکر سخن کے گہستان سجائے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر درویش منش انسان تھے عشق حقیقی ان کا وظیفہ حیات تھا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد انھیں رسول گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صوفیائے کرام سے قہمی نفاذ تھا اس لیے ان کے کلام کا زیادہ حصہ نعت و منقبت پر مشتمل ہے وہ فارسی 'اردو اور ہندی کے قادر الکلام شاعر تھے آج سے ستر اسی برس پہلے ان کا کلام بلاغت نظام روحانی مجلسوں اور قوالی کی محفلوں میں پڑھا جاتا تھا ان کے کلام کی افادت تو مسلمہ تھی ہی لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ان کی بعض فارسی و اردو غزلیں اور فحش 'دوسرے شعراء سے منسوب ہو گئیں مثلاً "گیارہ نومبر ۱۹۶۹ء کو روزنامہ "حریت" کراچی میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر ضمیر صاحب کا مضمون شائع ہوا انھوں نے اس میں ایک نزل نقل کی جو ان کے خیال کے برخلاف حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی تھی اس کا مطلع یہ ہے۔

تندرہ بہ قتل سخن تن شوخ ستم کارے
اینا طرفہ نمنا میں نا کردہ کہنہ کارے

یہ نزل اس زمانے کی محفل صانع میں اکثر پڑھی جاتی تھی لیکن یہ نزل منیر الدین احمد منیر کی ہے جو نہ صرف یہ کہ ان کے چوتھے نمبر سے میں ہمپ چکی ہے بلکہ ان کے قلمی نسخے میں بھی درج ہے راقم الحروف کے مطالعے سے گزرتی ہے نزل کا مطلع ہے۔

از اوچہ نمیبان با ساز منیر آید
سہ کف و جلا بلبل دل دادہ بہ میارے

یہ نزل بلاطہ بن حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ میں ہے اس لیے یہ اشتباہ پیدا ہوا۔ اس نزل میں مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف نے "دیکھو لکھو" کے شائع کردہ "کلیات غزلیات خسرو" کی کاغذ چھٹی دیکھی جس کی فتح و بھی اقبال سلطان الدین اور قہر سید وزیر الحسن شاہی نے کی ہے اس میں مذکور نہیں شامل ہیں ان میں سے کسی جگہ میں مذکورہ نزل نہ تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزل کا اصل مصنف نہ یہ احمد منیر کی ہے۔ اسی طرح ان کی منسوب نعت نیز ان کے نمبر سے اور قلمی نسخے

میں درج ہے ریڈیو پاکستان کراچی سے شعری بھوپالی کے نام سے نشر ہوتی رہی ملاحظہ ہو۔

والشمس رخ زبا ہے ترا تو نور نشان عالم ہے

واللیل ہے تیری زلف دوتا تو راحت جان عالم ہے

مے خانے سے ہم کو کام نہیں کچھ حاجتِ بادۂ جام نہیں

پھر نعت لکھے یہ منیر بھلا جو بیچِ بدانِ عالم ہے

ان مثالوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حافظ منیر الدین احمد منیر کا کلام اس زمانے میں مقبول تھا۔ ان کے کلام کے چار مجموعے ”سراج المنیر“ کے نام سے ان کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے ان کے علاوہ چھپن بندوں پر محیط ”مسدس نعتیہ“ علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے ان سب کا مختصر بیان درج ذیل ہے۔

سراج المنیر حصہ اول مرتبہ مولانا ابوالاعجد سید احمد صاحب ولیوڈیشن کیشن افسر انجینی سردار پور سن طباعت ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء معین السند پریس اجیر میں شائع ہوا۔ مولانا ابوالاعجد سید احمد نے درج ذیل تاریخ طباعت کہی۔

سید	پٹے	سال	طبع	تجری
اسرائیل	کلید		معرفت	کو

(۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء)

مولوی محمد عبدالحکیم منظر کی تاریخ طباعت یہ ہے۔

تاریخ لکھ منظر ہی مخزن صفاتِ اولیا

۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

کتاب کے صفحات ۶۰ ہیں ۲۱×۲۰ کے مسطر پر چھپی ہے۔

سراج المنیر حصہ دوم مرتبہ مولانا ابوالاعجد سید احمد صاحب۔ طابع معین السند پریس اجیر۔

فشی معشوق حسین مرشار سندیلوی نے

کنیٹہ خورشید جہاں

۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

مرزا عبدالمہد مرزائی

کرامت لطف و عنایت

۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

فشی محمد ہاشم اجیری نے
سعادتِ دو جہانی مجمع الحسنات

سید نقیر حسین سارن پوری نے

ظہورِ اہلبی یقین

۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

اور قاضی عید الدین عید کوٹلی نے "غنیۃ نعت" سے طباعت کی تاریخیں نکالیں۔ اس کا سن طباعت
۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء ہے۔ یہ مجموعہ بھی $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ کے مسطر پر چھپا ہے۔ صفحات ۵۶ ہیں۔
طابع: انصاری پریس دہلی۔
کتبہ: محمد شریف غفرلہ

قلعہ تاریخ محمد کفایت اللہ برقی نے کہا۔

فضل	احمد	صاحب	مختار	مختار	مختار
ور	و	و	و	و	و
پیش	و	و	و	و	و
پرور	و	و	و	و	و
نظامی	و	و	و	و	و
باوصاف	ازہر	موصوف	و	و	و
چو	مدحیہ	رقم	فرمود	دیواں	و
پنہ	فیضان	عالم	صاف	منظر	و
دل	میت	ازلب	اعجاز	و	و
مشید	آراز	نتم	اش	خیر	مظہر

(لیکن "غنیۃ نعت" سے من تاریخ ۱۳۵۰ھ یا ۱۳۵۱ھ آئے ہیں۔ ہوتا۔ (سلیم فاروقی)

اس کا سن طباعت ۱۳۵۰ھ ہے۔ یہ دیوان بھی $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ کے مسطر پر چھپا ہے۔ صفحات ۳۰ ہیں
راجہ امین محمد چارم راقم الحروف نے پیش نظر نہیں ہے۔

مدرسہ نقیہ۔ یہ طویل مدرسہ محمد عید الزبواب خاں قندھار شمس ایذا اکساؤر دربار بادورہ کے زیر اہتمام
دارالطبع۔ بار بادورہ۔ شائع ۱۳۵۰ھ۔ یہ مجموعہ $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ کے مسطر ہے۔ قلعہ تاریخ محمد لطف علی خاں

صاحب سہیل نے سپرد قلم کیا۔

مد شکر نعتِ سید کوئیں چمپ مئی
جس کا جہاں میں مثل ہے کوئی نہ ہے نظیر
ہے اس کے مصرعے مصرعے سے عشقِ نیا عیاں
ہر بیت فیضِ مدح سے ہے آساں نظیر
لکھی ہے خوب نعتِ پیرِ منیر نے
زبا ہے کیسے حضرتِ حسان کا ہم مغیر

اللہ فیضِ مبدعِ فائز اے سہیل
اظہارِ درودِ دل ہوئی تاریخِ بے نظیر

۵۱۳۶۶
۱۶۳۱

”مدرسِ نعتیہ“ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کا کلامِ بلاغتِ نظامِ جن موضوعات پر مبنی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

○ حمد و مناجات ۵ نعت

○ مناقب

○ عشقیہ کلام (غزلیں)

○ تقصیم

انہوں نے جن بزرگانِ دین کے بارے میں منقبتیں لکھی ہیں ان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ عثمان ہردنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان اللہ خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اودشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مخدوم صابر کلیری ”سلطان المشائخ“ حضرت نظام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ، حافظ کرم احمد سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ جن صحابہ کرام اور بزرگوں کے کلام کی تقصیم کی ہے ان میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ، خلیفۃ الرسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جناب سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان بزرگوں کے علاوہ شیخ سعدی، حافظ ”قدسی“، بانی ”طولی“ ہند، شاعر شیریں مقال حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی شامل ہیں۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کے کلام میں حمد و مناجات کی تعداد کم نعت و منقبت اور غزلوں کی تعداد زیادہ

ہے اکثر مفتیس سلطان الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ہیں جن کی ذات والا صفات سے انھیں غیر معمولی عقیدت تھی عشقِ کلام جو زیادہ تر فارسی زبان میں ہے مجاز سے کہیں زیادہ حقیقت کا رنگ لیے ہوئے ہے اور ان کے مزاج سے خصوصی مطابقت رکھتا ہے۔

ان کا "مدرس نعتیہ جو علیحدہ کتابی صورت ^{پیش} شائع ہوا تھا چھپن بندوں پر مشتمل ہے ان میں سے تین بند اللہ جل شانہ کی شان و قدرت کے بیان میں ہیں چار بند ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہیں باقی سارے بند جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حبش کے مقاصد کے تحت ہیں اس کے بعد پانچ بندوں پر مشتمل مناجات بصورت مثلث ہے پھر سات بندوں میں "عرض منیر" کے عنوان سے رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد و توسل کی التجا کی گئی ہے اس کے بعد مناجات کے پانچ بند بطل مدرس پھر خمس بر مناجات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد سلام بخشور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہے۔

جیسا کہ دنیا کی ہر زبان میں دستور ہے کہ اس کی منظوم و منثور تخلیقات، مضامین و مقالات پر اہل نقد اپنے خیالات و آرا کا اظہار کرتے ہیں جس سے ان چیزوں کو درجہ امتداد حاصل ہوتا ہے مقدمہ، تقریظ، پیش لفظ وغیرہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ چونکہ حافظ منیر الدین احمد منیر اپنے دور کی معروف شخصیت ہونے کے علاوہ قادر الکلام شاعر بھی تھے اس لیے ان کے کلام پر جن حضرات نے رائے دی وہ صاحب ذوق و صاحب رائے تھے لہذا ان کی آرا ملحوظ ہوں۔

منشی حافظ نور اللہ تحصیل دار "سینٹرل پرائس" لکھتے ہیں۔

"ممنف کے کلام سے ان کی حسن عقیدت، اسلام کے ساتھ خلوص، پیشوائان دین تین خصوصاً حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن چشتی ثم اجیری، رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں صاف ہویدا ہے وہ جیسا خستہ پن، سادگی جو حسن کلام کا زور ہے از سر تا سر پیدا ہے گویا اہل مرقن کے مذاق کا ایک سچا مشغلہ و خندانان نازک خیال کی تذبذب طبع کا ایک اچھا سلسلہ ہے۔

(سراج المنیر، حصہ اول صفحہ ۴۹، ۵۰)

ان کا کلام ہماری نگاہ میں ہے۔

"کچھ کلام نہیں کہ بیدار صاحب کے قلبی تعلقات عالم بالا سے ضرور وابستہ ہیں اور آپ کا قلب کدورت دنیا اور آلائش ہوا و حرص سے بالکل پاک ہے آپ کا ایک شعر بے خود بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

(ایضاً صفحہ ۵۲)

مولوی حکیم محمد مظہر المادی امرہوی لکھتے ہیں۔

"حافظ صاحب کا کلام مذاق عارفانہ اس قابل ہے کہ صوفیوں کی صف اولیٰ میں جگہ دی جائے زبان فارسی میں آپ نے وہ دستگاہ پیدا کی ہے کہ آپ کے کلام میں حافظ شیراز کی عذب اللسانی کا لطف آتا ہے سلاست اور رنگینی کی نظر سے سعدی کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے، حقایق و معارف کے اعتبار سے مغربی اور عراقی کی نظم کا مغالطہ ہوتا ہے... نعت رسول مقبولؐ کی گل کاری کی گئی ہے.... عاشقانہ غزلوں میں شوق اور تمنا وصال و فراق کے دفتر کھلے ہیں۔

(ایضاً صفحہ ۵۳)

عبدالوہاب خاں کلکٹر کشم و اکسائیز دربار جاوہر لکھتے ہیں۔

"اکثر واردات قلبی یا گرد و پیش کے تاثرات سے متاثر ہو کر الفاظ نظم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور چونکہ آمد ہوتی ہے اس لیے آپ کا کلام سامعین میں علیٰ العموم اور طبقہ صوفیا میں علیٰ الخصوص مقبول و مرغوب ہے۔

(مقدس نعتیہ صفحہ ۴)

امامہ نگار کے محسن اول اور نیاز فقہوری کے دست راست ضیاء عباس ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں۔

"آپ کے خاندانی ماحول اور ابتدائی تعلیم اور لطیفہ قدرت کا یہ فیض تھا کہ آپ ہمہ ذات واجب الوجود سے پیوستہ اور صفات رحمتہ للعلیین سے سرشار اور اولیائے کرام

سے والہانہ جذبہ محبت سے مست رہتے تھے۔۔۔۔۔

مجھے تو اس مجموعہ میں ایک شعر بھی ایسا نظر نہ آیا
جو کسی خارجی اثر کا نتیجہ ہو۔

حافظ میرالدین احمد شیرنیا دی طور پر نعت و منقبت کے شاعر تھے لہذا اس مضمون میں ہم صرف ان کی
نعتیہ شاعری کا تعارف کرائیں گے جو فارسی، ہندی اور اردو زبان میں ہے جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا جا
چکا ہے کہ انھیں فارسی زبان و ادب پر کامل عبور تھا اس زبان میں وہ ان شعراء سے متاثر تھے جن کا کلام
نارنگانہ خیالات سے معمور تھا اس لحاظ سے حافظ ”سعدی“ ”عراقی“ ”قدسی“ ”جانی“ ”امیر خسرو“ اور عارف ”رومی“
’زیادہ نمایاں ہیں ان کی فارسی شاعری میں انھیں شعراء کے کلام کی تاثیر و تابانی اپنی آب و تاب دکھائی
ہے۔ پہلے ہم کے چند شعر تہہ کا ”پڑھ لیجئے اس کے بعد ان کے نعتیہ اشعار کے نمونے درج کیے جائیں گی۔

یا الہ العالیٰ یا ذوالجلال
ذات پاک تو بری از قیل و قال
تو زلف کن کنی کون و مکان
ذات تو پنہاں و کار تو عیاں
ز آب و گل تصویر آدم کردہ
روح را در مشت خاک انگنہ
صورت معشوق کا ہے جلوہ گر
مگر لباس عاشقی داری یہ بر

نعتیہ اشعار۔

عرش را یک شب منور مر سیما کردہ
یہ تمیل خویش شیدا خود خدا کردہ
شن عارض دامنہ واللیل شرح کیسوت
معنی قریں زدے خود ہویدا کردہ
زنت یاسیں تکی زبائش لہ تکی
صاحب معراج سمان الذی اسرئی تکی
مدبا صل علی روشن جہان از نور تو

خرو شہر مدینہ، رونق کعبہ توئی

حضرت مولانا جامی کی مشہور نعت شریف کے رنگ میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

بلبل ز تو آموختہ شیرینی غنی را

یہ نعت شریف ام حبیبہ نے بڑے دل کش ترنم میں پڑھی ہے اسی ردیف و قافیے میں منیر سندیلوی کی

نعت ملاحظہ ہو۔

بہند چو گلے خوبی گل پیرہنی را

ہر گز نہ کند دعویٰ نازک بدنی را

از عالم بالاست بے افضل و بالا

اوج شہر معراج رسول مدنی را

از شوق جمال شہ لولاک چو موسیٰ

ہر موئے تنم گفت کہ ربّ ارنی را

مولانا قدسیؒ کی مشہور نعت شریف کی تفسیم کے دو بند ملاحظہ ہوں۔

چوں سراپائے تو نقاش ازل کرد رقم

خود بہ صنایع خود ناز کند دست رقم

کہ بہ رقص آمد و گاہے بہ زبانش بہیم

من بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو العجب

النفیس النفی ناسخ تورات و زبور

سینہ پاک تو از علم لدنی معمور

تو حبیب صمدی خاطرت او را منظور

ذات پاک تو دریں ملک عرب کمر ظہور

زاں سب آمدہ قرآن بزبان عربی

☆☆☆.....

روشن دو جہاں از رخ تابان محمدؐ

فردوس	بریں	عکس	گلستان	محمد
بانست	منور	زنیائے	خط	عارض
در سینہ	من	شع	شبستان	محمد
در چشم	من	خاک	نخیں	جاہ
بستہ	غلامے	ز	غلامان	محمد

☆☆☆

جاں	برو	زمن	زمن	جادوئے	محمد
دل	کردہ	سحر	خم	کیسے	محمد

☆☆☆

قاتلو مانا، قاتلو خانہ یا حبیب خدا یا حبیب خدا
 قاتلو قاتلا، قاتلو قاتلا یا حبیب خدا یا حبیب خدا
 رمت العالمین رمت العالمین خاتم المرسلین خاتم المرسلین
 رہبر اولیا بادئی انبیا یا حبیب خدا یا حبیب خدا
 مثل نحت تر بار صیباں بر الدد بر حسین نور نظر
 مشرق راکشا مشرق راکشا یا حبیب خدا یا حبیب خدا

☆☆☆

قاب	توسن	مقام	تعلی	ششم
نور	مہمان	شدم	مق	ششم
بلو	کاو	تم	شرب	ششم
ن	کر قرار	شم	زلف	ششم
کاو	جیل	امیں	کاو	ششم
کاو	زلف	شدم	ام	شدم
شیں	نجیب	تے	کاو	ششم
شیں	مظن	.	پادان	ششم

در لباس بندہ حق را دیدہ ام
 بو العجب نادر تماشا دیدہ ام
 بے احد احد احمد نہ تما دیدہ ام
 در عرب بے عین حق را دیدہ ام

.....☆☆☆.....

رحمتِ عالم رحیمی احمدی
 زینتِ معراج نورِ سرمدی
 صاحبِ جود و کرم خیرالام
 خروِ دارین شان ایزدی

حافظ ضیرالدین منیر کی فارسی نعتیہ شاعری کے یہ چند جواہر پارے اپنی پوری آب و تاب دکھا رہے ہیں ان کے اشعار کے مطالعے سے اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت کا دریا موبہیں مار رہا ہے ان کے اشعار میں بڑی تاثیر و کیفیت موجود ہے پڑھنے والا ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

فارسی کلام کے بعد ہم ان کے ہندی اشعار پیش کریں گے۔

سلطانِ مدینہ و کعبہ ہو سرتاج ہو تم سلطانِ ماں
 تم نورِ ہدایت شمعِ رسل میں آپ کے ہوں پروانِ ماں
 ہر شانِ ولیٰ ہر شانِ نبیٰ جب روزِ ازل ماں نمود بھی
 دی شانِ محمد صلی علیٰ روشن تھی سب کی شانِ ماں
 سہمی نبیاً ولیاً غوث و قطب آپس میں دھومِ بچاوت ہیں
 چلو امہ بے میم کے درپن ماں اب احمد کا جلوہ دکھاوت ہیں
 کو عرش پہ فرش بچائے رہو کو نور کی باقی جلائے رہو
 معراج کی رین سہائی بجلی جبریلِ براق سجاوت ہیں

.....☆☆☆.....

ہوری آئی دھوم کا سکھار کریں
 سکھی یثرب کی سرکار چلیں

اپنے یثرب کے کنہیا کے چمن چومیں
 پی کے سے ان کی محبت کی خدایا جمو میں
 سر اوڑھ لیس چز ایمان کی
 رنگ صل علی کا طیار کریں

حافظ منیر الدین منیر کے فارسی اور ہندی کلام کے نمونے پیش کرنے کے بعد ہم ان کی اردو نعتیہ شاعری کا جائزہ لیں گے افضل البشر سید عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ کا ذکر خواہ وہ لفظ میں ہو یا نثر میں اتنا ہی مشکل ہے جتنا اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء آسان ہے اللہ رب العزت کی تعریف غیر مشروط ہے جب کہ اس کے جلیل القدر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حامد و محاسن کا ذکر مشروط ہے "بقول کے" نعت شریف کہنا، کلمہ کی دعا پر چلنے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں فرماتا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے "ادبخی آواز مت کرو۔ اب ادبخی آواز نہ کرو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا کے ادب و احترام کے تمام تقاضے شامل ہو گئے۔ چاہے اس کا تعلق شاعری سے ہو، تقریر سے ہو یا تحریر سے مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
 یعنی رجب احکام شریعت طوط

"قرآن سے نعت گوئی سیکھنے" کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زبان و قلم سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالیں جو راہ اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ یہ پابندی اسی وقت برقرار رہے گی جب ہم "قرآن سے نعت گوئی" سیکھیں گے نعت کو شاعر کے لیے لازم ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتا ہو اس کے بغیر "حب نبی" صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ باطل ہے جو نعت اسوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے اور کوئی جانے کی اس کی تائیدی جدا ہوگی خواہ یہ نعت ضائع بدائع کے پیکر میں بھی ہو خواہ آسان اور سادہ الفاظ میں ہو۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کی شاعری سادگی اور پُر فاری کا مرقع ہے۔ ان کے اشعار میں بڑی آمد و اثر ہے اللہ رسول اصحاب نبی اور اولیائے کرام کی محبت و عقیدت ان کی رنگ و روپ میں دہتی جیسی ہے۔ ان کے اشعار کی سادگی اور سادگی ان کے رنگ و روپ کی پہچان اور شناخت ہے، عشق و محبت کی کیسی ہی کیفیت ہو وہ نعت و نعت کے شعر کہتے وقت ہر رنگوں کے ادب و احترام کے تقاضوں پر اس کیفیت کو مادی نہیں دیکھتے۔

مگر فرق مراتب کنی زندگی

الفاظ 'سادہ' آسان یا معنی اور بر محل استعمال کرتے ہیں جن سے شعر کے معنوں میں کوئی پیچیدگی، ابہام و اہمال نہیں پیدا ہوتا، ضائع بدائع کا بیان ان کی فارسی شاعری میں زیادہ اردو میں کم ہے اردو کلام کی سادگی اور سلاست نے اشعار میں ایسی دل کشی پیدا کی ہے کہ اس کی کمی قطعاً محسوس نہیں ہوتی ان کے کلام کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس کے مطالعے سے دل میں اللہ، رسول اور بزرگان دین کی عقیدت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ انھوں نے بڑی مترنم بحر میں شعر کہے ہیں جس سے ان کی شاعری کا رنگ نکھر آیا ہے۔ شعروں میں کیفیت و سرور، شعریت و تعمق بدرجہ اتم موجود ہے ان کی اردو نعتیہ شاعری کے نمونوں سے نثر حمد کے چند شعر ملاحظہ ہوں

سند آرائے سریر کن نکال تو ہی تو تھا
روشن افزائے گلستان جہاں تو ہی تو تھا
رنگ ہو کر پتے پتے میں تھا تو ہی جلوہ گر
شکل جاں بو بن کے ہر گل میں تھا تو ہی تو تھا
شبیہ و عطار و سرد کو کوئی کیا جانتا
ہر فنا فی اللہ کا آخر نشاں تو ہی تو تھا
تو نے ہی برق تجلی پر جلایا طور کو
چاہ میں یوسف کا آخر سراں تو ہی تو تھا
نعتیں..... کلام

تعبین عربی نعت.....

یہ عربی نعت قاری وحید ظفر قاسمی نے اپنے قرأت آمیز ترنم میں پاکستان میں پہلی دفعہ اپنی نو عمری کے زمانہ میں پڑھی تھی

کیا حسن ترا کیا نور ترا ہر شے میں عیاں ہے تو اے مطلبی
ہر فنجہ و گل میں ہے تری چمک اے صل علی ائی تقبی
الصبح بدامن طلعتہ واللّیل دجی من و فرتہ
فمحملاً ہو صہلاً فلعلنا باجابتہ

میں نعت لکھوں یہ منہ ہے کہاں تم خلق کے والی میں ادنیٰ
کہتے ہیں ملائک بھی تو یہاں یا سیدنا یا مرشد نا

لاریب کریمی مولائی اعنہ ممالک مقصدنا

المصباح بد امن طلعتہ واللیل دجامن و فرتہ

نمحملنا ہو سینا فلعلنا باجابتہ

.....☆☆☆.....

عشق احمد کی دل پر تلی پھر لکن شعلہ وہ کہ پھر سر اٹھانے لگا
پھر وہ بیق جلی چمکتے لگی پھر مزا من رآنی کا آنے لگا
شع بزم ہدایت جو روشن ہوئی ظلمت کفر یک لخت جاتی رہی
سارے چہونوں بڑوں کو وہ ختم النبیؐ پر ملا کلمہ حق سنانے لگا
حضرت کرامت علی شہیدی کے ایک نعتیہ شعر کی تفسیر۔

میں اس طرح کب تک درد دوری سے بھلا ترپے
یہ مانا وہ برا ہے اور عمل بھی ہیں برے اس کے
برے بھی جاگے ہو جاتے ہیں در پر آپؐ کے اچھے
یہ دینی ہے دم 'تخرا' اگر اس کی خدا سن لے
"تمنا ہے درختوں پر ترے رونے کے جا بیٹھے
تقص جس وقت نونے طائر روح مقید کا"

.....☆☆☆.....

تو وہ نام ہے جو مہر والوں کی زباں تک ہے
شہل تیرا دینے ہی میں کیا اک لا مکان تک ہے
تکافل ہم نہیں سے بھلا کس طرح ممکن ہے
کرم مشور عالم جب نص سے آسمان تک ہے
خدا را اب فکر ہم پہ بھی اس مالک دینے کے
بکر جتنا ہے دل حجاب ہے حالت یہاں تک ہے

.....☆☆☆.....

سست نئی کی خواب میں کر دیکھ پائیں ہم
..... ہے عیب و اپنے دکھائیں ہم

تشریف لائیں خانہ دل میں اگر حضور
 تو ہر قدم پر آپ کے آنکھیں بچائیں ہم
 اب آرزو یہی ہے کہ روئے پہ آن کر
 سو سو طرح سے آپ کے تریاں جائیں ہم
 راہ صراطِ سخت ہے ہم ناتواں ہیں آہ!
 بار گناہ دوش پہ کیوں کر اٹھائیں ہم

☆☆☆.....

اے صل علی دیدہ سرشارِ محمد
 ہر مردکِ چشم ہے پیارِ محمد
 ہے آیہٴ رحمت خط و رخسارِ محمد
 لولاکِ لبہ و دستارِ محمد
 تاشتر نہ یہ آگ بجھے جان و جگر کی
 اے قطعی رت دیدارِ محمد

☆☆☆.....

ہے شرحِ سورہ واللیل گیسوئے دوتا تیرا
 بیاض صبح صادق ہے رخ بدر الدجا تیرا
 ظہورِ کبریائی ہے وجودِ باصفا تیرا
 تماشا گاہِ عالم ہے جمالِ حق نما تیرا
 کی دیوانگی اچھی کہ سودا ہے ترا سر میں
 مجھے ہے نخر اس دل پر کہ ہے یہ جلا تیرا
 یہ دل جلنے نہ پائے آتشِ دوزخ کے شعلوں سے
 تصورِ مدتوں اس میں رہا یا مسطفا تیرا
 حضرت امیر خسروؒ کی غزل کی تقنین کا ایک بند پڑیے۔
 اے بادشاہِ دوسرا و خاصِ محبوبِ خدا
 نامِ مبارک پر ترے سو جان و دل میرے ذرا

اتنی تمنا ہے مجھے ور سے نہ خالی کر مجھے
 دو چار حد گواہ تو افتادہ بنی یک طرف
 تن یک طرف جاں یک طرف سرب یک طرف پائیک طرف

نعتیہ اشعار کے انتخاب کے بعد ہم آخر میں ان کے ”مسدس نعتیہ کے چند بند پیش کریں گے۔ اردو
 میں نعتیہ مسدسوں کی تعداد کم ہے۔ یہ مسدس بھی خواجہ الطاف حسین حالی کے مسدس سے متاثر ہو کر
 لکھا گیا ہے۔ اس کے مرتب عبد الوہاب خان لکھتے ہیں۔

”بہت عرصہ ہو اوجب مولانا حالی کے مسدس کا ایک بند جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔
 وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

من کر آپ متاثر ہوئے اور اسی وقت دو بند نعتیہ جو اس مسدس میں ہیں تحریر فرمائے۔“

حافظ منیر الدین احمد منیر نے یہ مسدس خواجہ الطاف حسین کی وفات (۱۹۱۳ء) کے ایک سال بعد یعنی
 ۱۹۱۵ء میں لکھا اور ۲۶ ربیع الاول مطابق ۱۲ اگست (تالیا ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء ہو گا۔) ہائی اسکول
 چھانولی میں صدر جلسہ کی فرمائش پر سنایا۔ اس کے پہلے تین بند حمدیہ ہیں پہلا بند ملاحظہ ہو۔

خدا وہ جو خالق ہر دو جہاں ہے
 زمیں اس کی ہے اس کا ہی آسمان ہے
 ہر اک شے میں شان اس کی دیکھو عیاں ہے
 شجر برک و گل میں وہی بے گماں ہے
 وہی سب کا خالق ہے اور نگہبان ہے
 فرشتے ہوں جنات ہوں یا ہوں انسان

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ع

کا آئندہ سے ملائک نے آکر
 مبارک ہو یہ آپ کو ماہ پیکر
 = انوار حق کا سراپا ہے منکر
 کہ ہو گا کیا نصب عراب و منیر
 = نعم الہی ہے = کف الوری ہے
 حبیب خدا خاتم الانبیاء ہے

ذرا سبز گنبد کے آگاہ خبر لو
 کہ بے کس ہوں میں میرے مولا خبر لو
 میں بیمار غم ہوں مسکا خبر لو
 غریبوں کے بچا دے مولا خبر لو
 منیر حزیں کی سنو عرض شاہا
 تقدیر میں حسنین کے اور خدا را

مدرس کے اشعار روانی، سادگی، سلاست، کیف و اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان ایک "صاحب دل" کی اندرونی کیفیت و حرارت کی پوری طرح محسوس کرتا ہے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا سینہ حب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے دراصل یہ واردات و کیفیات اللہ تعالیٰ کا وہ انعام ہے جو حافظ منیر الدین احمد منیر کو اس کی بارگاہ فیض رساں سے عطا ہوا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
 تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ منیر الدین احمد منیر صدیقی سروردی قصبہ سندیلہ ضلع ہرودئی کی مردم خیز سرزمین میں اپنے شیخ طریقت عارف باللہ حضرت حافظ کرم احمد قدس سرہ العزیز کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و صوفیائے عظام کی محبت اور عقیدت سے معمور عارفانہ کلام ہمیشہ اہل ذوق و شوق کی قلبی پڑھاتا رہے گا۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کے کلام کی مقبولیت کا یہ واقعہ بھی سن لیجیے رئیس الاحرار زعیم ملت مولانا محمد علی جوہر کے ایک قریبی عزیز اندور میں پیر مڑتھے وہ گاہے بہ گاہے ان سے ملنے وہاں آتے ان کا حافظ منیر الدین احمد منیر سے اسی گھر میں تعارف کرایا گیا ان کے ادبی ذوق و شوق کا بھی ذکر ہوا، مولانا محمد علی جوہر ان سے مل کر بہت خوش ہوئے حافظ صاحب نے انھیں اپنے یہاں مدعو کیا۔ مولانا محمد علی جوہر تاریخ و وقت مقررہ پر مدعوین کے ساتھ حافظ منیر الدین احمد منیر کے وہاں گئے دعوت طعام کا اہتمام تھا مولانا محمد علی جوہر نے ان سے کہا حافظ صاحب ان دعوتوں میں تو آئے دن شرکت ہوتی رہتی ہے مجھے تو آپ اپنی روحانی غذا دیجیے خیر یہ تو ایک رسمی بات تھی فراغت طعام کے بعد شعر و سخن کی محفل منعقد ہوئی۔ حافظ منیر الدین احمد منیر نے اپنا اردو و فارسی اور ہندی کا کلام سنایا۔ مولانا محمد علی جوہر ان کے اشعار سن کر بہت محکوم ہوئے اور بڑی کشارہ دلی سے کلام کی تعریف کی۔

راقم الحروف نے یہ مقالہ حافظ منیر الدین احمد منیر کے طبع شدہ مجموعوں کے علاوہ ان کے قلمی نسخے کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے جو نہایت خستہ و بوسیدہ حالت میں تھا یہ نسخہ دیدہ زیب خط شکستہ و نستعلیق میں لکھا ہوا ہے لیکن اس کے کئی صفحات کی روشنائی اتنی مدہم پڑ گئی ہے کہ لفظوں کا پڑھنا ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ حافظ منیر الدین احمد منیر کے جو مجموعے دہلی، اجیر اور جاورے کے پریسوں میں چھپے ان میں کتابت کی غلطیاں رہ گئی تھیں چنانچہ قلمی نسخے نے یہ کی پوری کر دی۔



احمد ہمیش کی ادارت میں

تشکیل سرمایہ

قیمت.... 60 روپے

ایک منفرد ادبی رسالہ

ہندوستان اور جنگلہ دیش کے لئے.... 300 روپے

زر سالانہ.... 200 روپے

پتہ: بلا 18/2-2 (غروب کھینک بلڈنگ) ناظم آباد۔ کراچی 18

کیا نام خدا نام نیا جب لب پہ یہ آ جاتا ہے
تفہیم سے سر جھٹکتے جھٹکتے سجدے میں مقام آ جاتا ہے

نعت رنگ کی اشاعت پر

دلی مبارکباد

زاہد خان اودھمی

کراچی

نعت قرآن اور شاعری

مولانا شاہ محمد تبریزی

اس حقیقت سے فرار اور دلائل قرآنی سے انکار از حد مشکل بلکہ ناممکن و لا حاصل ہے کہ ”شاعری ایک مذموم صفت ہے جبکہ وہ دین و شریعت اور سلوک و طریقت کے خلاف ہو“۔ قرآن کریم فرقانِ حید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا۔

والشعراء یبصمہم الغائن ○ الم تر انہم فی کل وادی یحسون ○ وانہم

یقولون مالا یفعلون ○ (سورۃ الشعراء، آیت ۲۲۳ تا ۲۲۶ پارہ ۱۹)

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں

سرگرداں پھرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو وہ نہیں کرتے۔ (کنز الایمان)

یہ آیت کریمہ دراصل شعرائے کفار کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم، مولائے کل، دانائے سب صلی اللہ علیہ وسلم کی بھجویں اشعار کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ ایسا تو ہم بھی کہہ لیتے ہیں اور ان کی قوم (قبیلہ) کے گمراہ و بے راہ رو لوگ ان اشعار باطلہ، انشاد فاسدہ اور تحیل فاجرہ کو نقل کر لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی اس آیت جلیلہ میں مذمت کی گئی ہے۔

شاعری کس قدر مذموم و مردود فعل ہے اس کا اندازہ اللہ رب ذوالجلال کے اس فرمانِ عالی شان سے ہوتا ہے جو وہ حالتِ غضب میں شعرائے جملاء کو مخاطب کر کے اپنی آخری و پسندیدہ الہامی کتاب قرآن کریم کے پارہ انتیس میں سورۃ الحاقہ کی آیت اکتائیس میں ارشاد فرما رہا ہے۔

وما ہو بقول شاعر اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔

جہاں اللہ رب ذوالجلال نے شاعری کو نہایت ہی بری، قبیح، مذموم اور مکروہ صفت قرار دیا ہے تو وہیں رسول خدائے اشرف الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شاعری کو ایک ناپسندیدہ اور مجہول و مردود فعل گردانا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔

لا یمتلی جوف احدکم قبحاً خبیراً من ان یمتلی شعراً۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ :- اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے

کہ وہ شعر سے پُر ہو۔

ایک مقام پر حضرت ابو حریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔

لا یمتلی جوف الرجل قیحا حتی یریدہ خیر من ان یمتلی شعرا (بخاری و مسلم)

ترجمہ :- کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا جو اسے کھائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو۔

بخاری شریف میں ہی ایک مقام پر حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلوٰۃ و التسلیم نے ارشاد فرمایا۔

فی کل لغو تخوضون

ترجمہ :- شاعر ہر لغو (فصل) بات میں مفرک پائی کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر بخاری شریف میں ہی ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ۔

ما یکرہ ان یکون الذائب علی الاتمان الشعر حتی یعدہ عن ذکرہ اللہ والعلم والقرآن۔

ترجمہ :- وہ شاعری پسندیدہ ہے جو انسان پر غالب آجائے یہاں تک کہ

اللہ کی یاد دہنی علوم اور قرآن کریم سے روک دے۔

لیکن ان تمام قصود کے ساتھ نہ صرف اچھی شاعری کی تعریف کی گئی ہے بلکہ عمدہ اور پاکیزہ خیالات کو اجاگر کرنے، قیمتی تعلقات اور کچھ تعبیریں بیان کرنے والے شعراء کو بیش بہا انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا ہے۔ اہل انصاف اور انصاف صالح اور اعلیٰ کی طرف رغبت دلانے والے شعراء کی توصیف میں رب العزت خود فرمایا ہے۔

انہیں اموا و عملو الفضل و ذکرہ اللہ کبیرا لا تصروا من بعد

ما صموا (۱) و مسلم القین صموا حتی یغلب بقلین (۲) (پ ۱۹)

سورۃ الشرح (۲۲)

ترجمہ :- تم جو ایمان لائے اور اپنے دامن سے اللہ کی یاد دہنی کو

دھکی دیا۔ یا۔ بعد اس کے کہ اس پر علم ہو اور اب بنانا چاہے میں ظالم

کہ کس کدوٹ پر پلنا کھائیں گے۔ (کنز الایمان)

شاعری کی کئی اقسام ہیں لیکن چند اصناف نہایت ہی معروف و معلوم ہیں۔ جن میں ہجو، غزل، نظم، مرثیہ، رباعی، غنّس اور مستزس مقبول اور مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ رزمیہ، بزمیہ، المیہ، طریبیہ، طریزیہ، طرحہ اور عشقیہ شاعری بھی کی جاتی ہے۔

زمانہ جاہلیت (ما قبل از اسلام) میں رومانی و جذباتی شاعری، فحش و عریاں غزلیات و حرلیات، لہجہ بے ہودہ ہجویات و منظومات اور جموٹے قصائد کا خاص رواج تھا۔ لیکن جب ریگستان عرب میں "حق" کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور ایک پاکیزہ و طیب، معطر و مطہر، منزہ و مصفیٰ اور خوش رنگ "نور" دنیا کی طرف بڑھنا شروع ہوا تو کل عالم منور ہو گیا۔ کائنات "مستاب عرب" کی روشنی سے چمک اٹھی، ریک زار گل و گل زار و گل عدار ہو گئے۔ "چمن جہل" گلستان نور بن گیا۔ یثرب "مدینۃ المنورہ" ہو گیا، کعبہ "حرم" ہو گیا۔ ابو بکر "صدیق" عمر "فاروق" عثمان "ذوالنورین" اور علی "اسد اللہ" ہو گئے۔ امرم "زورعہ" ہو گئے، برہ "جویریہ" اور ناصیہ "جلیلہ" ہو گئیں۔ اصنام حرم اوندھے منہ گر پڑے، شمس و قمر سجود ریز ہو گئے۔ کفر تار تار ہو گیا، جہالت ریزہ ریزہ ہو گئی۔ شرک پاش پاش ہو گیا، تاریکی "نور سحر" بن گئی۔ شب دیکھو رنگ و نور سے جگمگا اٹھی، دیرانے سبزہ میں بدل گئے۔ بربریت نے "انسانیت" کا لبادہ اوڑھ لیا۔ بنجل "خنی" اور خنی "غنی" ہو گئے۔ کنزور "جری" اور گرم راہ "ولی" ہو گئے۔

جہاں یہ سب کچھ ہوا، وہاں شاعری کی دنیا میں بھی انقلاب آگیا اور فن شاعری میں ایک نئی صنف، ایک نیا فن، ایک نئے ڈھنگ اور ایک نئے اسلوب نے جنم لیا۔ یہ صنف، یہ فن، یہ اسلوب، یہ طرز، یہ طرح، انسان شاعری میں "نعت" کہلائی۔

جب نعتیہ شاعری کا آغاز ہوا تو رہبر کامل، محسن انسانیت، فخر و جہ تحلیق کائنات، فخر موجودات بانی سلسلہ ممل حسن و خیرات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بوسیدہ غزلوں، فحش نظموں، عریاں و حیا سوز کلام، رومانی و جذباتی، شہوت نفس کو بھڑکانے اور سفلی جذبات کو جلا بخشنے والی تمام عشقیہ و خبیثہ شاعری کو مسترد کر دیا۔ اور اس کی جگہ ثنائے ذوالجلال اور قادر مطلق کی ذات جلیلہ و کبیرہ کو سرچشمہ بصیرت و ہدایت و منانیت اور لطف و کرامت بنایا تو پھر کیا تھا۔ وہی شاعر جو کل تک بھونٹی تعریفوں کے پل باندھا کرتا تھا۔ "ریائے صدق" میں ڈوب گیا، "بحر حق" میں غوطہ زن ہو گیا، لوگ۔ "نعت" کے اس قدر دیوانے ہو گئے کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانہ مظلوم و عقیدت و گل ہائے محبت و الفت پیش کرنے والوں کا ہجوم لگ گیا۔ شعرائے کرام "مدحت خیر البشر" کے آگے شاعری کی دیگر اصناف کو بھول گئے۔

کچھ شاعر تو ایسے "واصل تجی نعت" ہونے لگے کہ انہوں نے اسی کو اپنا اور دھنا، پچھوتا (مقصد حیات) اور قدم ہائے سیدالاسیاد صلی اللہ علیہ وسلم کو ممکن بنالیا۔

نعتیہ شاعری کی تاریخ پندرہ سو سال پرانی ہے اور پندرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آج صرف اور صرف اسی ایک ذات عالی شان کی "شان حق" میں قلم رطب اللسان ہیں، اذبان منزہ و معطر، قلوب، مؤدب و متحر اور افکار متحر ہیں۔ اب تک اس ذات حقیقی کی محبت میں ڈوب کر جو کچھ لکھا گیا ہے اگر ان سب کو یکجا کر لیا جائے تو اس کے رکھنے کے لیے اس کرۂ ارض پر کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ اس ذات حقیقی کی حمد و ثناء الٰہی فرش ہی نہیں الٰہی عرش بھی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چرند و پرند و درند، شجر و جن و بحر، شمس و قمر، کائنات کا ذرہ ذرہ مشغول صلوات و تسبیحات ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شاعری کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

الشعر كلام فحسن، حسن و قبيحہ، قبيح

ترجمہ: شعر کلام ہے، پس اچھا شعر اچھا کلام ہے اور برا شعر برا کلام۔

یہ حدیث کریمہ اس بات پر دال ہے کہ دائرہ اخلاق میں 'شریعت کے موافق (شاعری) جائز ہے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان من الشعر لحکمة فان من البيان سحرا"۔ (بخاری)

ترجمہ: بے شک شعر حکمت ہے اور بیان جادو ہے۔ ایک جگہ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

ان من البيان سحرا، فمن العلم بهلا فان من الشعر حكما" فان من القول بهلا"۔

ترجمہ: بے شک بعض بیان جادو کی مانند اور بعض علم بہت اچھا اور بعض شعر حق پر حکمت اور بعض قول جادو کی مانند ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت انبیاء اور شریعت انبیاء کی تعریف کی ہے۔ آپ حمد و اشعار سماعت فرماتے اور پڑھ فرماتے۔ تاریخ نامہ ہے کہ آپ نے شعرا کے تمام لوگوں سے مزین رکھا، ان کی ہر ممکن خدمات فرمائی، آپ نے ان کے اچھے کلام اللہ تعالیٰ پر پیش کیا، تمام انعامات اور اعزازات و انکسارات سے نوازا۔ ایک ایک وقت میں وہ انہیں مخاطب کرتے تھے اور ان کی فائز و تکلیف فرماتے تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد پاک ہے۔

ان من الشعر حکمتہ۔ (بخاری)

ترجمہ:- کسی شعر میں دانائی بھی ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد گرامی ہے۔

ان من البیان السحر وان بعض البیان مسح۔ (بخاری)

ترجمہ:- بے شک بعض بیان جادو ہے اور بعض بیان جادو نہیں ہے۔

مسلمان نعت گو شعرائے کرام ان تمام قیود و حدود سے آزاد ہیں جو شعرائے فاجرہ و فاجرہ پر قرآن و حدیث نے لگائی ہیں اور جو اس طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں مستثنیٰ کئے گئے ہیں۔ شعرائے اسلام کا استثناء شخص اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ جلّ شانہ، و غمّوالہ، کی ثناء و تحمید، بزرگی و پاکی، تجمید و تحسین اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت، شاکل و خصائص اور ان کی نعوت بیان کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پند و نصائح لکھتے ہیں۔ جذبات ایمانی، فرمان قرآنی اور محاسن اسلام کو اجاگر کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات، مظہر کو بہ شکل شعر ”الہامی زبان“ میں احوال کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اجر و ثواب پاتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”شعر کلام ہے بعض اچھا ہوتا ہے بعض برا“ اچھے کو لو اور برے کو چھوڑ دو“ (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعری میں جس چیز کو سب سے زیادہ پسند فرمایا وہ کفار کی ”ہجو“ تھی۔ ہجو بھی وہ جو اخلاقیات سے گری ہوئی نہ ہو، مغالطات سے خالی ہو اور صرف مذمت کی حد تک ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ہجو کہنے اور اس کے پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے بلکہ ہجو لکھنے اور پڑھنے والے شاعر کے ساتھ مل کر دعا بھی فرمائی ہے اور انعام و اکرام سے بھی نوازا ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے لئے منبر بچھایا جاتا تھا جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے منافق و منافق پڑھتے تھے اور کفار و مشرکین کی بدگوئیوں کا دندان شکن جواب دیا کرتے تھے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان النبى قال لحسان اهجم اوقال هاجهم وجبريل معك۔ (بخاری)

ترجمہ:- حضور نے حضرت حسان سے فرمایا کہ ہجو کو یا فرمایا کہ ان کی ہجو کو

اور جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”تقریباً“ تمام ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی محبت اور حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نعت کہنے، لکھنے، پڑھنے اور سنانے کی سعادت حاصل کی ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ شعر کہنے والے تھے۔“

نعت گوئی جہاں انسانی اخلاق کو سنوارنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے وہیں یہ عبادت کا بھی سب سے بہترین اور عمدہ ذریعہ ہے۔ نعت روح کی غذا ہے، حضرت عبداللہ بن روم، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت کعب بن زہیر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے نعت و منقبت کے پیش باخزانے بارگاہ یکس پناہ میں پیش کئے ہیں۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مطالب و معانی مستنبط ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ شاعری ”عینہ رمن“ اور شاعر ”کینذ الرحمن“ ہے۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلوۃ والسلام نے فرمایا ”بیشک مومن کفار کے ساتھ اپنی کھوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی“ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ”لوگ کھوار سے میرا ساتھ دیتے ہیں کیا زبان سے میری نہیں کر سکتے“

یہ احادیث کریمہ اس بات پر دال ہیں کہ نعت کو شعراء پر رحمۃ اللعالمین کی خصوصی نظر کرم اور رب العالمین کی خاص رحمت ہوتی ہے اور جو کچھ قرآن کریم سے حضور نبی کریم کی ذات بابرکات کے لئے ثابت ہے وہی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

فامسُ سراجاً منیراً و ہادراً

یا لوح کمالاح العیقل المہند

ترجمہ:- روشن چراغ بن کر اور عادی اور راہنما بن کر اور اس طرح چمکے جس طرح میسل کی

تھا (تھا چمکتی ہے)۔

حضرت حسان کا یہ شعر قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

وسراجاً منیراً (پ ۲۲)

ترجمہ :- اے غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ کو چکا دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

امام البرکات عبد الرحمن بن احمد النسفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

قد جاءکم من اللہ نور و النور محمد علیہ السلام لاندہ یهتدی بہ کما مستی

سراجاً۔ (مدارک۔ ج۔ ۱۔ ص ۲۶)

ترجمہ :- بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور نور محمد علیہ السلام

ہیں کیونکہ ان کی نورانیت کی وجہ سے ہدایت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے ان کا اسم شریف ”سراجاً“ رکھا ہے۔

حضرت حسان کے مذکورہ شعر کی تلیق حضرت کعب بن زہیر کے شبیر عالم قعیدہ ”بانت سعاد“ میں

شامل اس شعر سے ہوتی ہے۔ جس کو سماعت فرمانے کے بعد سید السخا صاحب جو دو عطاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ”برویمانی“ عطا فرمائی تھی۔

ان الرسول لسیف یستضاء بہ

مہند من سیوف اللہ مسلول

(بے شک ہمارے رسول یقیناً ”برہنہ تلوار ہیں“ اور اس کی چمک سے نور ہدایت عالم میں پھیل رہا

ہے)۔

مدح حسن محمدی میں حضرت حسان کیوں طراز ہیں۔

واحسن منک لم ترقظ عینی واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبداء من عیب کانک قد خلقت کما تشاء

(اور آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل عورتوں نے کوئی

بچہ نہ جنا۔ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ نے جس طرح چاہا آپ اسی طرح (سراپا

کمال) پیدا کئے گئے ہیں)۔

بے شک معلم کائنات کا روئے مبارک جو جمال الہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا ظہر تھا۔ اس روئے

القدس کو دیکھ کر مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام بے ساختہ پکار اٹھے تھے۔

وجہہ لیس بوجہ کذاب (مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ)

ترجمہ :- ان کا چہرہ مبارک دروغ کو کا چہرہ نہیں

اسی مضمون کو علامہ بوسیری بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاق النبیین فی خلق و فی خلق

للم یلانوہ فی علم الاکرم

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسن و صورت و سیرت یعنی ظاہری و باطنی کمالات کی بدولت عام انسان تو کیا) سارے نبیوں پر فوقیت کا شرف رکھتے ہیں۔ دیگر انبیائے کرام (اپنی اپنی جہالت قدر کے باوصف) نہ تو آنحضرت کی وسعت علم کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی عزت، بزرگی اور سخاوت میں آپ کی ہم سری کر سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو خدا اے وحدہ لا شریک نے تمام انبیائے کرام پر وہ تفوق عطا فرمایا کہ خلق اور حسن اور کمال و خصائل میدہ میں حضور کا نظیر محال اور جاہل و جمال حضور اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ جیسا کہ خود رب العظیم اور رب رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلوٰۃ و التسلیم کی نعت شریف میں قرآن کریم فرقان میدہ میں ارشاد فرما رہا ہے۔ "وَالْفَتْحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا مَجِيَ" اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب شارح قصص النبوة، علامۃ النبوة مفتی مدنیہ المنورۃ (خبروت) علامہ خیر نقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حيث استعير الفتحى من وجهه عليه السلام والليل من صلوه عليه السلام وكفاك شاهداً حيث اس رضى الله عنه قال عليه السلام ما بعث الله نبياً الا احسن الوجه وحسن الصوت وكان بينكم احسن هم وحما واحسن صوتاً۔

ترجمہ :- واقعی میں فقط "فتحی" سے استعارہ اس وجہ میں کہ آپ اور لیل سے استعارہ کیا گیا۔ تعجب کا ہے اور اس پر حدیث انس رضی اللہ عنہ کافی سند ہے جو یہ کہ حضور یہ عالم تھے کہ ہم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی نے "صوت" نہیں ہوا کہ چونکہ حسین و الجمال اور حسین الصوت اور "صوت" کے لیے اس سے زیادہ حسین اور صحت سے زیادہ صحت "صوت" ہیں۔

اس آیت اللہ کی تفسیر میں علامہ ابن عربی رحمہ اللہ نے "نبی" کی تفسیر

الجوان" فرماتے ہیں۔

لم یخلق الرحمن مثل محمد
ابداً و علمی انہ لا یخلق

(نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے مثل محمد کا کبھی اور مجھے یقین محکم ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا)۔
امام ترمذی نے ابو حریرة سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو حریرة فرماتے ہیں۔

مارأیت شیئاً احسن من رسول اللہ کان الشمس تجری فی وجہہ۔ (مشکوٰۃ
المصابیح ۵۱۸)

ترجمہ :- میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت کسی
کو نہیں دیکھا یوں معلوم ہوا کہ آفتاب آپ کے چہرہ مبارک میں چل رہا ہے۔
علامہ قرطبی "تذکرہ" میں فرماتے ہیں۔

لم یظہر کمال حسنہ علیہ السلام والا لما اقامت اعین الصحابہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہم النظر الیہ۔

ترجمہ :- حضور کا کمال حسن ظاہری نہیں ہوا ورنہ صحابہ کرام میں یہ تاب نہ
تھی کہ حضور کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھ سکتے۔

ابو حریرة کے قول پاکیزہ کی تفسیر شیخ صلاح الدین سعدی شیرازیؒ اس شعر میں بیان کرتے ہیں۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من و بہک المنیر لقد نور القمر

(اے حسن و جمال والے اور اے تمام انسانوں کے سردار! آپ کے چہرہ انور سے چاند روشن ہوا
ہے)۔

جس طرح آپ کا روئے انور حسن و جمال ایزدی کا ظہور اور خوبی و کمال کا معدن ہے۔ بعینہ آپ کی
قوت بھی مثل خداوندی ہے۔ آپ جسے عطا کرتے ہیں تو دربارے شمار دیتے ہیں اور جسے نوازتے ہیں تو
رنا پا کو ہر تائب بنادیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بخاری شریف میں ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اتنا سونا چاندی عطا فرمایا کہ آپ میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔“

بقول امام احمد رضاؒ

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دئے ہیں درجے بہا دئے ہیں

سقاوت و عطا جو دو کرم اور لطف و عنایت شاہ اُم کا ذکر کرتے ہوئے شاعر رسولؐ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ یوں رطب اللسان ہیں۔

للمهميم لامنتهى لكبارها و همته الصغرى اجل من الدر

لم راحت لو ان معشار جو دھا علی البر كان البر امنی من البحر

(ان کے ارادے اتنے زبردست ہیں کہ اس کے بندوں کی کوئی انتہا نہیں اور آپ کا چھوٹے سے چھوٹا ارادہ زمانہ سے بڑا ہے۔ آپ کی ہتیلیاں اتنی نخی ہیں اگر ان کی سقاوت کا دسواں حصہ بھی خشکی پر پڑ جائے تو خشکی سمندر سے زیادہ تر ہو جائے)۔

حضرت علامہ مولانا مفتی ابو العزیز غلام نبین امجدی صاحب شارح حدائق بخشش ”وہائق بخشش“ میں فرماتے ہیں۔ ”انھارہ ہزار عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیات بخشش، کرم و نوازش کے سمندر جاری ہیں جس میں ہر ایک کی کشتی حیات تیر رہی ہے، اے محبوب خدا یہ سب کچھ آپ کی اتھاہ اور بے پایاں سمندر کی محض ایک بوند ہے، اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خیرات سے لوگ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں یا یہ کہ آپ کے صدقات سے آسمانوں کے جملہ تارے (شمس و قمر و کواکب) بھی ہیں جو شب و روز چمک کر عالم کو روشن و منور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب آپ کے خزانہ بخشش کے ایک ذرہ کی مقدار ہیں۔“

حضرت حسانؓ کے اشعار قرآن کریم کی اس آیت جلیلہ کے ترجمان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان اعطینک الکثیر ○ (سورۃ الکوثر پ ۳۰)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے آپ کو اے محبوب خیر کثیر (خود مبادی ہو یا اخروی)

مرمت فرمائی ہے۔ (کنز الایمان از امام احمد رضاؒ)

حضرت علامہ نسیم الدین مراو آبادی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”اے محبوب خدا بے شک ہم نے تمہیں فضائل کثیرہ عطا کر کے تمام خلق پر افضل کیا۔ حسن ظاہر

بھی دیا حسن باطن بھی، نسب عالی بھی، نبوت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوض کوثر بھی، مقام محمود بھی، کثرت امت بھی، اعدائے دین پر غلبہ بھی، کثرت فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور نصیبتیں جن کی نہایت نہیں عطا کیں۔

اسی آیت کریمہ کی روشنی میں صحیح البخاری ج- ۲- ص ۵۵۸ اور صحیح المسلم ج- ۲- ص ۲۵۰ میں حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔

وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض۔

ترجمہ :- اور بے شک مجھکو زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

مسند احمد اور طبرانی و خصائص کبریٰ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ معلم کائنات نے فرمایا۔

اعطیت مفاتیح کل شئی

ترجمہ :- مجھے ہر چیز کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔

بقول شاعر:-

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے

محبوب کیا مالک و مختار بنایا

یہ تمام انعام و اکرام عطا ہونے کے بعد حضور نبی کریم صلوٰۃ والتسلیم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا عائشہ! اللّٰہی نفسی بیدم لو مسئلت ربتی ان یجری معی جبال تہامتہ ذہبا

لاجرھا حیث شئت من الارض ولكن احترت الجوع فی النّیاء علی شعبھا

وفقر النّیاء علی غنائھا وتخزى النّیاء علی فرحھا۔ یا عائشہ ان النّیاء

لا تبغی لمحمد ولا لآل محمد۔

ترجمہ :- اے عائشہ! قسم ہے اس ذات مقدس کی جس کی یہ قدرت میں میری

جان ہے اگر میں اپنے رب سے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کی شکل میں طلب

کریں اور انہیں چلتا ہوا بناؤں کہ جہاں جاؤں وہ میرے ساتھ ہوں تو اللہ

تعالیٰ انہیں چلتا ہوا میرے ساتھ کر دے۔ لیکن میں نے دنیا میں بھوک اختیار

کی شکم میری سے اور فقر دنیا قبول فرمایا غنا پر اور قبول کیا اس کی فرحت پر۔

اے عائشہ دنیا زیبائیں محمد اور ان کی آل کے لیے۔

روایات صحیحہ میں منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، سید الملائکہ، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام ربی پیش کرتے ہوئے رب ذو الجلال کا فرمان عالی شان گوش گزار فرمایا۔

انحب ان اجعل هذا الجبال ذهابا وتكون معك اينما كنت۔

ترجمہ :- اے محبوب اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ ان پہاڑوں کو ہم سونا بنا دیں اور وہ آپ کے ساتھ رہیں جہاں آپ تشریف لے جائیں تو ابھی ایسا ہو سکتا ہے۔
علامہ بوسیریؒ ان پیرایوں کو کتنے خوبصورت انداز سے ان کی عملی تفسیر بنا کر پیش کرتے ہیں۔

واللہ الذی جعل الجبال الشم من ذهب

عن نظم فاراھا ایما شم

(بلند پہاڑوں نے سونے کا مین کر حضورؐ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانا چاہا۔ تو حضورؐ نے اپنے بلند توملہ اور استغاثت انہیں ڈکھل دیکھا)۔

لسان عرب کی ممتاز شاعر سید عائشہ باعونیہ حضورؐ کی حقوت و عنایت پر یوں لب کشا ہیں۔

قلوا هو الغیث قلت الغیث العمی

یہمی الغیث نواہ لایزال ہمی

(انہوں نے کہا بارش ہے۔ میں کہتا بارش تو کبھی کبھار موسلا دھار برستی ہے۔ لیکن ان کی بخششوں کی بارش تو متواتر موسلا دھار برستی ہے)۔

علامہ ذہبیؒ محمدؐ پر سیف الدین نے ہاں اس مضمون دارنک اور ہی طرح کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

نبیلہ النہاد کالبجر طام

جودۃ النعفاۃ کتغیت هام

(آپؐ کی عطا کردہ نعمتوں کے لئے سونہ کی طرح جودۃ النعفاۃ ہے، آپؐ کی عطا طلب گاروں کے لئے نبیلہ کی طرح رقیق ہے)۔

مستحقان نعمت کموں و نعمت والوں کو علامہ ابن ماجہؒ نے اپنے تفسیر "المیۃ والنہی للحدیث ابن ماجہ" میں اس محبت و حسن و بے پناہی کے بیان فرماتے ہیں۔

یا مومنین! قد صویٰ مزاہقہا یوسف بلغ العشاء املا

(اے وہ ذات جو عزت و اقبال کو حاوی ہے۔ جن کی نعت گوئی سے عشاق امیدوں کو پہنچتے ہیں۔

یا مدعی الحب فیہ وہو ذو جمالہ‘ وفیہ ہوا جفا ہلا“ واطلالا

(اے محبت کے دعویٰ دار یہی ذات تو محبت کے لائق ہے۔ دنیاوی محبت میں جلا، دو کر گھربار چھوڑ کر کیوں ظلم کرتا ہے)۔

ان کنت تمسقہ‘ مت فی محبتہ‘ فہولہ‘ القلب مشتاق والالا

(اگر تجھے حضور سے عشق ہے تو ان کی محبت میں فنا ہو جا۔ کیونکہ عاشق کا دل مشتاق ہوتا ہے ورنہ نہیں)۔

ایاک والعلل فی الکون یشبہ‘ قلنا فی الحسن اشکالا واشالا

(خبردار انصاف کر! جہاں میں کون ان کا مشابہ ہے۔ بلاشبہ وہ ہر حسین شکل و صورت پر فائق ہیں)۔

عشق و حمد اور نعت و حب کا یہ سلسلہ ہمیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جس جس طرح سے دین اسلام پھیلتا جاتا ہے اس اس طرح سے یہ فن بھی اپنے شباب کو پاتا ہے، معراج کو چھوٹا ہے، عروج پر جاتا ہے۔ ہر شاعر اپنے پاکیزہ تخیل سے ایک نیا شکوہ کھلاتا ہے۔ کوئی گل ہائے عقیدت کو محبت کی ٹہنی پر سجاتا ہے تو کوئی ذرہ فناک پا کو اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے، کوئی چشم تر سے دگر گھربار بھاتا ہے تو کوئی لب لعلین پر مصرع نعت بھاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت آپ کے عم حضرت ابوطالب بن عبد المطلب کے صداقت سے پُر اس شعر میں ہے۔

وعوضت درنا“ لا محالہ اندہ

من خیر ادیان البریت درنا“

(اور آپ نے وہ دین عطا کیا جو یقیناً ”دینا کے بہترین ادیان میں سے ہے)۔

جناب ابوطالب کا یہ شعر اس آیت کریمہ کی بہترین تفسیر ہے۔ اللہ رب ذو الجلال فرماتا ہے۔

ان اللین عند اللہ الاسلام (پ ۳ سورۃ آل عمران)

ترجمہ :- بے شک ہم نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

سورۃ آل عمران میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لعن یتبع غیر الاسلام درنا“ فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین ہ

ترجمہ :- اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا یا پسند کرے گا تو وہ

ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے

قرآن کریم کے اس بیان کو امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہم اپنے انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قرآنہ برہاننا نسخا لادیان مضیت
 اذجاہ نا احکامہ کل الصحف صار العدم
 (ان کا لایا ہوا قرآن ہی ہماری برہان ہے جس نے تمام گزشتہ ادیان کو منسوخ کر دیا۔ اس قرآن کے احکام جب آئے تو تمام صحیفے معدوم ہو گئے)۔
 یہ شعر قرآن کریم کی اس آیت کا بھی مکمل ترجمان ہے۔

مانسوخ من آیات اونسہانأت بخیر منها الفطلھا (پا، سورۃ البقرۃ)
 ترجمہ نہ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس
 جیسی لے آئیں گے۔
 اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مہدی طہیر کا ایک شعر۔

قرآن ہے وہ برہان ہے وہ جو ناطق ادیان ہے
 حکم اس کا نازل ہوا تھے سب صحیفے کا لہم
 صاحب قسیدۃ البرہ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعید بومیریؒ اس آیت کریمہ کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

محکمات فمایتقین من شیء
 لنی شقاق ولا یغین من حکم
 (آیات الہیہ خود حاکم اور ایسا فیصلہ کرنی والی ہیں کہ اختلاف کرنے والوں کے لئے کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑتیں نہ ان کے فیصلے میں کسی منصف کی حاجت رہتی ہے۔)

صاحب شارح قسیدۃ البرہ علامہ ابوالحسن محمد احمد قادری علیہ الرحمہ "طیب الوردہ" میں فرماتے ہیں۔ "بے شک قرآن کریم کسی زائد حکم و ضوابط و قوانین کے لئے محتاج نہیں بلکہ تمام احکام و قوانین اور قواعد و ضوابط اس سے ماخوذ ہیں اور اب کوئی ایسی شے نہیں جو قرآن پر غالب آسکے، تمام کتب و ادیان اس کے بعد کا لہم اور منسوخ ہو گئے۔"

شاہد حضور نبی کریم علیہ السلام کی ولادت و منقبت و صفات کا احاطہ کوئی بشر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کی نمائندگی یہ ہے کہ بس۔ بقول سیدہ عائشہ با مونیہ شامی کے۔

مدحت مجذک و اخلاص ملتزمی
فید وحسن امتلاحی فیک مختمی

(میں نے غلوں کے ساتھ تیری عظمت کی مدح کی اور میری نہایت یہی ہے کہ میں تیری اچھی طرح مدح کرتی رہوں)

میں اپنی اس کج بحث تحریر کو شاعر ثناء خوان رسول کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

ماان مدحت محمد بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

(میں حضور کی منفیت اپنے مقالے میں نہیں کرتا بلکہ حضور کے نام کی برکت سے اپنے مقالہ کو مقبول بنا رہا ہوں)۔

اس شعر کی تفسیر کسی شاعر عجم نے کیا خوب بیان کی ہے۔

کہاں طاقت بشر کو مدح مصطفیٰ شہرے
مدح ذات پاک احمدی جب خود خدا شہرے

وما علینا الا البلاغ



صبح ارض وطن پر ہو نور کی بارش
صدائے نعت سے ہوں ساری بتیاں روشن

دعاگو

غلام مجتبیٰ احدی
کراچی

نعت خوانی کے آداب اور اصلاح احوال و متعلقات

پروفیسر افضال احمد انور

یہ بات طے شدہ ہے کہ "نعت" حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت محمود کو کہتے ہیں۔ خداوند کریم کا حضور پر نور سے محبت کرنا، حضور کی خاطر بزم کن فیکون کو سجانا اور اپنے جملہ ملائکہ کے ساتھ حضور پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہنا نعت ہے۔ (۱) کائنات کا ذرہ ذرہ حضور کی نعت کا مظہر ہے۔ کوئی انسان بظاہر نعت پڑھے نہ پڑھے، نئے نہ نئے، نعت کا سردی آفتابی اور غیر فانی عمل، حیات و کائنات میں جاری و ساری رہتا ہے۔ نعت کا یہ عمل بھی خدا کی حمد کی طرح ازل سے ابد تک محیط ہے۔ ناقص کائنات میں ابھرنے والی دھند کی ہر صدا حمد کا ترانہ ہے اور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ظہور پذیر ہونے والا ہر وجود نعت کا مصرع ہے۔ نعت خدا کی رضا، سید کو نین کی خوشنودی، ایمان کی تازگی، روح کی بالیدگی، قلب و فکر کی پاکیزگی، دنیا کی کامرانی اور آخرت کی کامیابی کا مستند ذریعہ ہے۔ نعت سے عشق کی تعمیر، عقل کی ترقی اور جذبات کی تطہیر و تنظیم ہوتی ہے۔ نعت زندگی کا نکھار بھی ہے اور معیار بھی۔ نعت اسلوب زیست بھی ہے اور مدار زیست بھی۔ نعت، اخلاق عالیہ کی تبلیغ کا ذریعہ بھی ہے اور مساوات و محبت کے نظام عدل کی ترویج کا سبب بھی۔ نعت جزو ایمان بھی ہے نعت طرز عبادت بھی ہے، نعت عقیدت کا ترانہ بھی ہے اور نجات کا پروانہ بھی، کیونکہ یہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور بے پایاں کھوکھو کا نام ہے۔ چونکہ نعت کا تعلق صدق نیت سے بھی ہے اور تشکیل کردار سے بھی لہذا نعت کے مظاہر ان محبت ہیں انہی بے شمار مظاہر میں سے ایک منظوم نعت بھی ہے۔ شاعری کے سانچے میں ڈھلنے کے باعث یہ ادب کا حصہ بھی ہے اور موضوع کے اعتبار سے ورائے ادب روحانی حقیقت بھی۔ عقیدت کی منظوم صورت کو نعت کوئی کہا جاتا ہے اور نعت کی صوت و سمن کے ساتھ پیشکش نعت خوانی کہلاتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ نعت سچا نعت، نعت کسا نعت، نعت سنا نعت اور نعت سننا سب ایمانی سالے کے وہ بلی نرات ہیں جو اپنے مرکز یعنی محبت رسول کے گرد گھومتے ہیں۔

نعت گوئی اور نعت خوانی اگرچہ ایمان و عقیدت کے ایک ہی مظہر کے دو پر تو ہیں لیکن ان میں واضح فرق بھی ہے۔

۱۔ یہ مقامی (محلو نواز قسمی انفرادی) کے نزدیک:

نعت خوانوں اور سنے شام کے کام کے ذریعہ اپنے جذبات و عقیدت کا اظہار

کرتا ہے، جبکہ نعت گو خود اپنے کام کے ذریعہ اپنے جذبات و احساسات کو

بیان کرتا ہے۔ خوش الحانی، مجلسی پہلو، سے نعت کے اثر کو بڑھاتی ہے۔ (۲)
بدر فاروقی کے بقول:

"نعت گوئی میں شاعری فکر کام کرتی ہے اور نعت خوانی میں لہجہ اور ترنم کو زیادہ دخل ہے۔" (۳)

صابر، براری کراچی یوں کہتے ہیں:

"نعت گو اضافہ سخن اور فن سے واقف ہوتا ہے مگر نعت خواں، فن اور فن شاعری سے واقف نہیں ہوتا۔" (۴)

(راقم الحروف کے نزدیک صابر، براری کا یہ کہنا کہ نعت خواں فن اور فن شاعری سے ناواقف ہوتا ہے عمل نظر ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی نعت خواں فن شاعری سے واقف نہ ہو لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ فن نعت خوانی سے بھی نااہل ہو ورنہ وہ نعت خواں ہی نہیں کچھ نعت خواں شاعر بھی ہوتے ہیں اور نعت گو بھی وہ دونوں فن جانتے ہیں مثلاً "اعظم چشتی مرحوم بہزاد لکھنوی، محمد علی ظہوری قصوری، صبیح رحمانی، عزیز الدین خاکی، عبدالستار نیازی ادیب رائے پوری وغیرہ۔
پروفیسر محمد ایوب رضوی کے نزدیک:

"نعت گوئی کا تعلق جذبے سے ہے جبکہ نعت خوانی کا تعلق آواز کے زیر و بم سے ہے۔" (۵)

(راقم کے نزدیک رضوی صاحب کے مندرجہ بالا بیان کا دوسرا حصہ تشنہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نعت کا تعلق آواز کے زیر و بم سے ہے لیکن جذبے کے ساتھ بھی ہے۔ جذبہ نہ ہو تو یہ زیر و بم، نعت کا لہجہ نہیں بنتا۔ جذبہ عشق رسالت مآب نعت گو اور نعت خواں دونوں کا مشترک سرمایہ ہے)
پروفیسر عارف رضا کے بقول:

"نعت گوئی کے ساتھ حسن صوت کی نعت کا عطا ہونا سونے پر سناگے والی بات ہے۔ ترنم کے ساتھ پڑھنے سے نعت میں جذب و اشتہاک بڑھ جاتا ہے اور سامعین پر بھی رقت طاری ہوتی ہے۔" (۶)

نعت کے ممتاز محقق، ماہنامہ نعت کے مدیر اجا رشید محمود، یوں رقم طراز ہیں۔

"نعت گوئی، نعت گوئی ہے اور نعت خوانی، نعت خوانی۔ ایک تخلیق ہے دوسری ترنم۔ نعت گوئی بنیادی کام ہے اور نعت خوانی، فروغ نعت کا اہم ذریعہ۔۔۔۔۔ نعت کہنا سنت خداوندی ہے نعت پڑھنا سنت صحابہ ہے اور نعت سننا، سنت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔" (۷)

وحید الحسن ہاشمی کے نزدیک:

"نعت نگاری ساز ہے اور نعت خوانی سر۔ اگر نعت ہی نہ ہو، تو نعت خواں

پڑھیں گے کیا؟" (۸)

پروفیسر عاصی کرناٹ لکھتے ہیں:

"نعت گوئی میں نعت دل سے چل کر زبان کی سطح پر طلوع ہوتی ہے۔ نعت خوانی

میں نعت زبان سے چل کر دل کی سطح پر نزول کرتی ہے۔" (۹)

طفیل ہوشیار پوری کے بقول:

"نعت گو اپنی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور نعت خواں اپنی عقیدت میں غرق۔

دونوں کے اپنے اپنے احوال ہیں۔" (۱۰)

پروفیسر محمد خاں کلیم کے نزدیک:

"یہ دونوں مقامات ایک دوسرے سے الگ ہیں ان کے تقاضے اور فیوض بھی

جدا ہیں۔" (۱۱)

مندرجہ بالا بیانات سے نعت گوئی اور نعت خوانی کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ نعت گوئی اور

نعت خوانی ایمان و عقیدت کے ایک ہی آسمان کے شمس و قمر ہیں، لیکن بلحاظ تحریر و تقدیم دونوں میں نمایاں

فرق ہے۔ نعت گوئی شاعر کا کام ہے جس کا تعلق تخلیقی جذبوں سے ہے اور نعت خوانی صاحب لہن و ترنم کا

کام ہے جس کا تعلق تبلیغی جذبوں سے ہے۔ نعت گو نعت لکھتا ہے نعت خواں خاص لہن سے سناتا ہے۔

خوش قسمت بے نیے ان دونوں میں سے کوئی ایک سعادت نصیب ہو گئی اور خوش قسمت تر ہے وہ جو ان

دونوں نعمتوں سے سرفراز کیا گیا۔ نعت گو اور نعت خواں دونوں ایک دوسرے کے لیے مدد و معاون اور

لازم و ملزم ہیں کیونکہ بقول اخلاق عارف:

"نعت گو، غلوں کے چل کھاتا ہے اور نعت خواں ان کی خوشبو دور و نزدیک

پھیلاتا ہے۔" (۱۲)

بعض اصحاب نے نعت خوانی پر نعت گوئی کو ترجیح دی ہے۔ چند آرا کا مطالعہ مفید مطلب ہوگا۔

پروفیسر انور مسعود لکھتے ہیں:

"نعت گوئی نشیبت فیہ دینی ہے اور نعت خواں پر اولیت رکھتی ہے۔" (۱۳)

اسی طرح امین الدین دہلوی کے نزدیک بھی:

"نعت گوئی لازم ہے نعت خوانی سے بلند ہے۔" (۱۴)

حلیف اسعدی کا فرمان ہے:

"نعت خوانی نعت کے ابلاغ کا ذریعہ ہے۔ اصل شے نعت ہے۔" (۱۵)

حقیقت میں یہ ہے کہ چونکہ تخلیق و تحقیق میں نعت گوئی کو اولیت حاصل ہے اور نعت خواں لازماً

نعت گو کی کسی ہوئی نعت پڑھتا ہے (خواہ وہ نعت خواں، خود نعت گو بھی کیوں نہ ہو، اس کا تخلیقی عمل نقش اول اور مجلسی و ابلاغی عمل نقش دوم ہی کہلائے گا) لہذا اگر نعت گوئی نہ ہو تو نعت خوانی نہیں ہو سکتی۔ کراچی کے شوکت الہ آبادی نے اپنے انداز میں لیکن ایک دوسرے زاویہ سے نعت گوئی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے نزدیک۔

”کلام میں اگر کوئی عروضی سقم ہو، کوئی حرف دیتا ہو، بحر سے خارج ہو تو یہ سقم ترنم کے سحر میں گم ہو جاتا ہے اور سامعین عموماً اس کی طرف توجہ نہیں کر پاتے۔“ (۱۶)

(لیکن دیکھا جائے تو یہ دلیل زیادہ قوی نہیں کیونکہ کسی عیب کو چھپا لینا، عیب نہیں خوبی ہے۔ دوسرے نعت خواں ترنم کے کیسے ہی جادو کیوں نہ جگالے عروض و تفعیل کے واقف سامعین سے اصل صورت حال چھپ نہیں سکتی۔ لہذا ان کا یہ خیال کے تحت اللفظ کی نعت گوئی میں عروضی سقم نمایاں ہو جاتے ہیں اور اصل حقیقت چھپی نہیں نعت گوئی کی عظمت پر دال نہیں، ویسے بھی مذکورہ بالا سقم شاعر ہی کی جھولی میں ڈالا جائے گا نہ کہ نعت خواں کے ذمے)۔ نعت گوئی کی عظمت زیادہ کھل کر معروف شاعر صبا اختر نے بیان کی ہے:

”وہ نعت خوانی ہو یا نعت گوئی، ذکر رسولؐ بہر حال ایک عبادت ہے تاہم میں اصل اہمیت نعت گوئی کو دیتا ہوں۔ نعت خواں کو اس کے لٹلے یا ترنم کی داد تو دی جاسکتی ہے، شعر کی نہیں۔ اچھی آواز یا ترنم کی داد تو سب حاصل کر لیتے ہیں.... یہ سب کچھ ظاہری سماعتوں کے لیے ہے۔ باطن میں گردش کرنے والی آواز بے آواز ہوتی ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ سچی، کھلتی، کونجی، ہنگاماتی شاعری ایک ایسے نغمہ ریز آہنگ کی طرح ہوتی ہے جسے کسی انسانی نغمگی کی ضرورت نہیں۔ لفظ تو خود آہنگ سے لبریز ہوتے ہیں۔“ (۱۷)

(صبا اختر کا یہ بیان قابل غور ہے۔ بے شک الفاظ باطنی آہنگ سے لبریز ہوتے ہیں لیکن نعت خواں اسی باطنی آہنگ کو ظاہر کا جامہ پہناتا ہے۔ انسانی نغمگی سے کلام کا اثر و آتش ہو جاتا ہے لہذا لے اور لٹلے کی بارود کری کو محض ”انسانی نغمگی“ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔) تاہم ریلوے کا قول بھی قابل ملاحظہ ہے:

”نعت گوئی میں شاعر کی اپنی ذات تمام توانائیوں کے ساتھ شامل ہوتی ہے اور

روح کی بالیدگی کو جو لذت دیتی ہے وہ نعت خواں کو میسر نہیں۔“ (۱۸)

اگرچہ نعت گوئی اور نعت خوانی دونوں سعادت کی چیزیں ہیں لیکن بقول ماجد صدیقی:

”نعت گوئی زیادہ بڑی سعادت ہے۔“ (۱۹)

نعت گوئی کی اولت، افضلیت اور مرکزیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنے حدود و قیود میں نعت خوانی بھی عظیم نعت اور سعادت ہے۔ نعت خوانی محض گائیکی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔ نعت خوانی کی محفل میں بعض 'کیفیتیں' بعض ساعتیں ایسی آتی ہیں کہ برسوں کی عبادت سے بھی شاید حاصل نہ ہوں۔ نعت گوئی سے دلوں کا جلا اتر جاتا ہے جذبہ عشق نکھر جاتا ہے روح کے ساز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سرچکے لگتے ہیں نعت خوانی کے ساتھ ایک خاص وجدانی کیفیت وابستہ ہوتی ہے جس سے نعت کے اثر میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ بقول عبدالغنی تائب:

"بعض اوقات ایک نعت خواں کی جادو بھری آواز کا زیر و بم سننے والے کو نور و

نکمت کی ان روح پرور وادیوں میں لے جاتا ہے جہاں تجلیات الہیہ کی بارشیں

ہیکم ہوتی رہتی ہیں اور انسان کے ایمان و ایقان کو مستحکم کرنے کے ساتھ اس کی

فکری و فطری اور قلبی و روحانی قوتوں کو جلا بخشتی ہیں۔" (۲۰)

اگر نعت خواں کامل آداب کے ساتھ 'ذوب کر نعت سنا رہا ہو اور فیوض و برکات کی بارش بھی ہو رہی ہو تو کام کی ایسی معنویت بھی سامنے آتی ہے جو عام حالات میں نہیں آتی بقول مرزا عبداللطیف:

"ایسے موقع پر نعت گو بھی موجود ہو تو اس وقت اسے اپنی نعت کی حقیقت کا

انکشاف ہوتا ہے۔" (۲۱)

شاید یہی سبب ہے کہ بہت سے نعت گو شعرا نے 'جو نعت کے لمحوں سے محروم ہیں' نعت خوانی کی سعادت کی شدید تمنا کا بھی اظہار کیا ہے۔ مثلاً "محبت خاں بخش لکھتے ہیں:

"میں آج تک نعت خوانی کی سعادت سے بھی محروم ہوں اور ترنم سے بھی۔

اور اس لحاظ سے بھی میں اپنے آپ کو بد قسمت سمجھتا ہوں اور یہ کمی مجھے بری

طرح دکھتی ہے جس پر میں شدت سے سوچتا اور کڑھتا ہوں کہ کاش مجھے بھی

نعت خوانی کی سعادت حاصل ہوتی۔" (۲۲)

پروفیسر محمد اکرم رضا کا کہنا ہے:

"جب کسی ممتاز نعت خواں کو خوش الحانی کے ساتھ دوسروں کا نعتیہ کام پڑھتے

اور مہمانِ رسول کی آنکھوں سے آنسوؤں کے تہرے پھوٹے دیکھتا ہوں تو بے

اختیار یہ احساس ابھرتا ہے کہ کاش یہ نغمہ میرے جذموں کا غماز بن کر

میرے باطن سے ابھرتا۔" (۲۳)

نعت خوانی کا اصل مقصد حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بے پایاں اور سچی محبت کا

ظہار ہے، عیدِ الہیہ، تقسیمِ کرم، نواز ساری بنی لکھا ہے:

نعت خوانی کا پہلا اور آخری مقصد پس پادشاہِ فاما تمام سچیں اور بنے ہوئے

تمام نظریات کا خلاصہ بس یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار کیا جائے۔" (۲۴)

راقم الحروف کچھ خیال میں نعت خوانی کا مقصد یہی نہیں کہ نعت خواں کے حب رسول کا اظہار ہو، نہ شک یہ مقصد بھی ہے لیکن یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ سامعین میں بھی یہی جذبہ بیدار ہو چونکہ نعت خوانی کا تعلق حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاؤ کے اظہار اور عشق حضور کی ترویج و ترقی کے ساتھ ہے لہذا اس کے بے شمار ظاہری و باطنی فوائد ہیں۔ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ نعت خود خالق کائنات نے کہی ہے لہذا نعت یا نعتیہ عمل کا ہر ایک پہلو (نعت کہنا، نعت سنانا، نعت سننا، نعت کی محفل کا انتظام کرنا، نعت گو اور نعت خواں کی عزت کرنا وغیرہ) خدائے بزرگ و برتر کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے۔

نعت چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مرغوب ہے اور آپ نے اپنے صحابہ سے نعتیں سن کر نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ ان پر عطاؤں کی بھی بارشیں فرمائیں لہذا نعت خوانی آج بھی رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چونکہ نعت خوانی آغاز ہی سے مسلم ثقافت کا حصہ رہی ہے لہذا آج بھی نعت خوانی معاشرے کی تطہیر کا باعث بنتی ہے۔ قلم، وی، سی، آر اور پاپ میوزک کے اس دور میں جب نوجوان نعت خوانی کی محافل میں آتے ہیں تو ان کے دلوں میں عشق پیغمبر کی لوار تیز ہو جاتی ہے۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے سامنے مجازی محبوبوں کی ذرا حیثیت نہیں رہتی، یوں ان میں وہ صالحیت پیدا ہوتی ہے کہ زندگی بدل کے رہ جاتی ہے۔ صرف نوجوان ہی نہیں، نعت خوانی کی محافل کے جملہ شرکاء ان فیوض و برکات سے مستمع ہوتے ہیں جو ایسی محافل سے وابستہ ہوتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھتی ہے۔ حضور کی زیارت کا شوق تیز ہو جاتا ہے۔ اپنے گناہوں سے نفرت اور آئندہ اطاعت نبی میں زندگی بر کرنے کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ درنہی پر حاضری کی آرزو شدید ہو جاتی ہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مرنے، جنت البقیع میں دفن ہونے اور جنت الفردوس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی و ابدی رفاقت پانے کی تمنا ہر آرزو پر غالب آنے لگتی ہے۔ یوں تزکیہ نفس ہوتا ہے، اصلاح باطن ہوتی ہے زندگی میں ایک نیا موڑ آتا ہے اور نعت کے محسن کی دنیا و آخرت سنورنے لگتی ہے۔ اس طرح نعت خوانی تبلیغ کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ بقول ملک غلام محمد:

"نعت خوانی ایک عظیم ذریعہ تبلیغ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی تبلیغ کارگر

نہیں ہے۔" (۲۵)

نعت خوانی مادہ پرستی، لادینیت، نفسا نفسی، بے راہ روی اور لامرکزیت کے خلاف موثر ہتھیار بھی ہے نعت خوانی کی عطائیں دیکھنا ہوں تو ان سے پوچھیے جن کی زندگیاں بدل گئیں، جن کے مقدر سنور گئے

جنیس دین و دنیا کی سب کامیابیاں مل گئیں۔ ملک کے معروف نعت خواں سید منظور الکوین رقم طراز ہیں:

”...بخدا ہر روز فجر سے قبل میں حضورؐ کی بارگاہ میں ہوتا ہوں۔ وہ میری سنتے ہیں مدارات فرماتے ہیں۔ جب نوازشات کا سلسلہ اس طرح سے جاری ہو تو پھر میں کیوں شور مچاؤں۔ میں گناہ گار اور سیاہ کار تھا، بے نمازی تھا، بے وضو رہا کرتا تھا، بے سلیقہ تھا، بے ہنر تھا۔ مجھے نور عطا ہوا، میں پابند صوم و صلوٰۃ ہوا۔ میں ظاہر باطن کا پاک اور صاف ہوا۔ مجھے سلیقہ اور ہنر عطا ہوا۔ مجھے دنیا لٹی۔ عقبی لٹی۔ عبادت میں لذت ملی، وظائف میں مداومت نصیب ہوئی، میں کیا عرض کروں مجھے بقدر ظرف میری اوقات سے سوا عطا ہوا....“ (۲۶)

یہاں حضرت سید شبیر علی شاہ صاحب، سجادہ نشین جوہر شریف کا یہ فرمان بھی حرز جاں بنالینے کے قابل

”بڑے بڑے وعا کف سے دو چیز حاصل نہیں ہوتی، جو نعت خوانی کی محفل کے ذریعہ نصیب ہو جاتی ہے۔ بالخصوص حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اکثر ذریعہ نعت خوانی ہی رہتا ہے۔“ (۲۷)

حقیقت یہ ہے کہ نعت خوانی کے جملہ فوائد احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے، ذاتی اصلاح سے لے کر معاشرے کی بہبود تک، محبت و مساوات کی ترویج سے لے کر دنیا بھر میں صلح، خیر اور آشتی کے قیام تک، نعت خوانی مفکر و ذریعہ ہے۔ روحانی فحوض و بہ کثرت تو اس سے بھی سوا ہیں۔

جیسے ہر شخص کو نعت کہنے کا حق حاصل ہے لیکن ہر شخص نعت کو ہوتا نہیں، اسی طرح ہر شخص اپنے کلمے کے مطابق نعت پڑھ سکتا ہے لیکن ہر شخص نعت خواہ ہوتا نہیں۔ جیسے نعت گوئی کے اپنے آداب و اوصاف ہیں، بالکل اسی طرح نعت خوانی کے بھی اپنے خاص آداب و ضوابط ہیں۔ ضروری ہے کہ ایک حقیقی نعت خواہ کی ایسی صفات کا تعین کیا جائے، جن سے وہ غیر نعت خوانوں سے منفرد و ممتاز نظر آئے۔

ایسی بعض اہم صفات درج ہیں۔

۱۔ نعت خواں کو اسلامی تہذیب کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر ایک نعت خواں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سیرت مبارکہ سے متعلق اشعار بنا رہا ہو (جن میں آپ کی سچائی، دیانت، بہادری، علم، شہادت، عظمت، فیاضیت، جلال)۔ یہ نعت خواں (بدقسمتی سے) ہر معاملے میں بددیانت، جھوٹا اور نفاق کی نعت خواں کے نام سے مشہور ہو جائے گا۔ اس کی نعت خواں کو ایسی نعت خواں کہیں گے۔ ویسے ہی نعت خواں کو اپنے محبوب کی ہفامانی کہے۔ اس کے راستے بننے چلے اس کی پسند اور نا پسند کو اپنے لیے ہر شے کا قیاس کرے۔ تو وہ اپنے دھرمی میں جھوٹا قرار پائے گا۔ اس لیے ہر نعت خواں کے لیے

باکروار ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی صورت میں اس کا قال اس کے حال کی مطابقت کرے گا۔ اپنے قال و حال میں اخلاق محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا، یوں تو نعت گو کے لیے بھی ضروری ہے لیکن نعت خواں کے لیے تو اشد ضروری ہے کیونکہ نعت خواں محافل و مجالس میں کثیر لوگوں کے سامنے بذات خود ہوتا ہے اور لوگ اسے سنتے ہی نہیں براہ راست جانتے بھی ہیں لہذا نعت خواں کا نماز روزہ کا پابند ہونا اور معاملات حیات میں صالحیت کا حامل ہونا ضروری ہے۔ بقول نذیر حسین نظامی:

”عقیدت کے حوالے سے نعت خواں کو سب سے پہلے شریعت مطہرہ کا پابند ہونا

چاہیے اور وہ جو شعر پڑھے، ان کو وارد وجود کرتا چلا جائے۔“ (۲۸)

اپنے عظیم منصب اور دعویٰ غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نعت خواں کے لیے لازم ہے کہ وہ چھوٹی بڑی برائیوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے تاکہ اس کا کردار مجموعی طور پر عامۃ المسلمین کے لیے پرکشش اور قابل تقلید ہو اور لوگ قلبی رغبت کے ساتھ اس کی طرف مائل ہوں یہ فروغ نعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مجموعی طور پر بقول لیاقت حسین گیلانی:

”نعت پڑھتے وقت یوں محسوس ہو جیسے نعت خواں، نعت کے سانچے میں ڈھل

گیا ہو۔“ (۲۹)

۲۔ اسے قرآن و حدیث کا ضروری علم ہو۔ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالعہ کا پسندیدہ ترین موضوع ہو، مسائل فقہ سے بھی واجبی واقفیت ضروری ہے اگرچہ نعت خواں ناخواندہ بھی ہو سکتا ہے لیکن کسی کتاب سے نعت پڑھنے، ذوق کے مطابق نعت منتخب کرنے اور اپنی ڈائری میں اسے درج کرنے سے قاصر ہوتا ہے لہذا بنیادی تعلیم اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ علم، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور سیرت مطہرہ پر عمل کے امتزاج ہی سے کوئی نعت خواں، نعت خواں بنتا ہے۔ اردو نعت کے اولین محقق سید رفیع الدین اشفاق رقم طراز ہیں۔

”(نعت خوانی) عشق و محبت کی داستان نہیں ہے، جس کے راگ کو جس نے

بمیا چاہا الاپ لیا..... حقیقت محمدیؐ کو سمجھ کر ان کے مرتبہ کا بیان علم، عقل،

بصیرت اور شاعرانہ صلاحیت چاہتا ہے۔“ (۳۰)

اس حقیقت کے اعتراف کے بغیر بھی چارہ نہیں کہ نعت خواں کے لیے طبعی ذوق، بلند کرداری، عشق سرکارِ مدینہ، مجز و ادب اور نعتیہ لہجہ وغیرہ ہی ضروری ہیں علم انسانی خوبی ہے۔

۳۔ نعت خواں کے لیے نعت کے مخصوص لہجہ کا حامل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا پانی کے لیے تر ہونا۔ اس کے بغیر کوئی نعت خواں، نعت خواں نہیں بن سکتا۔ واضح رہے نعتیہ لہجہ کا تعلق موسیقی کے کسی مخصوص غاندان سے نہیں۔ غزلیں سننے کا عام ترنم بھی یہاں کام نہیں دیتا۔ توالی کا انداز یا قلمی گانوں کا سر لے بھی یہاں کارگر نہیں۔ جس طرح قرآن مجید کو موسیقی کے راگوں یا عام ترنم سے نہیں پڑھا

جاسکتا بلکہ اس کے لیے قرآن مجید کا اپنا خاص نظام قرات موجود ہے بالکل اسی طرح نعت خوانی کا بھی اپنا نظام ہے جو نہ تو موسیقی ہے نہ ترنم نہ قوالی وغیرہ۔ منظور تائیش کے بقول:

"موسیقی یا گانگی کا تعلق نعت خوانی سے قطعاً نہیں ہے۔ نعت گائی نہیں جاتی

اور جن لوگوں نے نعت گانے کی کوشش کی ہے انہوں نے نعت کے ساتھ

زیادتی کی ہے۔" (۳۱)

وہ شعرائے کرام جو شاعرانہ ترنم کے ساتھ نعت پڑھتے ہیں وہ دراصل نعت خواں نہیں بلکہ نعت گو ہیں۔ ایسے اکثر شاعر خود کو نعت خواں کہتے بھی نہیں۔ مثلاً "معروف نعت گو شاعر مظفر وارثی (جن کا ترنم محتاج تعارف نہیں) لکھتے ہیں۔

"(میں نعت) ترنم سے پڑھتا ہوں، نعت خوانی نہیں کرتا۔ نعت خواں غیر شاعر

ہوتا ہے۔" (۳۲)

مفیل ہو شیار پوری مرحوم جس طرح ذوق کرچکے ترنم کے ساتھ نعت سناتے تھے، وہ کسے یاد نہیں۔ وہ بھی یہی لکھتے ہیں:

"میں نعت ہمیشہ ترنم سے عرض کرتا ہوں۔ میں یہاں بھی نعت گو ہی ہوتا ہوں۔

نعت خواں نہیں۔" (۳۳)

یہاں دونوں بزرگ شعرائے کی صدق بیانی قابلِ داد ہے البتہ مظفر وارثی کا یہ کہنا کہ "نعت خواں غیر شاعر ہوتا ہے" محلِ نظر ہے۔ نعت خواں شاعر بھی ہو سکتا ہے اور غیر شاعر بھی۔ جوں سال شاعر سید صبیح الدین رحمانی اور عزیز الدین خاکی کراچی کے معروف نعت خواں ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ سید منظور الکوین کے نعت خواں ہونے میں کس شک ہے؟ وہ نعت گو بھی ہیں۔ اسی طرح ادیب رائے پوری۔ قمر الدین احمد انجم، ریاض الدین سوری، خالد محمود، حافظ مستقیم، عبدالستار نیازی، محمد علی تھوری قصوری، محمد اعظم چشتی مرحوم و منظور وغیرہ کہتے ہم ہیں جو اس خیال کی تائید میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔

نعت خوانی کے لیے گلے کے خاص خداوندانِ خدا کو موسیقی یا ترنم تو نہیں کہا جاسکتا اس کے لیے نعتیہ لہجہ کی قیاد مناسب ہے۔ اس کا اپنا نظام ہے البتہ فن موسیقی سے واقف کار اس فن کو بہتر انداز میں سیکھ سکتا ہے۔ یہ فن خداوندانِ بزرگ نعت خواں سے سیکھا بھی جاسکتا ہے بشرطیکہ خدا نے نعت خوانی کی فطرتی صلاحیت اور مشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ دل میں پہلے سے رکھ دیا ہو۔ محمد ثناء اللہ بٹ لکھتے ہیں:

"فنی لہجہ سے نعت خواں کو صوفی تحیب و فاضل اگر عمل طور پر نہیں تو کچھ

نہ کچھ سوجھ بوجھ ضرور ہونی چاہیے۔ تو از میں وہ جسم کی ہوتی ہیں۔ ایک سر ملی

لہجہ سنی، سنی، سنی۔

سرلی آواز وہ ہے جو آواز کے زیر و بم سے آشنا ہو کر نکالی جائے۔ ریلی آواز وہ ہے جس میں رس ہو، مٹھاس ہو۔

ان دونوں آوازوں کے علیحدہ علیحدہ اثرات مرتب ہوتے ہیں، مگر جب ان دونوں آوازوں کا اکٹھ ہو جائے تو سامعین مسحور ہو جاتے ہیں۔" (۳۴)

یہ سرلی اور ریلی آوازیں نعت کے محن میں اس وقت دھلتی ہیں جب نعت خواں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ عقیدت رکھے بلکہ بقول منصور تائبش:

"عقیدت سب سے پہلے صاحب نعت سے ہونی چاہیے پھر نعت سے اور پھر نعت کے الفاظ سے۔" (۳۵)

ظاہر ہے کہ نعت کے ہر لفظ سے دل عقیدت ہی آواز میں مٹھاس اور کشش پیدا کرے گی۔ یوں نعت خواں اس غنائیت سے آشنا ہو گا جس کا اشارہ عاصی کرتالی نے کیا ہے:

"نعت خوانی کا تعلق صوت و محن سے ہے، جس کی ادائی میں غنائیت کا شعور منعکس ہوتا ہے۔ پورے شعر کو اور اس کے اجزائے لفظی کو آہنگ کے تلازمات کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے، اور اظہار و ادا کی خوش سلیقگی اثر آفرینی کا سامان بنتی ہے۔" (۳۶)

۴۔ نعت خواں کے محن میں سوز و گداز ہونا چاہیے۔ یہ سوز و گداز رقیق القلبی کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ زبان کی مٹھاس، لہجے کی نرمی، دل میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تڑپ روح میں عشق سرکار کی جلوہ سامانی ایسے عناصر ہیں جو نعت خواں پر رقت طاری کر دیتے ہیں نتیجتاً "اس کے محن میں وہ سوز و گداز پیدا ہوتا ہے کہ خود سننے والے بھی نہ صرف یہ کہ عام زندگی میں نرم دل اور پاک باز ہو جاتے ہیں بلکہ نعت سنتے ہوئے ان کی آنکھوں میں سادوں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں، یاد محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تڑپائے رکھتی ہے اور ذکر حبیب کے علاوہ کوئی چیز ان کے دل کو سکون نہیں پہنچاتی۔

۵۔ نعت خواں کے لیے نعت کے ہر معاملے میں ذہنی انتخاب سے کام لینا ضروری ہے۔ یہ انتخاب نعت خوانی کا تقاضا بھی ہے اور نعت خواں کا امتحان بھی۔ یہ انتخاب کئی امور پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

۱۔ نعتیہ کلام کے انتخاب میں انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے۔ مثلاً "ایسا کلام نہ سنایا جائے جو کسی "خاص" آدمی کی فرمائش پر تو مشتمل ہو لیکن درحقیقت نعتیہ کلام نہ ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی دوسرے بزرگ، پیر بلکہ مجازی محبوب سے منسوب ہو۔ بقول سید رفیق عزیزی:

"نعت کسی نے بھی کہی ہو، کیسی بھی کہی ہو، نعت پھر بھی نعت ہے بشرطیکہ اس کا ہر شعر اگر مجرّد آڑھا جائے تو صرف اور صرف سرکار دو عالم علیہ التحیۃ والثناء کی شان میں ہی معلوم ہو اور اسے پڑھ کر یا سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے علاوہ دنیا کی کوئی بھی شخصیت سخن نمنی کی اسکرین پر نظر نہ آنے

پائے۔" (۳۷)

ب ایسے اشعار کا انتخاب کیا جائے جن میں عشق رسولؐ بھی ہو اور ادب و احترام بھی انتہائی درجے کا ہو۔ جن میں حضورؐ کے متانی شان کوئی مضمون، کوئی استعارہ کوئی تشبیہ بلکہ کوئی لفظ بھی ہو تو اسے نعت خوانی کے لیے منتخب نہ کیا جائے۔ ورنہ بے ادبی کا قصور وار اس نعت کے لکھنے والے کے علاوہ یہ پڑھنے والا بلکہ ایسی نعت سن کر وہادہ، مرجا مرجبا کہنے والا ہر شخص بھی ہو گا۔

ج ایسے اشعار کا انتخاب نہ کیا جائے جن میں حضور ختمی مرتبت کو عامیانہ انداز اور عمومی الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیارے نبی ہیں رسول محترم ہیں، ماں باپ، اولاد بلکہ دنیا و دنیا میں سے بیحد کر محبوب ہیں، اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں لہذا انہیں عام انداز و عامیانہ الفاظ سے کیسے بلایا جاسکتا ہے۔ اللہ کریم نے قرآن مجید میں اپنے محبوب کو ان کے اسم ذاتی کے ساتھ "یا محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ کر کیسے مخاطب نہیں کیا بلکہ آپؐ کے لیے ہر تر سے ہر القاب پسند فرمائے۔ ہمیں بھی اس سے نور ہدایت حاصل کرنا چاہیے۔ حضور کو یار، وصول وغیرہ کہنا ادب کے متافی ہے۔ اسی طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تم، تجھ، تیرا، تیری، تیرے، تجھے وغیرہ صیغوں سے بلانا درست نہیں۔ الحمد للہ! اب یہ بات ایک تحریک کی شکل میں آگے پھیل رہی ہے۔ بہت سے شاعر تو، تم وغیرہ کے بجائے "آپ" استعمال کرنے لگے ہیں۔ ایسی نعتوں (جن میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تم نہ کہا گیا ہو بلکہ "آپ" کے صیغے سے مخاطب کیا گیا ہو) پر مشتمل نعتیہ مجموعے شائع ہونے لگے ہیں۔ پہلے ادوار کے بزرگ (جیسے علامہ اقبالؒ، سید مر علی شاہؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ، مولانا ماسر مہدائی وغیرہ) مجددانِ رسالتؐ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا عشق رسولؐ کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے، ان کا معاملہ دیگر ہے۔ ہمیں ہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تم کہہ کر مخاطب کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ بقول راقمِ ادوار:

بلائیں "آپ" کو "تو" "تم" سے، کب مناسب ہے؟

ادب کے لفظ ہی لائیں تو نعت ہوتی ہے

و نعت خوانی کے لیے ایسے اشعار کا قلم "قلعا" "قلعا" انتخاب نہ کیا جائے جن میں نوز باہد، محبوب کبرا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انہی القاب و صفات استعمال ہوئی ہوں۔ بعض ملاحظہ فرمائیں کہ ہر صاحب کی حققت ہمیں تو اسے خدا تک کہہ دیتے ہیں ایسے لوگ اگر نعت لکھیں تو کیا کچھ نہیں کہہ جاتے۔ ایسی نعت، اصل نعت ہے ہی نہیں۔ ہمارے پاس آقاؐ خدا ہیں نہ خدا کے شریک بلکہ وہ خدا کے حبیبؐ ہیں۔ وہ وہاں مجاہد و متصف ہیں اس ذات پر نور پر شہادت کو ہمارے لفظ اللہ خوان کو بھی ایسے اشعار ہی لکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ ہمیں میں نہ تو آپؐ کو مقام الوہیت سے متصف کیا گیا ہو اور نہ جن میں کوئی مصرع

آپ کے متافی شان ہو۔

۱۔ نعت خواں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نعت خوانی کے لیے مناسب سامعین اور مناسب موقع محل کا انتخاب بھی کرے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے دیکھے وہیں (بعض مفادات کی خاطر) نعت پڑھنا شروع کر دی۔ آج کل بسوں، گاڑیوں وغیرہ میں پیشہ ور بھکاریوں نے بھی نعت خوانی کو بھیک مانگنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ ایسے انتخاب میں پہلے نمبر پر جگہ کا پاک صاف ہونا ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ مقام شور شرابے، گالی گلوچ، فحش گوئی اور سوتیانہ پن سے منزہ ہو اور خوب پرسکون ہو۔ وہاں کے سامعین نعت سننے کے مشتاق ہوں، دولت حب نبی رکھتے ہوں اور نعت سننے کے آداب سے آگاہ ہوں تیسرے نمبر پر نعت خواں کسی بے چینی، بے قراری یا شدید دنیاوی ضرورت سے دوچار نہ ہو بلکہ کامل آرام اور سکون کے ساتھ نعت سنا سکا ہو اور اس کی طبیعت بھی نعت خوانی پر مائل ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ "نعت کا انتخاب موقع، موضوع کے لحاظ سے کرے" (۳۸)

مثلاً "میلاد شریف، معراج شریف وغیرہ مواقع کی مناسبت سے متعلقہ موقع کے مناسب حال نعتیہ اشعار منتخب کرے۔ پس سامعین چھپوڑے، جگت باز نہ ہوں، جگہ پاک اور پرسکون ہو، نعت خوان کی طبیعت از خود نعت خوانی پر مائل ہو اور کلام موقع کی مناسبت سے منتخب کیا گیا ہو۔

۶۔ نعت خواں کے لیے حسن تصور بہت ضروری ہے۔ نعت خوانی کے دوران میں اس کے مد نظریہ تصور رہنا چاہیے کہ وہ دنیا جہان کے مادی و اقتصادی مفادات سے دور محض خدا اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے ثناء خوانی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہا ہے اور یہ کہ آقا حضورؐ اسے براہ راست دیکھ رہے ہیں اور اس کی نعت خوانی کو ساعت فرما رہے ہیں۔ اس تصور کے بغیر نعت خوانی میں کش پیدا ہوگی نہ نعت خواں میں روح عقیدت، نہ آواز میں سوز پیدا ہوگا نہ کلام میں تاثر۔ حسن عقیدت کی معراج تو یہ ہے کہ نعت پڑھتے ہوئے خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہو اور براہ راست آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا رہا ہو۔ اگر یہ سعادت حاصل نہ ہو تو یہ تصور ہی کرے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود سن اڑ دیکھ رہے ہیں اور بقول محبوب احمد ہمدانی:

"نعت پڑھتے ہوئے تصور میں گنبد خضرا اور روضہ انور کی جالیوں کا نقشہ سامنے

ہونا چاہیے۔" (۳۹)

توش آخرت، ذریعہ نجات اور طرز عبادت سمجھ کر پڑھی گئی نعت ہی اثر انگیز، اشک ریز اور عطربیز ہوتی ہے۔ ساری توجہ اور سارا اہتمام اس خیال کے گرد گھومنا چاہیے کہ۔

"سرکار رسالت آتب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میری پڑھی ہوئی نعت کا ایک شعر بھی حضورؐ نے قبول فرمایا تو میری اور میرے گھر والوں کی بخشش ہو جائے گی۔" (۴۰)

ترجمہ : ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول بیان کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ کے سامنے نہ لایا جاتا ہو۔ آپ اپنی امت کو ان کے چہروں (یا خصوصی علامات) سے پہچانتے ہیں۔" (۴۵)

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی جملہ صفات خاص عطاء رب تقدیر ہیں۔ چونکہ آپ کا ہر کمال بھی عطائی ہے لہذا کہیں شرک کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اپنی امت کے احوال مشاہدہ فرمانے کا امر اس حدیث شریف سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے۔

ترجمہ : سیدنا ابوامامہ بابلی صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ جب میرا وصال ہوگا تو اللہ تعالیٰ مجھے ہر دور درپڑھنے والے کا درود سنائے گا، حالانکہ میں مدینہ منورہ میں ہوں گا اور میری امت مشرق و مغرب میں ہوگی۔ اے ابوامامہ! اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو میری قبر مبارک میں کروے گا اور میں خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق کو دیکھوں گا اور سنوں گا۔" (۴۶)

ب النبی اقلی بالمومنین من انفسهم (۴۷)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ اس آیت کے ضمن میں مولوی محمد قاسم نانوتوی رقم طراز ہیں:

"یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہوا۔" (۴۸)

ج لما ارسلک الاربحتہ للعالمین (۴۹)

ترجمہ : "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔" (۵۰)

اس آیت کی تفسیر میں عبدالکریم جلی نے لکھا ہے:

ترجمہ : "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحم کرنے کے ساتھ متحقق اس لیے ہیں کہ حضور کا وجود مبارک تمام موجودات میں ساری ہے کیونکہ وہ تمام جہانوں کے لیے میوتی ہیں اور دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا فرمایا ہے لہذا انہوں نے تمام کائنات میں ہاں سران فرمایا ہے جیسے ہر زندہ میں حیات باری و ساری ہے۔" (۵۱)

اللہ کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ شرف بھی عطا کیا ہے کہ آپ بعد وفات جب چاہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا ارشاد گرامی ہے۔

ترجمہ: "ان تمام دلائل اور احادیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم پاک اور روح پاک کے ساتھ زندہ ہیں اور ملک و ملکوت زمین و آسمان میں جہاں چاہیں سیر فرمائیں اور جہاں چاہیں تصرف فرمائیں اور ان کی یہ حیات مبارکہ اسی ظاہری زندگی مبارکہ جیسی ہے جیسے قبل وصال تھی۔ اس میں کچھ بھی تبدیلی نہیں آئی۔" (۵۲)

جیسے اللہ کے فرشتے زمین پر ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے اسی طرح حضورؐ بھی ہمیں چشم ظاہر سے نظر نہیں آتے لیکن یہ ہماری کور نظری ہے۔ آنکھ والوں کو وہ آج بھی اب بھی باقاعدہ نظر آتے ہیں۔ مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسیؒ نے "روح البیان" کے حاشیہ میں یہ ایمان پرورد واقعہ تحریر کیا ہے۔

"ایک مرتبہ حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ میلاد شریف پڑھ رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی "بھی شریک تھے۔ حاجی صاحب سنتے سنتے ایک دم کھڑے ہو گئے اور سب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد حاجی صاحب سے سامعین نے پوچھا، "حضرت! میلاد شریف سنتے سنتے کیوں کھڑے ہو گئے تھے جبکہ قیام کا ذکر بھی نہیں آیا تھا؟" آپ نے فرمایا کہ آپ نے نہیں دیکھا، میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرے ذوق و شوق اور محبت رسول نے فوراً کھڑے ہو کر درود سلام پڑھنے پر مجبور کیا۔" (۵۳)

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جو مثل شہنشاہ جماعتیہ کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا مفتی محمد امین نے یوں کیا ہے۔

سلطان جماعتیہ نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز سے عرض کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ذات ہیں۔ تو حضورؐ ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں؟ سیدنا امام ربانیؒ نے فرمایا، "اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں لیکن دعوت ایک ہی وقت اور ایک ہی وقت ہو۔ اس فرمائش پر جماعتیہ نے امام ربانیؒ کی دعوت کی۔ وقت مقررہ پر سیدنا امام ربانیؒ نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی اور رات کو اسی کے ہاں قیام فرمایا۔ صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلایا اور پوچھا تو فرمایا، "سب نے اقرار کیا کہ امام ربانیؒ نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھا لیا تھا۔۔۔ سن! بادشاہ حیران ہوا۔ سیدنا امام ربانیؒ نے فرمایا۔ اے بادشاہ! میں تو سید عالم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھربیک وقت موجود ہو کر کھانا کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیوں ہر قبر میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے؟" (۵۴)

اس سے یہ اشکال دور ہو جانا چاہیے کہ ایک ہی رات ہزاروں جگہ نعت خوانی ہو رہی ہو تو آقا حضور کسی ایک ہی جگہ تشریف لا سکتے ہیں یا سب مقامات پر جلوہ افروز ہو سکتے ہیں۔ آقا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات کا احاطہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم کے تصدق حضور کے بعض غلاموں کو یہ مقام و شان عطا کیا ہوا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کے خواب میں آئیں تو یہ سرکار کی آمد دیکھ لیتے ہیں۔ قصیدہ بردہ کا یہ واقعہ معروف ہے کہ فالج کی بیماری سے تنگ آکر جب حضرت شرف الدین محمد بومیریؒ نے بغرض استدعا نعتیہ قصیدہ "بردہ شریف" لکھا تو رات کو حضرت طیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے خواب میں وہ قصیدہ سنانے کا حکم دیا اور قصیدہ سن کر بے حد خوش ہوئے آپ نے امام بومیری کے مظلوم جسم پر اپنا دست شفقت و شفا پھیرا تو فالج جاتا رہا پھر آپ نے انہیں اپنی چادر عطا فرمائی۔ صبح بیدار ہوئے تو شفاء کاملہ مل چکی تھی اور خواب والی چادر بچ بچ رہا ہے۔ شیخ بومیری علی الصبح اپنے گھر سے فرحان و شاداں نکلے تو راستے میں شیخ ابوالرباء العدینیؒ ملے جو اپنے وقت کے قطب الاقطاب تھے۔ انہوں نے امام بومیری سے فرمایا اپنا نعتیہ قصیدہ تو سناؤ۔ امام بومیریؒ نے جواب دیا۔ میں نے تو بہت سے نعتیہ قصیدے لکھے ہیں آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔ قطب الاقطاب نے فرمایا وہ قصیدہ جو امن تذکرہ جیوران بنی سلم سے شروع ہوتا ہے۔ امام بومیری نے حیرت سے کہا کہ اے ابوالرباء! یہ آپ نے کہاں سے سنا، میں نے تو یہ لوگوں کو سنایا ہی نہیں اس کا تو صرف مجھے علم ہے۔ ابوالرباءؒ نے فرمایا 'اے بومیری! میں نے یہ قصیدہ گذشتہ رات اس وقت سنا جب تم دربار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قصیدہ کو سن کر انکھار پسندیدگی فرما رہے تھے۔ (۵۵)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ پیر پیراں کرسی پر وعظ فرما رہے تھے۔ دس ہزار آدمی وعظ میں حاضر تھے۔ آپ کی کرسی کے ایک پائے کے قریب حضرت شیخ علی بن ابی بنی بیٹھے ہوئے تھے جو وعظ سنتے سنتے سو گئے، اچانک حضرت شیخ عبدالقادر نے لوگوں سے فرمایا کہ چپ ہو جاؤ۔ سارا مجمع خاموش ہو گیا۔ یہاں تک کہ سانس کے علاوہ کوئی آواز نہ رہی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کرسی سے نیچے اتر آئے اور شیخ علی بن ابی بنی کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے، اور ان کی طرف دیکھتے رہے۔ جب شیخ علی بن ابی بنی جاگے تو آپؒ نے پوچھا، آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسی لیے میں نے ادب اختیار کیا۔ اور سامنے بیٹھ گیا۔ حضورؐ نے تجھے میری مجلس میں بیٹھنے کی وصیت کی ہے۔ شیخ علی بن ابی بنی نے کہا کہ میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا شیخ عبدالقادر جیلانی نے بیداری میں دیکھ لیا۔ (۵۶)

پس ثابت ہوتا ہے کہ سرکارِ مدینہؐ کا نظر آنا یا نہ نظر آنا دیکھنے والے کی بینائی پر منحصر ہے سرکارِ خود سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اسی عقیدہ حسن تصور کو ذہن میں بٹھا کر نعت خوان کو نعت شریف سنائی چاہیے۔

۷۔ مندرجہ بالا حسن تصور کا لازمی خاصہ ہے کہ نعت خوان جب حضور علیہ السلوۃ والسلام کی بارگاہ میں اپنی حاضری پیش کرتا ہے تو اسے کمال درجہ عجز و ادب سے کام لینا چاہیے اور حضور خلاصہ کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے ذکر کا بے حد احترام کرنا چاہیے۔ ذات رسولؐ اور ذکر رسولؐ کی تعظیم حقیقی کے بغیر نعت خوانی محض گلوکاری ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لنمزدوہ و نوقر وہ (۵۷)

ترجمہ : "اور رسولؐ کی تعظیم و توقیر کرو۔" (۵۸)

اس آیت میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی تحریر کرتے ہیں۔

"جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الہی میں گزار دے سب بیکار و مرفوز ہے۔۔۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدار ایمان و مدار نجات و مدار قبولِ اعمال (ہے)۔" (۵۹)

قاضی میاضؒ نے تعظیم مصطفیٰؐ کو محبت کی پہچان قرار دیا ہے۔

لن علامتہ مع کمرۃ ذکرہ تعظیمہ و توقیرہ عند ذکرہ و اظہار الخشوع

ولا تکسار مع صماع اسمہ (۶۰)

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ جب ان کا ذکر کیا جائے تو اس کی تعظیم و توقیر کی جائے اور ان کا اسم مبارک سن کر عاجزی اور انکسار ظاہر کیا جائے۔ ڈاکٹر میاضؒ مجید نے لکھا ہے:

"بارگاہِ رسالت مقامِ ادب ہے اور جس طرح اس کا احترام ہمارے ایمان کا خاصہ ہے اسی طرح نعتیہ مضامین کے انکسار اور پیش کش میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام نہ صرف ضروری بلکہ لازمِ فتن ہے۔ ایمان مہذوبوں یا طرزِ ادا میں کسی قسم کی بے باقی نہ صرف یہ کہ خطا کاری ہے بلکہ ناقص و معالیٰ گناہ بھی ہے۔ بقول عزتِ عالیٰ۔

لن کسبت زبر آسمان از مرشِ نازک تر۔۔۔ جس قسم کہ وہی تیرے جیسے و بایں یہ آئین جا (۶۱)

وہ آیتِ ائمہ رضا خاں بریلوی نے اسے اصل ایمان قرار دیا ہے۔

"ایمان حضورؐ کی تعظیم و محبت کا نام ہے۔" (۶۲)

لن غنائی فی مجلس میں کسی بھی قسم کا لفظ، جیسی نہ اق، نہ جنت بازی، نہ کوئی، نہ کاف، نہ نفی، نہ کلمہ و کلمہ نعت منع ہے۔

۸۔ نعت خواں، چونکہ ثناء خوانی کے وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ہے لہذا اسے خوب پاک صاف ہونا چاہیے۔ اس کا جسم ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو۔ با وضو ہو، لباس پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو، خیالات پاک ہوں، القہہ اسے نفاست و نظافت کا پیکر ہونا چاہیے۔ علامہ اقبال کی اصطلاح میں اسے پاک دل و پاک باز ہونا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ اس نے قیمتی پوشاک زیب تن کر رکھی ہو ضروری یہ ہے کہ اس کا سارا لباس اسلامی وضع کا ہو، صاف ستھرا ہو اور پاک ہو اس نے ایسی غذا یا دوا نہ کھائی ہوئی ہو جس کے باعث اس کا تنفس بوجہ آئینہ ہو کر دوسروں کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو جیسے ہنگ، پیاز وغیرہ۔ منہ کی مغال کے لیے وہ لوہنگ یا لالچئی خورد کا دانہ چبالے تو بہتر ہے۔ اسی طرح مناسب خوشبو کا استعمال بھی مفید رہ سکتا ہے۔ خوشبو نہ تو اتنی تیز ہو کہ ساتھیوں کو زکام ہو جائے یا نزلہ شروع ہو جائے اور نہ اتنی ہلکی کہ پتا ہی نہ چلے بلکہ معتدل و مناسب ہونی چاہیے جیسے گلاب اور موتیے کا عطر وغیرہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پیاری تھی۔ رب کریم نے آپ کے جسم اطہر کو کون و مکاں کی سب سے زیادہ خوشبودار تخلیق بنایا تھا۔ صحابہ آپ کا پسینہ مبارک بیٹیوں کی شادی کے لیے محفوظ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزر جاتے وہ محکم اٹھتا اور صحابہ محض خوشبو سے جان لیتے کہ ہمارے پیارے آقا کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ (۶۳) یہ پیاری محکم حضور کے جسم اطہر کا خاصہ تھی، آپ خوشبو بھی استعمال کرتے تھے لیکن اللہ کریم نے آقائے دو جہاں کا ظاہر و باطن ایسا معطر بنایا تھا کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی پس پاکیزہ خوشبو کو ہمارے آقا حضور سے طبعی مناسبت ہے اسی لیے ان کے حضور کھائے عقیدت پیش کرنے والے ثناء خواں کو بھی معطر ہونا چاہیے بلکہ تمام سامعین کو بھی۔ نفاست و نظافت اور نزہت و نکمت میں رچے بے ہونے کے باوجود کہیں یہ گمان پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اب میں ثناء خوانی کے قابل ہو گیا ہوں بلکہ ان کی بارگاہ میں اس شعر کا مصداق بنے رہتا چاہیے۔

ہزار بار پشیم دہن، ز مشک و گلاب
ہوز نام تو گفتن، کمال بے ادبی ست

نعت خواں کو صحابہ کی یہ کیفیت یاد رکھنی چاہیے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد حضور کا ذکر کرتے ہوئے ان پر طاری ہو جاتی تھی۔ یعنی ”سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کرتے ہوئے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور خشت طاری ہو جاتی تھی اور بعض زار و قطار روتے تھے۔“ (۶۴)

۹۔ اکل حلال مسلمان کی بنیادی پہچان ہے۔ رزق حرام کھایا ہو حرام کی ادنیٰ سے لباس خرید کر پہنا ہوا ہو تو کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ترجمہ : "جنت میں وہ بدن داخل نہیں ہوگا جو حرام (رزق) کے ساتھ

پرورش کیا گیا۔" (۶۵)

رزق حرام صرف گندگی ہے اور نبی طاہر و صلوات اللہ علیہ وسلم کو کب گوارا ہو سکتا ہے کہ ان کا ٹاٹا
خاں حرام کھائے۔ لہذا نعت خاں کو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ رزق حرام سے ہمیشہ بچنا چاہیے
یہ نہ ہو کہ لب پر نعت اور پیٹ میں رزق حرام ہو، یوں تو رزق حلال ہر مسلمان کے لیے از بسکہ ضروری
ہے لکھی نعت خاں کے مقام و منصب کے پیش نظر اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

۱۰۔ نعت خاں کو وسیع الحرف ہونا چاہیے۔ حق کے قبول کرنے کے لیے اس کا دل ہمیشہ آمادہ رہنا
چاہیے چنانچہ اگر نعت خاں کے دوران میں سر محفل کوئی بزرگ کسی غلط مضمون یا لفظ کی تصحیح کرے اور
اس میں وہ حق بجانب ہو، تو نعت خاں کو فوراً اصلاح کر لینی چاہیے۔ جموٹی انا کے پیش نظر منہ سے نکل
چکے پر "اذا نہیں چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث شریف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

حضرت کعب بن زبیر اپنی سابقہ بیابکوں پر نام ہو کر اسلام قبول کرنے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم سے معافی مانگنے میں مدینہ شریف پہنچے تو رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرمایا
اور بیعت کر کے مسلمان کیا۔ اس موقع پر حضرت کعب نے اپنا مشہور قصیدہ "بانت معاد" حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی بارگاہ میں سنایا۔ سب ذوق و شوق اور فرحت و اسباط کے ساتھ سن رہے تھے۔ جب کعب
نے یہ شعر پڑھا۔

ان الرسول لنور يستضاء به

مہتمن یسوف الہند مسلول

(بے شک اللہ کے رسول ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور

وہ بے نیام ہندی شمشیر کی مانند ہیں)

تو آگے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تصحیح کی اور کعب سے فرمایا سیوف الہند کے بجائے
سیف اللہ کو۔ حضرت کعب نے اشارہ پائیا اور اس شعر کو دوبارہ اس طرح پڑھا جیسے محبوب کبریا صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمائی تھی یعنی

مہتمن سیوف اللہ مسلول تو حضور صاحب جوہر صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے ساتھ اپنی
عشق پر مبارک حضرت کعب کو مخاطب فرمایا۔ (۶۶)

خبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح سے شعر کا مضمون معنی پر حقیقت ہو گیا اور اس کی معنیت "تاشیر

اور مقبولیت میں بے حد و شمار اضافہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے نعت خوانوں کو بھی درس لینا چاہیے اور جہنِ اصلاح کو فوراً قبول کر لینا چاہیے اگرچہ شعر کے خالق نے وہ کیسے بھی کہا ہو، مثلاً ”اگر کوئی نعت خواں پڑھے ع“ حضور یار ہیں میرے“ اور کوئی عاشق رسول کہہ اٹھے ”حضور میرے آقا ہیں“ پڑھو تو نعت خوان کو مان لینا چاہیے اگرچہ اس سے شعر کے وزن، قافیہ، ردیف میں بھی فرق پڑتا ہو کہ نعت میں اصل چیز مضمون ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر کہہ و مہ نعت خواں کو بے جواز ٹوکنا پھرے اور مغل کو خراب کرے۔ اصلاح کرنے والے کا صاحب علم و عشق ہونا ضروری ہے۔

۱۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اسم مبارک ”محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر و تقریر میں جہاں بھی آئے، پڑھنے سننے والے پر درود شریف پڑھنے کی جزا اور نہ پڑھنے کی وعید پر بست سی کتابیں ملتی ہیں۔ اور زبان میں آب کوثر (مفتی محمد امین صاحب) درود سلام (راجا رشید محمود صاحب) اور فیضان سنت (مولانا الیاس عطار قادری) جیسی کتابیں بھی موجود ہیں اور اکثر نعت خواں حضرات درود سلام کے فیوض و برکات سے واقف بھی نہیں لہذا نعت خوانی کے دوران میں اسم پاک ”محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہتے ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا چاہیے کہ ایسا نہ کرنا بخیل، بد بختی، تباہی اور محرومی ہے۔ نعت خواں پر یہ تخصیص اس لیے ضروری ہے کہ اس کے پڑھنے سے سامعین میں سے جو کوئی درود پڑھنا بھول گیا ہے وہ بھی پڑھنے لگے گا یوں نعت خواں کو دو ہر ا ثواب ہو گا۔ اگر مصرع کے لفظ کے درود شریف پڑھنے سے لُحْن ٹوٹا ہو تو شعر مکمل کر کے بھی درود شریف پڑھا جاسکتا ہے۔ بعض نعت خواں شوق قافیہ پیمائی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذاتی بار بار لیتے ہیں مثلاً ”مختار ہیں محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) ”غم خوار ہیں محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) ”سردار ہیں محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) ”شہکار ہیں محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) ”بیدار ہیں محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم)..... یونہی قافیہ آرائی کی ترنگ میں ایک دفعہ بھی درود شریف پڑھے بغیر پچاس پچاس بار سرکار ابد قرار کا ذاتی اسم گرامی ”محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتے ہیں اور سامعین بھی الا ماشاء اللہ درود شریف پڑھے بغیر بڑی حیرت سے ان کی تیزی سے چلتی ہوئی زبان اور قافیوں کی جھنکار ہی میں کھوئے رہتے ہیں، درود شریف کا کسی کو ہوش نہیں رہتا۔ یہ امر کتنا تکلیف دہ ہے۔ محمد ثناء اللہ بٹ کس کرب کے ساتھ لکھتے ہیں:

”.... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام نامی یعنی ”محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم)

بار بار کسی نعت پاک میں لینا، میری عقیدت مجھے اس بات کی اجازت نہیں

دیتی۔ سننے والے کبھی بھی آپ کا ذاتی اسم سن کر درود پاک کا درود نہیں کرتے

بھی نہیں مگر اکثریت ایسی ہی ہے۔" (۶۷)

۱۲۔ ایک بحث یہ بھی ہے کہ کیا نعت خواں کو اپنے سامعین کا خیال رکھنا چاہیے؟ اور اگر یہ خیال رکھنا مناسب ہے تو کن کن امور میں سامعین کا خیال رکھنا ہوگا۔ مثلاً "موضوع" وقت، زبان کا انتخاب وغیرہ اس سلسلے میں نعت خوانوں کے دو گروہ ہیں:

پہلے گروہ کا خیال ہے کہ نعت خواں کو اپنے سامعین کا خیال نہیں رکھنا چاہیے جیسا کہ محمد ثناء اللہ بٹ لکھتے ہیں:

"میں نعت پاک پڑھتے ہوئے سامعین کی کسی ضرورت کو پیش نظر نہیں رکھتا۔

میرے پیش نظر خوشنودی و رضا جوئی خدا اور رسول خدا ہوتی ہے۔" (۶۸)

سید منظور الکوین نے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

"میرا فن نعت، شعر و شاعری، موسیقی، پینٹکش کا انداز منفرد ہے میں سامع کو

اپنے معیار اور ذوق کی سطح پر لا کر نعت سناتا ہوں۔ سامع کی سطح پر جا کر نہیں

سناتا۔ میرے دل میں چراغ عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جسے اپنا چراغ

جلا تا ہوں وہ میرے قریب آئے اور لو سے لوملا لے۔ میرے دل میں اگر یہ سائی

ہے کہ جابی کی زبان سے آقا کے شہر کی آرزو بیان ہو تو کوئی مائی کا لال مجھے

میاں محمد بخش سیف الملوک سنانے کے لیے نہیں کہہ سکتا۔" (۶۹)

دوسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ سامعین کا خیال رکھنا چاہیے جیسا کہ محمد نذیر سیالوی نے تحریر کیا ہے۔

"سامعین کی ضرورت کا خیال رکھنا نعت خواں اور محافل نعت کے منتظمین پر

برابر فرض ہے۔" (۷۰)

محمد ارشد اقبال کا کہنا ہے۔

"سامعین و معارضین کی ضروریات کا خیال رکھنا جائے۔" (۷۱)

بقول حافظ مشاق احمد:

"محافل کی نوعیت، سامعین کے ذوق اور استعداد کے مطابق ہی کلام کا انتخاب

کیا جانا چاہیے تاکہ سننے والوں کو فہم تک رسائی ہو سکے۔" (۷۲)

فہم کیا بات تو دوسرے گروہ کا نقطہ نظر زیادہ جامع، یعنی حقیقت اور قرین انصاف ہے۔ سامعین کی

اختیاری زبان، ذہنی استعداد، پسندیدہ موضوع، موقع کی مناسبت وغیرہ کا نعت خواں کو ضرور لحاظ رکھنا

ہا ہے۔ نعت گوئی ایک نجی اور ذاتی عمل ہو سکتا ہے جبکہ نعت خوانی ایک مجلسی بلکہ اجتماعی عمل ہے۔ مجمع میں ہر ذوق کا آدمی ہو سکتا ہے تاہم غالب اکثریت کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر مولانا احمد رضا فاضل بریلوی کے یوم وصال پر لوگ صرف انہی کی نعتیں سننا پسند کریں تو دوسرے کی نعت شروع کرنے سے مجمع میں جو انتشار اور بے چینی پھیلے گی اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اسی طرح میلاد شریف کے موقع پر اس موضوع کا انتخاب ہی نعت خوانی کے لیے بہتر رہ سکتا ہے۔ ملک غلام محمد نے کیا خوب بات کی ہے:

"نعت پڑھتے وقت دو چیزوں کا خیال رکھتا ہوں ایک یہ کہ اتنی لمبی نعت نہ ہو جس سے مجمع اکتا جائے اور نعت مجمع کی سمجھ کے مطابق پڑھی جائے تاکہ کم فہم اور کم علم لوگ استفادہ اٹھا سکیں۔" (۷۳)

آخر حسین قریشی نے مزید مکمل کر کہا ہے۔

"نعت کی ان محفلوں میں جہاں زیادہ تعداد کم پڑھے لکھے لوگوں کی ہو، ان کی فرمائش یا مزاج کے مطابق سادہ اور عام فہم الفاظ پر مبنی نعتیں پڑھتا ہوں۔ اسی طرح جہاں خواص کا مجمع ہو اور لکھے پڑھے لوگ زیادہ ہوں، وہاں علمی اور محاکاتی الفاظ اور ضائع بدائع سے پر ایسی نعتیں پڑھتا ہوں جن میں فکر کی بلندی، خیال کی ندرت اور تاثیر آفرینی زیادہ سے زیادہ ہو..... میں ہر قسم کے اجتماع میں وہاں کے سامعین کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے نعت کو شعراء کا معیار کی کلام ہی پڑھتا ہوں۔" (۷۴)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب سامعین اکتا جائیں یا مختلف جیلوں بہانوں سے بیزاری کا واضح اظہار شروع کر دیں تو نعت خواں کو فوراً ہٹ جانا چاہیے۔ بعض نعت خواں ایسے مواقع پر بالیک نہیں چھوڑتے اور لوگوں کو گتہ بگتہ کرتے ہیں، بہر حال ایک اچھے نعت خواں کو سامعین کا ہر لحاظ سے خیال رکھنا چاہیے۔ نعت خوانی کے اہم آداب کے بعد ضروری ہے کہ موجودہ دور میں نعت خوانی کی محافل میں مشاہدہ میں آنے والی بعض قباحتوں کا بھی ذکر کر دیا جائے جن میں سے اکثر کا تعلق نعت خواں حضرات کے ایسے گروہ سے ہے جو نعت خوانی کے آداب کا کما حقہ لحاظ نہیں رکھتے۔ یہاں یہ وضاحت بے حد ضروری ہے کہ۔

۱ جن قباحتوں کراہتوں اور خامیوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے سب کی سب لازماً "ہر نعت خواں میں قطعاً" نہیں پائی جاتیں، البتہ ان میں سے بعض یا کوئی ایک آدھ کسی نعت خواں میں پائی جاسکتی ہے جس کی اصلاح کی طرف اسے توجہ دینی چاہیے۔

پھر کسی ایک ہی شرم میں جاتے ہیں۔ باقی شہروں کے منتظمین، ”مسکین الطبع“ ہوں تو شرکت نہ کرنے کی وجہ بھی نہیں بتائی جاتی۔ ”شریف الطبع“ ہوں تو جلسے کی تاریخ گزر جانے کے بعد پچپش، ہیفہ، سر درد، بخار، انہماک وغیرہ کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی جاتی ہے اور اگر شترکینہ والے اور شریر الطبع ہوں تو کرایہ اور ایڈوانس واپس کر دیا جاتا ہے۔ کئی محفلوں میں بہ یک وقت بک ہونے کے بعد کسی ایک جگہ جانے کا انتخاب بھی وہاں کے مالی مفادات، سامعین کے اسٹیٹس اور آئندہ کے لیے امکانات کے روشن تر ہونے کی بناء پر کیا جاتا ہے۔

ج اگر سامعین و حاضرین نوٹ کم نچھاور کر رہے ہوں یا بالکل نہ کر رہے ہوں تو لمبے میں بد دلی آجاتی ہے اور ایک آدھ نعت کے بعد مائیک چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر نوٹوں کی بارش ہو رہی ہو تو زیادہ سے زیادہ وقت لیا جاتا ہے اور جب تک آخری آدمی کی جیب سے آخری نوٹ کے ٹکل چکنے کا یقین نہیں ہو جاتا، نعت خواں اسٹیج سے نہیں اترتا۔

د دعوت تو ایک نعت خواں کی ہوتی ہے لیکن بعض نعت خواں اپنے ساتھ تین تین، چار چار شاگرد بھی لے جاتے ہیں اور بہ اصرار و تکرار سب کو ٹائم دلاتے ہیں۔ انہیں اٹھ اٹھ کر اذرواد، واوا، واوا، کہہ کر روپے دیتے ہیں۔ اختتام محفل پر ان شاگردوں سے وہ سارا (یا ۵۰٪) نذرانہ ”بختی استاد و چہرہ کشائی“ لے لیا جاتا ہے۔ (استاد گرامی کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے سر، بازو، ٹانگیں دبانے شاگردوں کے لیے انسانی سعادت ہوتی ہے) بعض اوقات شاگردوں اور دوستوں کو روپے دیے جاتے ہیں تاکہ جب وہ پڑھیں تو یہ اٹھ اٹھ کر انہیں دیں دیکھا دیکھی دوسرے بھی دیئے لگیں گے۔

د اختتام محفل پر جب نذرانے گنے جاتے ہیں تو سامعین کے لیے عجیب و غریب القابات شروع ہو جاتے ہیں مثلاً ”بہت زیادہ پیسے ہوئے ہوں تو کہا جاتا ہے سبحان اللہ، سامعین بہت ذوق والے تھے اور اگر کم ہوئے ہوں تو انہیں بے ذوق، بے بھر، بے نور وغیرہ کہا جاتا ہے۔

د اپنی نعت خوانی کا حوالہ دے کر یا نعت خوانی کی شہرت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر، بڑے چھوٹے مفادات حاصل کیے جاتے ہیں۔ کسی چھابڑی والے کی کھجوریں، جامن، خوبانی وغیرہ اٹھا کر (بغیر اجازت) منہ میں ڈال لینے سے لے کر ممبران اسمبلی، اعلیٰ افسروں اور عمدہ داروں تک رسائی اور مطلب براری ان کے لیے کار آساں ہو جاتی ہے۔ ایسے نعت خواں ہر جگہ ثناء خوانی کا حوالہ دے کر حکمرانی کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا مظاہر دنیا پرستی کو کسی طور مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ کریم کا ارشاد پاک ہے۔

ولا تشربوا من ثمنه قليلا (۷۵)

ترجمہ : "اور میری آیتوں کے بدلے تمہوڑے دام نہ لو۔" (۷۶)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدینؒ مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ علمائے یہود، توریت اور انجیل میں جب سردار انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفت پاتے تو اسے چھپاتے اور ایسی آیات (مشکل بر نعت و توصیف حضورؐ) کو بدل ڈالتے اور اس کے معاوضے میں اپنی قوم سے نکلے وصول کرتے (۷۷) سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت چھپانے کے معاوضے کو اللہ پسند نہیں کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ظاہر کرنے کے معاوضے اور دنیاوی منفعت کو اللہ کیسے پسند کرے گا؟ بے شک ہمارے پیشہ ور نعت خوانوں کا عمل یہودی علماء کے برعکس ہے (کہ وہ نعت چھپاتے تھے) یہ نعت ظاہر کرتے اور سرعام سناتے ہیں) لیکن دونوں کا مدعا (طلب زر، حصول دنیا) تو کہیں ایک نہیں؟ یہ سوال بہت ہجستہ ہوا ہے لیکن کیا اس پر غور کرنا مناسب نہیں؟ ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ : "پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی ان میں کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی، اور پچا ہم کو دونوں کے خذاب سے۔ انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے۔" (۷۸)

اس آیت مبارکہ میں صرف دنیا ظہری سے منع کیا گیا ہے بلکہ "فی الدنيا حسنته و فی الآخرة حسنته" کی طلب کا درس دیا گیا ہے۔ نعت خواں حضرات اگر صرف دنیا پر ہی نظر نہ رکھیں بلکہ آخرت کی چیز پر بھی توجہ دیں تو انہیں دین و دنیا دونوں نعمتیں حاصل ہو جائیں۔ دنیا تو بہر صورت انہیں ملنی ہی ہے وہ اگر دین کی طرف بھی توجہ دیں تو دنیا کے ساتھ دینی سعادتیں بھی حاصل ہوں۔ بات صرف حسن نیت کی ہے۔ روشن دان سے روشنی اور ہوائے تو آنا ہی آتا ہے آواز ازاں آنے کی نیت کرنے سے ثواب بھی مل جائے گا۔ خالی دنیا، محض ٹوٹ، فتنہ مادی فرائد اگر مرکز پر کار مقصود ہوں تو پھر آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ امر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں سمجھایا ہے۔

ترجمہ : "قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے حلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ اس کو بلایا جائے گا اور اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے یہی راہ میں جہاں جاتی کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ

فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے اس لیے قاتل کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے

سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کھونٹ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔" (۷۹)

صحیح مسلم شریف کی اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی ناموری کی نیت سے جہاد کرے اور شہید بھی ہو جائے تو اسے اس کی مراد دنیا میں مشموری تو ملے گی، آخرت میں اس کے لیے سوائے جہنم کے کچھ نہیں اس طرح اگر ایک نعت خواں کے دل کی عیش پہنائیوں اور نیت کی گہرائیوں میں صرف اور صرف روپے کمانا ہی ہے تو روپے تو اسے مل جائیں گے اور بہت زیادہ دلائے جائیں گے لیکن آخرت میں اس کے لیے کیا ہو گا وہ محتاج بیان نہیں۔ اللہ جل مجدہ کا بھی یہی حکم ہے:

وَعَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ (۸۰)

اور اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی از خود ضروری ہے کہ مدحت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش ہو کر نعت سرا کو کچھ ہدیہ، نذرانہ، تحفہ دینا خود سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اور یہ نذرانہ بخوشی قبول کر لینا سنت صحابہ ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیرؓ کو ٹٹاگوئی کے دوران میں اپنی یعنی چار مبارک عطا کی اور انہوں نے قبول کی (اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)۔ پس نعت خواں کو نذر دینا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کا قبول کرنا بالکل جائز ہے۔ یہاں بات صرف اور صرف نعت خواں کی نیت اور ظاہری عمل کی ہو رہی ہے۔ اسے نعت خوانی حضورؐ کے لیے کرنی چاہیے روپے پیسے کے لیے نہیں۔ اگر روپیہ پیسہ کا حصول ہی اس کی نیت کا مدار ہو تو پھر اس کے لیے صرف روپیہ پیسہ ہی ہے آخرت میں کچھ نہیں ہے۔ یہاں ان نعت خوانوں کو بھی عبرت پکڑنی چاہیے جو نعت کی نذر قبول ہی نہیں کرتے اور بھول جاتے ہیں کہ اس نذر کو بخوشی قبول کرنا اور اپنے استعمال میں لانا صحابہ کا دستور رہا ہے۔ نعت خوانی حضورؐ سے قلبی لگاؤ کا نورانی اظہار ہے۔ نعت خواں کو اللہ اور رسول پاکؐ کی جانب سے جو کچھ ملتا ہے وہ احاطہ بیان سے باہر ہے۔ مال دولت بھی، عزت بھی، شہرت بھی، طہارت بھی، قیادت بھی، دنیا بھی، آخرت بھی لیکن آدابے چار اور نعت خواں جو روپوں کے چکر میں گھر کے رہ گیا۔ بقول اقبالؒ

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ کلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

خدا تو نعت خواں کو دین و دنیا کی نعمتیں دینا چاہتا ہو لیکن وہ محض چند ہزار روپوں تک ہی سوچ سکے

حضرت حسان بن ثابتؓ سے لے کر محمد اویس احمد (راقم الحروف کا پانچ سالہ بیٹا جسے صرف ایک نعت شریفہ آتی ہے) تک اللہ پاک نے کسی نعت خواں کی کون سی حاجت پوری نہیں کی؟ کس مقام پر حضورؐ کا کرم خاص ان کے شامل حال نہیں رہا؟ آئندہ بھی ایسے ہی رہے گا لہذا نعت خواں کو دنیاوی شکرات بھلا کر صرف اور صرف خوشنودی، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نعت پڑھنی چاہیے اور دنیا کے مال کے بجائے زیادہ سے زیادہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سمیٹنے کی کوشش کرنی چاہیے۔۔۔

آنکہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحرِ درِ درگوشہ دامن اوست

یعنی حضورؐ کا عشق جس کا سامان ہوتا ہے اس کے دامن کے ایک گوشے میں تمام کائنات ہوتی ہے۔ دنیاوی آلودگیوں سے بچنے کے لیے نعت خوانوں کو راقم الحروف کا مشورہ ہے کہ وہ کیسے معاوضہ طے کر کے نہ جایا کریں۔ اگر نعت خواں غریب اور تہی دست و خالی کیسے ہے تو وہ واجباً کرایہ لے سکتا ہے۔ سامعین کی طرف سے جتنے پیسے ملیں انہیں گنتا نہیں چاہیے بلکہ اسی طرح لا کر گھر میں پہلے سے رکھے ہوئے کسی 'کوک' ڈبے یا صندوقی میں موجود پیسوں میں ملا لیتا چاہیے تاکہ یہ پتا ہی نہ چلے کہ کس محفل سے کتنے پیسے ہوئے۔ نعت کو محض اعمار عشق کا ایک ذریعہ ہی سمجھنا چاہیے روپے حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں۔ اگر نیت سے روپے نکل گئے تو روپوں میں تو پھر بھی کمی نہیں آئے گی البتہ نیت صالح ہو جائے گی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کے ادارہ منہاج القرآن میں جو سالانہ نعت خوانی ہوتی ہے اس میں تمام جتیاں بجا دی جاتی ہیں محض بجلی کی لور جتی ہے کوئی پیسے نہیں لیتا، کوئی پیسے نہیں دیتا۔ سب کی توجہ کا مرکز ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے۔ کاش یہ نظام سارے ملک بلکہ ساری دنیا میں رائج ہو جائے۔ آمین

۲۔ بعض نعت خوانوں کا مسئلہ نمود و نمائش اور ناموری ہوتا ہے۔ ابتدا میں ان لوگوں کی شہرہ خواہش ہوتی ہے کہ انہیں ریڈیو پر کوئی چانس مل جائے۔ اس کے بعد وہ جہاں بھی نعت خوانی کرتے ہیں قیام محفل (منجیکہ میڈی) سے اعلان کرواتے ہیں کہ فلاں صاحب جو ریڈیو، آرٹسٹ ہیں شہر خوانی کے والے ہیں۔ ریڈیو آرٹسٹ بننے کے بعد ان کی نمک وود کا محور بنی دی ہو جاتا ہے۔ ان میں سے بعض تو جامعہ رسول کی منتیں کرتے ہیں بعض سفارشیں دعوے کرتے ہیں، ہر حال انہیں چانس مل جائے تو اپنے نام کے ساتھ بی بی آرٹسٹ کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں بلکہ اپنے ذہن کا رڈ پوچھتے ہیں۔ راقم نے ایک عظیم نعت خواں ریڈیو بی بی آرٹسٹ کے بارہوہ عظیم الشان اور عشق رسول

صلی اللہ علیہ وسلم میں مٹے ہوئے ہوتے ہیں لیکن نام و نمود کے خواہاں اپنے ریڈیو، ٹی وی آرٹسٹ ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ جاوے جا اس فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ دوسرے نعت خوانوں کو اپنے مقام و رتبہ کے سامنے پیچ سمجھتے ہیں، جبکہ بقول سکندر لکھنوی:

”نعت شریف خلوص و محبت کے ساتھ ایک عبادت سمجھ کر خوشنودی خالق کے لیے پڑھنی اور لکھنی چاہیے اور اس کا مقصد نام و نمود اور دنیاوی مفاد نہیں ہونا چاہیے بلکہ توشہ آخرت سمجھنا چاہیے۔“ (۸۱)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

”جنم میں ڈال دیے جانے کی (و عید اس شخص کے لیے ہے جس نے کسی نیک کام کو محض فخر اور ریا کاری کی وجہ سے کیا ہو اور اس کام سے اس کی غرض صرف شہرت کو حاصل کرنا ہو۔“ (۸۲)

شہرت اور داد کے خواہاں نعت خوانوں کی دلی خواہش کئی زاویوں سے مشاہدہ کی جاسکتی ہے مثلاً ”محفل نعت شروع ہونے سے پہلے وہ منتظرین کی فراہم کردہ بیٹھک میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں اور جب کہا جاتا ہے کہ پہلے محفل میں تشریف لے بیٹھے تو وہ کہتے ہیں ہم نے ابھی تیاری کرنی ہے اور آدھ پونا گھنٹہ کپڑوں کی تبدیلی، ڈائری کی ورق گردانی وغیرہ میں لگا دیتے ہیں۔“

ب لباس ایسا پہنتے ہیں جو بہت شوخ ہوتا ہے اور نعت خواں کے مقام و منصب سے فروتر۔
ج جان بوجھ کر محفل میں اس وقت ”تشریف لاتے“ ہیں جب مجمع خوب جم چکا ہو اور آدھے تہائی نعت خواں پڑھ چکے ہوں۔ اسٹیج پر اس شان اور کدو فر سے آتے ہیں کہ سارا مجمع تقریباً ”بل جاتا ہے۔“ اسٹیج پر ہمیشہ نمایاں جگہ بیٹھے ہیں اور اس سے ہاتھ ملا اس سے بغل گیر ہو، اس سے ایک دو باتیں کر، مجمع کی توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں اس سے محفل کا حسن متاثر ہوتا ہے، ایک ہلچل سی پیدا ہو جاتی ہے اور جو نعت خواں پڑھ رہا ہو بری طرح ڈسٹرب ہوتا ہے۔

د اسٹیج سیکرٹری سے اپنی پسند کا ”مناسب ترین“ وقت لیتے ہیں۔

ا عام گفتگو میں بھی یونہی بڑائی کے حوالے دیے جاتے ہیں مثلاً ”کتے بڑے بڑے افسران کی دست بڑی کرتے ہیں، فلاں فلاں محفل میں ہزار ہا لوگوں میں صرف وہی غور سے سنے گئے، فلاں فلاں محفل میں ان کے بعد کسی کو نعت پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی یا یہ کہ جس محفل میں یہ چلے جائیں دوسروں کی کویاں مرماتی ہے وغیرہ وغیرہ۔“

بعض نعت خواں ذاتی پیسوں سے فوٹو کھنچواتے، ویڈیو بنواتے ہیں اور پھر ہر آئے گئے کو دکھاتے ہیں۔ یہ صورت حال اصلاح طلب ہے۔ سادگی، عاجزی، فروتنی، ولاری، ہمدردی اور غم خواری نعت خواں کی اساسی خصوصیات ہونی چاہئیں۔ ایسے نعت خواں کو بھولنا نہیں چاہیے کہ وہ کسی دنیا دار بادشاہ یا راجا کے ہاں قصیدہ خوانی نہیں کر رہے بلکہ واقف اسرار ہر جزو کل صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ یکس پناہ میں اپنی عاجزانہ ماضی دے رہے ہیں۔ غالباً "ایسے ہی نعت خواں کے متعلق راجا رشید محمود لکھتے ہیں۔

زباں پہ ذکر ہے، حکم نیا کا پاس نہیں
گل عقیدت و الفت کی ان میں باس نہیں

۳۔ یہ طے ہے کہ نعت خوانی کا اپنا نظم ہے، اپنا نغمہ ہے اور اپنی روایت ہے۔ جبکہ بقول سعید بدر "نعت خواں محض اپنے ترنم کی بدولت محفل پر چھا جاتا ہے۔ اب تو متعدد نعت خواں حضرات نے یہ ستم کیا ہے کہ خود نعت گو بننے کے شوق میں "قلبی" گانے کے روپ اور لہجے میں نعتیں لکھنے، کہنے اور پڑھنے لگے ہیں جو میرے خیال میں مناسب نہیں۔ اس سے مستثواب کا احتمال ہے۔" (۸۳)

کبریات کے محمد یوسف چشتی کا بھی یہی کہنا ہے:

"نعت خواں کو حرم و ہوس سے دور رہنا چاہیے قلبی گانوں کی بندشوں میں
نعت پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔" (۸۴)

معموماً کچھ عرصہ پیش تک کچھ نعت گو شعراء یا قاعدہ قلبی گانوں، دھنوں اور انداز پر مشتمل نعتیں لکھا کرتے تھے بلکہ جب ان کی نعتیہ کتب شائع ہوتیں تو ہر نعت کے ماتھے پر یہ درج کیا جاتا کہ یہ نعت فلاں گانے کے طرز میں لکھی گئی ہے اور گانے کے بول بھی درج کر دیے جاتے، راجا رشید محمود رقم طراز ہیں:

"ایک زمانے میں۔۔۔ قلبی طرز کی نعتیں بھی لکھی جاتی تھیں، جنہیں لوگ سن کر اصل قلبی گانوں کا بھی مزہ لیتے تھے، جس کی دھن پر نعت پڑھی جا رہی ہوتی تھی اور نعت کا "ثواب" بھی پالیتے ہوتے۔" (۸۵)

آج بھی نہیں نہ نہیں اکاد کا شاعر قلبی دھن پر نعت لکھتا ہے البتہ قلبی دھن پر نعت آج بھی پڑھی جا رہی ہے اگرچہ ماضی کی نسبت اس رجحان میں عاصی کمی آگئی ہے۔ قلم کا فیر اسلامی، فیر اخلاقی ماحول گانے دھنوں کے شب و روز کسی سے چلی نہیں۔ یہی قلبی گانوں کی "دھن" طرز، موسیقی اسی کیفیت ماحول کی پیداوار ہوتی ہے اس حرم کی وہ موسیقی نعت کے لیے اور نعت ایسی "خرافات" کے لیے قطعاً

موسیقی نہیں۔ نعت گو آتی نے گانوں کے علاوہ ایک دوسری شے کی طرز سے بھی روکا ہے۔

”آواز کا ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ گانوں اور غزلوں کی طرز پر نعت

پڑھنے سے پرہیز کرے۔“ (۸۶)

اگر نعت خواں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی عقیدت رکھتا ہے، اس کے دل میں مدینہ منورہ سے دوری کی آتش ہجر روشن ہے، اس کی آنکھیں یاد سرکارؐ میں بھیگی رہتی ہیں، اس کا ذہن نعت کے لفظ لفظ کے معانی، ان سے وابستہ تلازمات اور محاکات سے واقف ہے، اس کی روح پاکیزہ ہے اس کی طبع صالح ہے اس کا مزاج عاجزانہ ہے اور ان سب پر طرہ یہ کہ گلے میں مدنی سوز ہے تو وہ جس انداز سے نعت پڑھے گا وہ نہ گانوں سے ملتی ہوگی نہ غزلوں سے۔ پس نعتیہ سخن کی انفرادیت نعت خواں کے کردار کی انفرادیت سے جنم لیتی ہے۔ مشہور نعت خواں منصور تابش نے لکھا ہے۔

”.....نعت کے الفاظ سے، صاحب نعت سے عقیدت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آواز کے بل پر کوئی غزل، نظم یا کوئی اور چیز گائی اور کہہ دیا کہ نعت پڑھی۔ اس دعوے کے ثبوت میں یہ عرض کروں کہ کچھ فلموں میں بھی نعتیں گائی گئی ہیں۔ ان میں اثر کس حد تک تھا اس کا فیصلہ آپ خود کریں۔ وجہ اس کی صرف عقیدت کا فقدان تھا۔ کچھ مشہور گویوں نے بھی نعتیں گائی ہیں لیکن لوگوں کو متاثر نہیں کر سکے۔ مثلاً ”ملک کے مشہور گلوکار مہدی حسن نے جب یہ نعت ریکارڈ کرائی ”مرحبا سید کی مدنی العربی“ تو میں نے ان سے ایک دو اشعار کے معنی پوچھے تو وہ نہ بتا سکے۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ شراب پی کر نعت پڑھنا تمہیں عجیب سا نہیں لگتا؟ اس پر وہ ہنس کر خاموش ہو گئے میں نے آخر میں اسے یہی کہا تھا کہ تم بہت بڑے گویے ہو لیکن نعت خواں نہیں

او۔“ (۸۷)

غلامہ بحث یہ کہ نعت خواں کو غزلوں، گانوں اور فلمی دھنوں کے طرز میں نعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ صوت و مدد کے حوالے سے بعض نعت خوانوں سے جو غلطیاں صادر ہوتی ہیں ان کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

۱ بعض نعت خواں کھا پھاڑ کر بلکہ چکھا ڈکر پڑھتے ہیں اونچی سے اونچی لے اور لمبی سے لمبی تان کو رد کمال فن سمجھتے ہیں جبکہ بقول محمد نذیر سیالوی:

”موسیقی کے راگوں اور طویل تانوں سے اکثر لوگ بیزار ہوتے ہیں اور بعض

نعت خواں خواہ مخواہ راگوں کی لمبی تانیں کھینچتے ہیں، جس سے نعت کا تقدس بھی

بمروج ہوتا ہے اور سامعین کی دلچسپی بھی۔" (۸۸)

ب بعض نعت خواں 'نعت خوانی کے دوران میں جموٹ موٹ رونا شروع کر دیتے ہیں۔ آواز بظاہر رندمی ہوئی ہوتی ہے لیکن آنکھوں میں نمی تو کجا افسردگی تک نہیں ہوتی۔ اس مصنوعی رقت سے ہو سکتا ہے بعض عاشقان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو رقت طاری ہو جائے لیکن خود اس نعت خواں کو اس ریا کاری سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ راقم الحروف کو ایک محفل میں ایک ایسے ہی نعت خواں کو سننے کا اتفاق ہوا جو مصنوعی رقت کے باعث چھایا ہوا تھا 'اچانک اسٹیج پر کسی نے کچھ کہا اور یہ نعت خواں کھٹکلا کر ہنس دیا اس پر ادا اثر بھی نہ ہوا جتنا ائیر کنڈیشنڈ کمرے سے نکل کر ایک تخت چلپلاتی دھوپ میں آنے سے ہو جایا کرتا ہے۔

ج مذکورہ بالا مصنوعی رقت کے باعث بسا اوقات یوں لگتا ہے جیسے نعت خواں 'نعت نہیں پڑھ رہا بلکہ دوپڑہ کا رہا ہے۔ رونے کا جھوٹا انداز 'چہرے کے ٹیڑھے میڑھے خطوط' بار بار خشک آنکھوں پر انگلیاں پھیرتا جیسے آنسو پونچھے جا رہے ہوں اس ظاہر داری اور دکھاوے کی بے برکی کے باعث نعت کا طرز نہ نعت رہتا ہے نہ مرثیے کا بلکہ دوپڑے کا ایسا انداز میں جاتا ہے جسے سن کر بعض تو مسکرا دیتے ہیں اور بعض ہنس دیتے ہیں العیاذ باللہ۔ اس سے محفل بھی خراب ہوتی ہے اور روحانی اثرات بھی کم پڑ جاتے ہیں۔ صحیح عاشقان حضور جب نعت پڑھتے ہوئے رو پڑتے ہیں تو ان کے آنسو نہیں تھمتے مجمع کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں نہ یہ حال یہ کیفیت خدا کی خاص صلا ہے اسے جموٹ موٹ اپنے اوپر طاری نہیں کرنا چاہیے۔ بعض نعت خواں اپنے کچھ ساتھی بھی ساتھ رکھتے ہیں جو مصرع کے آخر پر صرف لے کو لبہا کرنے کے لیے ہوتے ہیں یہ سب مل کر نعت کو کچ کچ کا دوپڑہ بنا دیتے ہیں۔

د بعض اوقات دوران نعت خوانی میں کسی خاص مصرع یا شعر کی تکرار رنگ لاتی ہے اور بعض اوقات کسی مصرع یا شعر کی بار بار تکرار نہ موقع مل رہی ہوتی ہے نہ کوئی صوتی حسن 'سوائے سامعین کو بے اثر کرنے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بعض نعت خواں ہر شعر کے پہلے مصرع کو تین تین 'چار چار' بلکہ بائیس بائیس کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور نعت خواں محمد ذبیحہ سیالوی کا عمل لکنا اچھا ہے:

نعت خوانی کرتے وقت میں تکرار کو روا تو رکھتا ہوں تاکہ کام کو سب اچھی

طریق سے اور سمجھ لیں لیکن غیر ضروری اور بے اثر کئی تکرار سے بچتا

ہوں۔" (۸۹)

ایک اچھا نعت خواں 'اچھی گھرہ گانے کا ماہر ہوتا ہے۔ یہ گھرہ مضامین کے لحاظ سے بھی ہو سکتی

ہے اور خاص شعری وزن کے اعتبار سے بھی۔ یہ ایک بے حد مشکل فن ہے اس کے لیے مجھا ہوا ذوق انتخاب، وسیع مطالعہ اور بے پایاں حافظہ درکار ہوتا ہے لیکن بعض نعت خواں جو اس فن سے نااہل ہوتے ہیں ایک نعت کے ساتھ دوسری نعت کی گرہ لگاتے چلے جاتے ہیں۔ بعض بزرگوں کے کلام کے اپنے روحانی اثرات ہوتے ہیں جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبدالرحمن جانیؒ، حضرت امیر خسروؒ اور حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ وغیرہ ان کے کلام میں کسی بلند پایہ کلام کی گرہ ہی لگائی جاسکتی ہے۔ بعض نعت خواں اس پائے کے بزرگوں کے کلام کے ساتھ ایسے لوگوں کے کلام کی گرہ لگاتے ہیں جو روحانی فیوض کی اس سطح کے حامل نہیں ہوتے۔ خصوصاً جب متعلقہ کلام کے کہنے والے کے ہوش مند عقیدت مند بھی سن رہے ہوں تو انہیں تکلیف دہ ٹکدر سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لہذا گرہ لگانے والے نعت خواں کو بہت محتاط رہ کر ہی گرہ لگانی چاہیے۔ راجا رشید محمود رقم طراز ہیں:

” (روپیہ کمانے کے مقصد کے تحت) جو شاعر..... لکھتے ہیں وہ عام طور پر رسالت اور الوہیت میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے، ایسے مضامین ہی باندھتے ہیں جن سے نعت پڑھنے والا اور کرنی نوٹ حاصل کر سکے۔ ایسی شاعری میں بے احتیاطیاں بہت ہوتی ہیں۔ فنی بھی اور شرعی بھی، کیونکہ عام طور پر ان نعتوں کے سامعین علم دین کی باریکیوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نعت سننے کے لیے محفل میں آتے ہیں۔ نیز یہ سامعین بنیادی طور پر ترنم اور گائیکی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے بعض نامور نعت خواں، نعت کے چند اشعار کے ساتھ دسیوں غزلیں پڑھ جاتے ہیں اور سامعین اسے نعت ہی سمجھ کر پیسے لٹاتے رہتے ہیں۔“ (۹۰)

بعض نعت خواں حضورؐ کی نعت میں ایسے اشعار کی تضمین بھی سنا جاتے ہیں جو کسی پیر صاحب کی منقبت ہوتے ہیں۔

و وہ نعت خواں جو دو دو کھٹے بلکہ آدمی آدمی رات تک نعت خوانی کر سکتے ہیں وہ ایک کے بعد دوسرا کلام شروع کر دیتے ہیں اور حمد، نعت، منقبت کے مضامین کی پیش کش میں حفظ مراتب کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ سب سے پہلے پیر صاحب کی منقبت پڑھی، پھر حمد یا ترتیب کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ نعت خوانوں کو پہلے حمد، پھر نعت، پھر منقبت کلام سنانا چاہیے۔ اسی ترتیب میں برکت ہے۔ معروف نعت خواں محمد یوسف میاں نے لکھا ہے:

”بزرگوں نے کچھ اصول مقرر کیے ہیں کہ پہلے حمد باری تعالیٰ، پھر نعت شریف، پھر مناقب اور آخر میں وقت اور محفل کی مناسبت سے عارفانہ کلام ہونا چاہیے، وہ بھی بوقت ضرورت ورنہ صرف اور صرف نعت شریف ہی پڑھی جائے۔“ (۹۱)

ز بعض نعت خواں مایک پر آجائیں تو وقت کی نزاکت، سامعین کے مزاج حتیٰ کہ باقی ماندہ نعت خوانوں کی کثیر تعداد کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ اسٹیج سیکریٹری جتنی مرضی دفعہ ان کے پاؤں کو دبا کر بس کرنے کا اشارہ کرے وہ نہیں مانتے بس پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مجمع کے تکدر کا باعث بنتے ہیں اور سامعین کو بھی بیزار کرتے ہیں۔

ح بعض نعت خواں ایک مصرع پڑھ کر مجمع کو دعوت دیتے ہیں کہ سب ساتھ مل کر پڑھیں۔ دو سووں کو ساتھ ملا کر پڑھانے کی غایت اولیٰ نعت خواں کا خود سانس لینا اور آرام آرام سے پڑھنا ہوتا ہے۔ نعت خواں نیپ کے مصرع کا پہلا لفظ کہہ کر چپ ہو جاتا ہے اور باقی مجمع لہک لہک کر پورا مصرع پڑھتا ہے۔ اس کے لیے عجیب و غریب فقرے کہے جاتے ہیں مثلاً

”زور زور سے پڑھیے، اتنی زور سے کہ مدینہ منورہ میں تشریف فرما حضورؐ سن لیں“

”اتنی زور سے پڑھیے کہ تمہاری آواز ستر گنبد سے ٹکرا جائے“

”اے میں جتنا مشتق سے ملیں اے علیہ وسلم ہے اتنی ہی زور سے پڑھو“

”اگر دیکھو کہ ہمیں پڑھ رہا وہ بد عقیدہ ہے“

”جتنا مل کا دودھ پیا ہے اتنی زور لگا کر پڑھو“

یہ تکلیف دہا علم کر دینش ہر جگہ مسموع دیکھنے میں آتے ہیں۔ کوئی ان من چلوں کو روکنے والا نہیں۔ ہمارے حضورؐ کی رسم صرف رحیم علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہی چٹھاؤ کا کیا کام۔ چیخ چٹھاؤ سے تو ضبط نہیں کاغذ ہے۔ نعت خواں کا تو چیخ چیخ کر پڑھنا بھیجی ہو سکتا ہے (وہ بھی جب بجلی بند ہو اور وہ بھی نعل کو لگا کر غرضی سامعین تک پہنچانے کے لیے) مگر سامعین کو ان جرم کی مزا میں اتنا زور لگانے کو کتنا ہمارے حضورؐ سے ہمارے مشتق رسالت کیا کام ہے۔ وہ کیا ہے اے علیہ وسلم جو دلوں کی نعت پڑھتے ہیں وہ کلاموں کی خاموش فریادیں تو جان خدا سننے پر قادر ہیں کیا ان کی بارگاہ میں یوں کلام لگاتے ہیں کہ قطعاً نہیں تو بھی ہو ملک کرام سے یوں نہیں پڑھتے اے علیہ وسلم ہے۔

يا ايها الذين امنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له

بالقول كجهربعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تعلمون (۹۲)

ترجمہ : ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر

نہ ہو۔“ (۹۳)

اللہ! کتنا ادب سکھایا جا رہا ہے اور یہاں خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر سمجھنے کے باوجود کس طرح ذاتی سانس لینے اور لے بھال رکھنے کے لیے دوسروں کو اذیت دی جاتی ہے۔ نعت خوانوں سے یہ فن بعض مولوی صاحبان نے بھی سیکھ لیا ہے وہ بھی گا گا کر اور گواگوا کر تقریر کرنے لگے ہیں۔ تکلیف دہ صورت حال اس وقت اور بھی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے جب نعت خواں اعلان کرتا ہے:

”جو زور زور سے میرے ساتھ مل کر نہیں گا رہا اسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی محبت نہیں۔“ بعض ستم طریق تو کلمہ طیبہ پڑھنے کو بھی کہتے ہیں۔ جب مجمع کلمہ پڑھ چکتا ہے تو نعت خواں اعلان کرتا ہے: ”جس جس نے کلمہ پڑھا ہے اسے اس کلمے کی قسم ہے‘ زور زور سے میرے ساتھ مل کر پڑھو۔“ راقم الحروف کے نزدیک ایسی قسمیں دینے کا کوئی جواز نہیں۔ نہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے ساتھ گانے سے وابستہ ہے۔ اب سائنسی دور ہے حالات بدل چکے ہیں، سامعین آگاہ احوال ہیں اب ان فرسودہ حروں سے باز آ جانا چاہیے۔ نعت خواں کو چاہیے کہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ خود نعت شریف پڑھتا رہے اور مجمع کو بالکل نہ کہے۔ اگر کہے بھی تو سامعین کے ذوق پر پھوڑ دے جو چاہے پڑھے جو نہ چاہے نہ پڑھے لیکن سامعین ہر صورت مدھم ترین آواز میں پڑھیں جیسے زیر لب پڑھتے ہیں نعت خواں اور سامعین خود کو بارگاہ نبوت میں حاضر سمجھ کر ادب کا دامن ہاتھ سے نہ پھوڑیں۔

۲۔ بعض نعت خواں بڑے دبنگ ہوتے ہیں۔ منتظمین محفل ان کی ناز برداریاں کرتے ہیں۔ محفل کے درمیانی وقت میں آتے ہیں اور اپنی پسند کا نمبر رکھواتے ہیں۔ اپنی باری پر نعت پڑھ کر اپنے گھر کی راہ لیتے ہیں۔ اپنے مابعد نعت خوانوں کو نہیں سنتے۔ یا تو انہیں گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے یا انہیں کسی اور محفل میں جا کر پڑھنا ہوتا ہے۔ ان کے جانے سے کچھ اور نعت خواں بھی ان کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ محفل سمٹنے لگتی ہے۔ یہ ویسے بھی زیادتی ہے کہ کچھ نعت خواں تو اختتام محفل تک بیٹھے رہیں اور کچھ اپنی

باری بھگتا کر چلتے ہیں۔

اس قباحت کا ایک حل یہ ہے کہ منتظین ایسا اہتمام کریں کہ جس نعت خواں کو جتنے روپے عوام کی طرف سے ہوں وہ ایک لفافے میں ڈال کر اس پر مذکورہ نعت خواں کا نام لکھ کر اسٹیل کر لیں اور یہ لفافہ اپنے پاس رکھ لیں۔ جب محفل ختم ہو تو ہر نعت خواں کو اس کا لفافہ اور اپنی طرف سے دیا جانے والا اعزاز یہ دے دیا جائے۔ یقیناً کوئی نعت خواں لفافہ لیے بغیر نہیں جائے گا اور محفل کا رنگ خراب نہیں ہوگا۔

راقم الحروف ایک محفل نعت میں اسٹیج سیکرٹری تھا۔ سردیوں کی رات تھی۔ ایک نعت خواں میرے پاس ایک بیچے کے قریب آئے اور آتے ہی کہا۔ ”دیر سے آنے کی معذرت“ دراصل ہمارے ہاں فوجی ہو گئی ہے اور مجھے ابھی جا کر جنازہ پڑھنا ہے لہذا زرا جلدی پڑھو ادیں ”راقم کو اس کے اس جذبہ سے (کہ وہ تیار جنازہ پھوڑ کر محفل سرکار کی نعت خوانی میں شرکت کے لیے آگئے ہیں) بے حد کیف حاصل ہوا۔ چنانچہ جو نعت خواں نعت پڑھ رہا تھا میں نے اس کے پاؤں کو انگلی سے دبا کر ان (جنازہ میں شرکت کرنے والے) کو وقت دے دیا۔ یہ صاحب کوئی بیس منٹ تک پڑھتے رہے۔ اس کے بعد دو تین سو روپیہ جو نذر ہوا تھا اکٹھا کیا اور سلام دعا کر کے چلے گئے۔ اگلے دن میں فاتحہ کے لیے ان کے گھر کی طرف جا رہا تھا تو پتا چلا کہ ان کے ہاں تو سرے سے کوئی فوت ہی نہیں ہوا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ صاحب ایک محفل بھگتا کر آرہے تھے اور ہمارے ہاں سے جانے کے بعد انہوں نے شرکی دوسری ٹکڑی ہونے والی محفل نعت بھی لوٹی تھی اور یہ کہ ایسے مواقع پر جنازہ پڑھنے کا بہانہ ان کا مخصوص طریقہ واردات ہے۔ اس سے جو راقم کو دکھ ہوا ہوگا اس کا اندازہ کیا ہی جاسکتا ہے) کاش! اے کاش! میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے نعت خواں زر پرستی سے نکل کر صرف اور صرف خوشنودی خدا اور رسول کے لیے نعت پڑھنا شروع کریں۔

۵۔ بعض نعت خواں پڑھتے ہوئے تاثیر پیدا کرنے کے لیے عجیب و غریب ڈرامائی حرکتیں کرتے ہیں۔ انہیں اپنا ”بانڈ باندھا“ ایک دو قدم آگے پیچھے ہونا پڑھتے پڑھتے یک لخت چپ ہو جانا اور پھر یک لخت پانی تراز کے ساتھ اشارت دینا حتیٰ کہ بعض ”مقامات حال“ پر سر کی ٹوپی کو اتار دینا یا واسکٹ اتار دینا۔ یہ سب سیدھے سادے ان پڑھ سامعین کو انہیں نہ کھولے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے دیکھتے رہے تو ان واقعات حال زور لب مسکراتے رہتے ہیں۔ نعت شریف پڑھتے ہوئے جس عاجزی اور محبت کی ضرورت ہے وہ انہیں میں نہیں آتی۔

۶۔ اگر کسی غلط مضمون یا شان رسالت کے متافی لفظ پر کوئی بزرگ سامع روکے، تو بھی بعض نعت خواں برا مانتے ہیں۔ حالانکہ انہیں فوراً ”تھجھ کر لینی چاہیے۔“

۷۔ بعض نعت خواں اپنے ساتھ مخصوص شاگرد یا دوست لاتے ہیں جو نیچے بیٹھے ایک کے بعد دوسری نعت کی فرمائش کرتے چلے جاتے ہیں اور اس نعت خواں کو زیادہ سے زیادہ وقت مل جاتا ہے جبکہ دوسرے نہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اس طور پر مزید پڑھنے کی فرمائش صرف اسٹیج سیکریٹری کو کرنی چاہیے اور عوام کو بھی اپنی فرمائشیں چٹ اسٹیج سیکریٹری ہی کو دینی چاہیے آگے وہ خود مناسب فیصلہ کرے گا۔

۸۔ بعض نعت خواں اسٹیج سیکریٹری کو بائی پاس کرتے ہوئے اپنی نعت ختم کرنے کے بعد اپنے کسی دوست نعت خواں کا اعلان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے مالتے ہیں۔ حالانکہ ایسا اعلان ان کے منصب کے متافی ہے یہ اعلان تو نقیب مجلس کو کرنا ہوتا ہے۔ حد یہ کہ جس کا اعلان ہوتا ہے وہ اس نعت خواں کے مائیک چھوڑنے سے پہلے ہی آبرا ہٹان ہوتا ہے اور اسٹیج سیکریٹری نہ دیکھتا رہ جاتا ہے کسی دوسرے جلسہ میں یہ نعت خواں اعلان کرنے والے نعت خواں کا نیوٹا اتار دیتا ہے اور انجمن سائنس باہمی فعال رہتی ہے۔ یہ صورت حال کس قدر اصلاح طلب ہے۔

۹۔ بعض اوقات وقت کی قلت اور نعت خوانوں کی کثرت کے باعث کسی نعت خواں کو وقت نہیں ملتا۔ وہ بے حد ناراض ہوتا ہے اور اسے اپنی حق تلفی قرار دیتا ہے۔ واجبی اعزازیہ کے باوجود اس کی ناراضگی نہیں جاتی۔ ایسے احباب کو وقت کی نزاکت کا پاس کرنا چاہیے اور اپنی شمولیت ہی کو سرکار کے دربار میں حاضری تصور کرتا چاہیے۔

۱۰۔ بعض نعت خواں محفل سے پہلے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ اس سے گیس پیدا ہونے، نیند کا غلبہ ہونے اور سانس پھولنے کی شکایات پیدا ہو سکتی ہیں۔ بد ہضمی ہو جائے تو ڈکار آنے، منہ کڑوا ہونے اور ہنگی لگنے کی تکالیف بھی ممکن ہیں۔ کسبہ مشق اور تجربہ کار نعت خواں تو نعت خوانی سے پہلے کھانا نہیں کھاتے البتہ نو آموز یہ غلطی کر جاتے ہیں اور محفل سے پہلے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ نو وارد نعت خوانوں کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

۱۱۔ بعض نعت خواں اپنے ساتھی نعت خوانوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے۔ اس کے مظاہر کی طرح سے دیکھنے میں آتے ہیں:

۱۔ ایک نعت خواں پڑھ رہا ہو تو یہ اپنے ساتھی سے باتیں شروع کر دیں گے اور نعت خواں کو تنگ کریں گے۔

ب ایک دوسرے کو نعتیہ کلام نہ دیتا۔

ج نعت خوانی کے دوران میں کسی نعت خواں سے لُحْن اور لے کی غلطی ہو جائے یا شعر غلط پڑھ دیا گیا ہو تو یہ (تسائی میں سمجھانے کے بجائے) سرعام 'آواز بلند اس کی غلطی نکالتے ہیں اور یوں اپنی دانست میں اسے بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ بعد میں بھی احسن طریقے سے بتائی جاسکتی تھی۔ ہاں اگر نعت خواں سے کوئی شعر 'مصرع' یا کوئی لفظ شان نبوت کے منافی زبان سے نکل جائے تو فوراً "روک ٹوک دیتا چاہیے۔

د محفل نعت کے خاتمے کے بعد کھانے یا چائے وغیرہ کے لیے یا شبِ ببری کے لیے بعض نعت خواں کسی بینک، حویلی یا ایوان میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی پھلیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً جو نعت خواں غیر حاضر ہوں ان کے متعلق ایسے ایسے تبصرے کیے جاتے ہیں کہ گرامر کی کوئی غلطی نہیں ہونے دی جاتی۔ حدیہ کہ ان کے لہجوں کی نقلیں اتاری جاتی ہیں 'ان کے خاندانوں کے لئے لیے جاتے ہیں وغیرہ۔ اگرچہ حقیقی نعت خواں ان قباحتوں سے دور رہتے ہیں لیکن جن میں یہ خامیاں ہیں انہیں ضرور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

و بعض نعت خواں اپنے شاگردوں پر باپ کی طرح مہربان ہوتے ہیں لیکن بعض انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ انہیں سکھاتے تو واجبی ہیں لیکن ان سے خدمتِ بہت زیادہ لیتے ہیں کہہ کہہ کر تحفے تحائف منگوانا بس ویکن کا کرایہ ان سے دلوانا جیسی قباحتوں کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔

۱۲۔ بعض نعت خواں 'مدر محفل' (آر دہ لیٹ ہوں) یا حضور قبلہ پیر صاحب (جو محفل میں مدعو ہوں) کے آنے سے پہلے نعت نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ جب مجمع عروج پر ہو گا صرف اسی وقت پڑھیں گے۔ اسی طرح خدا نخواستہ بجلی چلی جائے تو نہیں پڑھیں گے۔ یونہی اگر ویڈیو کا پروگرام بھی ہو تو ویڈیو سے پہلے نہیں پڑھیں گے ان تمام امور سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نعت خواں خوشنودی خدا و رسول کے لیے نہیں بلکہ 'ادبِ شہت' اور نمود و نمائش کے لیے ہی نعت سرا ہوتا ہے۔

۱۳۔ بعض نعت خواں غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین محفل میں بھی وہ چٹکلے بازی سے باز نہیں آتے اور مزاحیہ جملے کہہ جاتے ہیں مثلاً "ایک محفل میں نعت خوان نے پڑھا:

ج مدینے میں بھی آؤں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تو ستم خریف نے فوراً اسی آواز سے کہا:

ج اب آج یہ لڑائی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس صورت حال کو کسی طور مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔
۱۴۔ بعض نعت خواں پان منہ میں لے کر اسٹیج پر بیٹھتے ہیں، حالانکہ نعت خوانی کی محفل میں سگریٹ، پان، پیڑ، سگار وغیرہ چیزوں کا استعمال مناسب نہیں۔ نعت خواں کو تو محفل سے ہٹ کر عام زندگی میں بھی ان چیزوں کو منہ نہیں لگانا چاہیے جیسا کہ سید منظور الکونین نے تحریر کیا ہے:

”نعت خواں کو صوم و صلوٰۃ کا پابند، ہمیشہ با وضو اور نیک خصائل کا مالک ہونا

چاہیے۔ اسے ہر حال میں شیریں مقال ہونا چاہیے۔ سگریٹ نوشی، نسوار

خوری اور نشے کی ہر قسم سے منہ کو پاک رکھنا از حد لازمی ہے۔“ (۹۴)

منہ میں الاٹچی خورد، لونگ یا سونف رکھی جاسکتی ہے۔

۱۵۔ ایک اعلیٰ مسلمان کی بہترین خصوصیات نعت خواں میں پائی جانی چاہئیں۔ نعت خواں کے با کردار ہونے کی ضرورت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن بد قسمتی سے چند نعت خواں اس اہم پہلو کی طرف توجہ نہیں دیتے مثلاً ”جب کوئی نعت خواں بغیر ٹکٹ گاڑی میں سفر کرتا ہے تو یہی جواز پیش کرتا ہے کہ ہم شاء خواں ہیں سب ایس ٹی ہمارے دوست ہیں، روز سفر کرتے ہیں۔ ریلوے ایس ٹی صاحبان تو بے شک کچھ نہ کہیں لیکن دوسرے دیکھنے والوں کی آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ ایسے نعت خوانوں کو فوراً اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

مندرجہ بالا قباحتوں کی طرف اشارہ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ خدا نخواستہ ہر نعت خواں میں پائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے عاشق رسول، کردار کے بلند، مزاج کے منکسر، طبع کے عظیم اور ظاہر باطن کے پورے ہوتے ہیں۔ البتہ جن نعت خوانوں میں یہ یا ان میں سے کوئی خامی پائی جاتی ہو اسے اس کی اصلاح کرنی چاہیے تاکہ نعت کی فضا ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو جائے۔

نعت خوانی کے حوالے سے بعض دیگر امور بھی قابل غور ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ عورتوں کی نعت خوانی ^{مستحب} محافل، جلسائے کائنات مولائے کل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی محبت اور عقیدت میں مسلمان خواتین مسلمان مردوں سے پیچھے نہیں۔ مسلمان خواتین بھی اپنے گھر، عیس میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سناتی ہیں اور نعت خوانی کی محافل بھی سجاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کی نعت خوانی جائز ہے۔ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ کی بچیوں نے نعتیہ کلام گا کر خود حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور انہیں یہ عمل اچھا لگا تو باقی مسلمان خواتین کے لیے بھی نعت خوانی کے دروازے کھل گئے۔ نعت کے

اشعار یوں شروع ہوتے ہیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعی للہ داع

ایہا المبعوث فینا جنت بالامن المطاع

ترجمہ : ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، وداعی ٹیلوں سے، ہم پر شکر ادا کرنا ضروری ہے اس دعوت پر جو اللہ کے لیے دعوت دینے والے نے دی۔ اے ہماری طرف بھیجے گئے (رسول) آپ کامل اطاعت پیام لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس روایت سے نہ صرف عورتوں کی نعت خوانی کا جواز ملتا ہے بلکہ مل کر (بہ یک زبان ہو کر) نعت پڑھنے کا ثبوت بھی سامنے آجاتا ہے۔

ارشاد شاکر اعوان مندرجہ بالا اشعار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے تعلق تسلیم نہیں کرتے۔ ("طلع البدر علینا" کا تعلق اس واقعہ (آمد مدینہ) سے بیان کیا جاتا ہے، وہ درست نہیں (۹۶) ان کے نزدیک ان اشعار کا تعلق اس استقبالی گیت سے ہے جو سرکار کی تبوک سے واپسی پر پیش کیا گیا (۹۷)۔ ان کے نزدیک سرکار کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے وقت بنی بخاری بیٹوں نے یہ گیت گایا تھا۔

نحن جوارد من بنی بخار

یا حبیبنا محمد من جار

"طلع البدر علینا" قطعہ کا تعلق واقعہ تبوک سے جوڑنا، ارشاد شاکر اعوان کی اولین تحقیق قطعاً نہیں۔ خود امام قسطلانی نے بنی شمر و مدائن کے ساتھ اس پر بحث کی ہے اور مختلف علماء کے اقوال کا موازنہ کیا ہے جس سے اختلاف رائے کُل کر مانتے آجاتا ہے۔ تبوک سے تعلق کی ایک ہی دلیل ہے کہ مکہ سے مدینہ آئیں تو سیات الوداع نہیں آتی البتہ شام سے مدینہ آئیں تو ٹیلے "سیات الوداع" آتے ہیں۔ ۹۸۔ ۹۹۔ نزدیک امام قسطلانی کی قیادت سے دو قوی ثبوت ملتے ہیں جو ان اشعار کا تعلق مدینہ منورہ آمد سے ثابت کرتے ہیں ایک یہ کہ امام قسطلانی نے پہلے خود ان اشعار کو آمد مدینہ سے متعلق لکھا ہے۔ اور محدث کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ دوسرا قسطلانی قراوتی کی ہیں اور آخری رائے ابن العزاقی کی تحریر کی ہے کہ جس بھی سمت سے آج وہاں مسافروں کو رخصت کرنے کا شینہ ہوتا ہے جو اس سمت کا شینہ الوداع ہوتا ہے۔ اس قول پر بحث قائم کرنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ تمام اختلافی آراء کے باوجود امام قسطلانی

ان اشعار کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ سے مانتے ہیں۔ یہی معروف ہے اور یہی صحیح ہے۔
 بنی ہنار کی بچیوں کا گیت ہو یا مدینہ کی عام عورتوں کا گیت ہو، بہر حال خواتین کی نعت خوانی پر دلیل ہے۔

خواتین کی نعت خوانی کے لیے ضروری ہے کہ یہ محفل پردے میں منعقد ہو جہاں غیر مرد نہ ہوں۔
 خواتین بادخو ہوں، ان کا لباس باریک نہ ہو بلکہ اسلامی احکامات کے مطابق ہو، نعت خواں عورتوں کی
 اور محفل کی چار دیواری سے باہر نہیں آنی چاہیے۔ وہاں چھوٹے بچوں کا شور شرابا بھی نہیں ہونا
 چاہیے۔ مختصراً ”ادب و احترام کے تمام تقاضوں کو پورا ہونا چاہیے۔“

ب۔ صلوٰۃ و سلام کی محفلیں بھی نعت خوانی ہی کا حصہ ہیں۔ نعت خوانی کی ہر محفل کا اختتام صلوٰۃ و
 سلام پر ہوتا ہے۔ منظوم صلوٰۃ و سلام بڑے ادب سے کھڑے ہو کر پیش کیا جاتا ہے جسے قیام بھی کہا جاتا
 ہے۔ کیا یہ قیام (دست بستہ کھڑے ہو کر بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنا) درست
 ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ حضرت امداد اللہ ماجر کی نے یوں کر دیا ہے:

”رہا اعتقاد کہ مجلس مولد میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے
 ہیں اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا، حد سے بڑھتا (ہے) کیونکہ یہ امر عقلاً و
 نقلاً ممکن ہے..... اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک
 ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا
 ہوں۔“ (۹۹)

مجلس نعت کے آخر میں جب سلام پڑھا جاتا ہے تو درج ذیل تکلیف وہ مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔
 ۱۔ بعض نعت خواں سلام بہت طویل کر دیتے ہیں۔ باری باری سب نعت خواں حصہ لیتے ہیں اور گویا
 مقابلے پر اترتے ہوتے ہیں۔ طویل محفل میں شرکت سے تھکے ہوئے سامعین جب سلام کی طوالت سے
 اذیتا رہتے ہیں تو ادب و احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر وہ بیٹھے تو بہر حال نہیں لیکن تھک
 لڑ جاتے ہیں۔ بعض سلام کو بچ ہی میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

ایسے مواقع پر نعت خواں بیماروں، بچوں اور بوڑھوں کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اس سے جو تکلیف وہ
 کیفیت پیدا ہوتی ہے نعت خوانوں کو اس کا احساس کرنا چاہیے اور صلوٰۃ و سلام کے چند منتخب شعر پڑھ کر
 بل کھٹکا چاہیے۔ بعض نعت خواں نعت خوانی میں کم وقت ملنے کی کسر سلام میں نکالتے ہیں وہ سلام کے
 بالائے قضیہ اور گروہ کی مود سے دسیوں نصیحتیں بلکہ مناقب بھی سنا جاتے ہیں۔

کے ہر نبیوں کے امام، رسولوں کے سردار اور خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو "یا" کے ساتھ سلام کئے ہوئے پیٹھ ادھر کر لیں؟ اس سے بڑی بے حسی کیا ہوگی؟ سوال یہ ہے کہ نعت خواں منہ 'مدینہ شریف' کی طرف کیوں نہیں کرتے؟ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو سامعین کی طرف پیٹھ ہو جائے گی اور نفلوں کی بارش ختم جائے گی۔ جلب زر میں اس قدر اندھا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کاش ساری دنیا میں یہ دستور ہو جائے کہ صلوٰۃ و سلام (خصوصاً "جب حرف ندا کے ساتھ ہو) کے وقت تمام سلام پڑھنے والے منہ رو ہو جائیں۔ خود کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے پر حاضر سمجھیں اور سر جھٹکا کر، آنکھیں بند کر کے، آہستہ آواز کے ساتھ کمال عقیدت ادب اور تعظیم کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجیں۔ پھر اس کے روحانی اثرات و ثمرات بھی بے پایاں ہو جائیں گے۔ حضرت امام مالکؒ کا یہ ایمان پرور قول بھی قابل غور ہے۔

"اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام، وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر (عباسی خلیفہ)..... کہنے لگا 'اے عبد اللہ! (امام مالکؒ) کیا میں قبلہ رو ہو کر دامائیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منہ کروں؟ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے وسیلہ اور تمہارے باپ آدمؑ کے وسیلہ ہیں بلکہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرو۔" (۱۰۲)

۲۔ نعت خوانی کی مغللوں کا انتظام کرنے والے بڑے قابل قدر ہیں کہ اس مادی دور میں وہ فروغِ نعت کے لیے تن من و دھن قربان کر رہے ہیں یقیناً "اللہ کریم کے ہاں ان کے لیے بے پایاں اجر و ثواب ہے۔ انہوں نے اپنے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کا نسخہ کیا ڈھونڈ لیا ہے یقیناً انہیں دین و دنیا میں ہر جگہ عزت ملے گی۔ تنظیمِ نعت کو بھی کچھ امور کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیے۔

۱۔ پیشہ ور نعت خواںوں کے بجائے مغلّوں اور بے لوث نعت خواںوں کی ترجیح دیں۔

۲۔ پیشہ ور نعت خواں آجائیں تو مغلّ کی طرف سے انہیں ملنے والا نذرانہ انتظام مغلّ پر دیں۔

۳۔ بعض مغلّین نعت خواں پر لونوں کے علاوہ گلاب کی پتیاں بھی پھمکاو کرتے ہیں جو بعد میں ان کے ہاؤس کے روندی جاتی ہیں۔ گلاب کی پتیوں کا ادب ضروری ہے۔

راقم العرف نے بعض علماء سے سنا ہے کہ حضرت علامہ یوسف نبیانیؒ نے یہ حدیث شریف بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے کہ گلاب کو دیکھ کر درد شریف پڑتا ہے۔ ہر سال گلاب کی پتیوں کا اس

نسبت سے ادب و احترام ضروری ہے۔ گلاب کے پھول کسی طشتی میں ڈال کر درمیان میں رکھ دیے جائیں۔

د نعت خوانی کی محفل میں خوشبو کا اہتمام کیا جائے۔ اس دنیا کی تین چیزوں (جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھیں) میں سے ایک خوشبو بھی ہے۔

ہ نعت خوانوں کو وقت کی مناسبت سے دعوت دی جائے یہ نہ ہو کہ چار گھنٹوں کی محفل ہو اور ستر نعت خواں بلائے گئے ہوں۔

و نعت خوانوں سے طے کر لیا جائے کہ وہ ایسا نعتیہ کلام (جو دراصل نعتیہ نہیں) بالکل نہیں سنائیں گے جس میں الوہیت اور رسالت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو اور ایسا کلام نہیں سنائیں گے جس میں کوئی لفظ شان رسالت کے متافی استعمال ہوا ہو۔

ز نعت خوانوں سے طے کر لیا جائے کہ محفل کے اختتام پر سلام مدینہ رو ہو کر پڑھا جائے گا۔

ح نعت کی محفل مناسب وقت پر شروع کر کے مناسب وقت پر ختم کر دی جائے۔ یہ نہ ہو کہ شب بھر تو محفل نعت ہوتی رہے صبح نماز فجر قضا ہو جائے۔

ط شرکاء اور سامعین کو خلاف شرع حرکات سے روکنے کا اہتمام بھی کریں۔

ی نعت خوانوں کا دل سے ادب کریں اور انہیں وہی مقام دیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”حضور شہداء مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ان (حضرت حسان بن ثابتؓ) کے لیے خاص طور پر مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے ہو کر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت خوانی کرتے تھے۔“ (۱۰۴) اسی لیے اقبال احمد فاروقی نے بھی لکھا ہے۔ ”سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹنے والوں میں سے نعت خوانان رسول کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ عالم اسلام کی یہ عزیزہ ہمتیوں میں مدحت سرائے رسولؐ بڑے بلند و ارفع مقام پر فائز رہے۔“ (۱۰۵)

۴۔ محفل نعت کے غیب (اسخجیکری) کے بڑے صاحبِ علم و علم، موقع شناس، بندہ نواز، معاملہ فہم، شیعہ زبان، خوش بیاں، خندہ جبین اور دلکش کے ساتھ جلال بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ پروگرام چلا سکے اور نعت خواں کو مرضی کریں گے۔ اسے مانگے گا کہ ہونا چاہیے اسے حاضر باش اور خوش باش ہونا چاہیے۔ اس کا اپنی ذوق سے اہل و رب کا ہونا چاہیے۔ اس کی حاضر جوابی مثال ہونی چاہیے۔ نعت کے تحت سے اچھے اچھے اشعار اسے زبانی یاد رہنے چاہئیں۔

نعت محفل کی حیثیت نعت خواں اور سامعین کے درمیان پل جیسی ہوتی ہے۔ وہ بہت سی خامیوں کو سمیٹ جاتا ہے۔ اسے نعت خوانوں کا تعارف کراتے ہوئے ایسا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے جو حد سے تجاوز کر جائے۔ اس میں اتنا رعب ہونا چاہیے کہ جب وہ کسی نعت خواں کے پاؤں کو دبائے تو وہ فوراً "مائیک چمکے"۔ چونکہ ہر نعت خواں کے بعد اسے مائیک پر آنا ہوتا ہے لہذا وہ مناسب وقت لے۔ سب سے زیادہ وقت خود ہی نہ لے جائے۔ نعت خوانوں کو بلانے کی ترتیب طے کرتے ہوئے نعت خواں کے مقام کو دیکھے ذاتی دوستی کو ملحوظ خاطر نہ رکھے۔

۵۔ محفل نعت کے سامعین بھی خصوصی تربیت کے ضرورت مند ہیں۔ اگرچہ وہ خالص جذبہ عشرت رسولؐ لے کر محفل میں آتے ہیں لیکن کچھ باتیں ان سے بھی ایسی سرزد ہو جاتی ہیں جو آداب نعت کے منافی ہیں مثلاً

۱۔ بعض سامعین نعت خواں کو اس برے طریقے سے داد دیتے ہیں کہ محفل کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا وہ نعت سن رہے ہیں یا غزلیہ مشاعرہ۔

ب۔ بعض سامعین جھوٹ موٹ کے وجد میں آکر حال کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ سچا وجد اور حال قابلِ قدر ہے لیکن مصنوعی وجد، شرارت کے سوا کچھ نہیں۔

ج۔ بعض سامعین نعت خواں کو ایک روپیہ دینے جائیں تو اپنے ساتھ والے کو بھی اٹھاتے ہیں۔ اب دو آدمی، چار ہاتھوں سے ایک روپیہ قحطے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور نعت خواں تک پہنچنے میں اس سے دیگر سامعین کی حضوری مجروح ہوتی ہے۔

د۔ بعض ایک ایک روپیہ کی سو روپے کی کاپی پن نکھوا کر نعت خواں کے قریب کھڑے ہو جاتے ہیں اور نعت خواں کو ایک ایک روپیہ دیتا شروع کرتے ہیں یوں وہ اچھا خاصا ڈراما بنا دیتے ہیں۔

۱۔ بعض سامعین ایک ایک روپے کی پن نکلی ہوئی کاپیاں نعت خواں کے سر پر دار کر فضا میں اچھال دیتے ہیں۔ لوٹ اوپر سے نیچے بارش کی طرح گرتے ہیں کیا یہ بحرے کا انداز نہیں؟ بحرے کے انداز سے مشابہت کی بناء پر اسے جائز نہیں کہا جاسکتا۔ عاشقانِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز کب زیب دیتا ہے؟ دراصل یہ سب روپے کی نمائش ہے۔ ظاہر داری ہے۔ اگر کسی نے نعت خواں کو کچھ نذر کرنا ہے تو "بڑے آرام سے اس کے پاؤں کے قریب ایک ہی وقت رکھ سکتا ہے۔ اگر روپے لٹاتے ہوئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی خیال نیت میں آیا (جیسے روپے کی نمائش، نعت خواں پر اپنی دوستی ثابت کرنا، ویڈیو میں آنے کی خواہش، دوسروں پر چھا جانے کی ترغیب وغیرہ) تو یقیناً "ننگی برباد گناہ لازم

والی بات ہو جائے گی۔ روپیہ بھی ضائع کیا اور ثواب بھی نہ ملا۔ انا اللہ ورسولہ کو ناراض کر لیا۔ اس سے بچنا چاہیے۔ نعت خواں کو ضرور کچھ نہ کچھ دینا چاہیے لیکن نمائش کر کے نہیں۔

و اگر کسی محفل میں کوئی پیر صاحب بھی تشریف فرما ہیں تو ہر آدمی روپیہ لے کر پہلے ان سے ہاتھ ملاتا ہے، ان کی دست بوسی کرتا ہے پھر روپیہ نعت خواں کو دیتا ہے۔ ہر آدمی سوچتا ہے کہ دیے تو پیر صاحب تک رسائی مشکل ہے، ایک روپیہ نکالو، ہاتھ مالو، پاؤں چوم لو، لوگ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ یہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہے۔ یہاں کے آداب مخصوص ہیں۔ اس محفل میں بڑے سے بڑا پیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقیر ہے۔ خود پیر ان عظام کو بھی اس امر کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ ہر وہ کام جس سے سامعین کی حضوری کی کیفیت مجروح ہوتی ہو، محفل کا نظم و ضبط متاثر ہو اور نعت خواں کی توجہ بٹے، قابل اصلاح ہے۔

ز بعض اوقات کوئی سچا عاشق رسول نعت خواں آنکھیں بند کیے، ڈوب کر پڑھ رہا ہوتا ہے بلکہ اپنے خیالوں میں روضہ اندس پر حاضر ہوتا ہے اور اس کا کوئی شناسا جب دیکھتا ہے کہ میں تو ایک سو روپے کا نوٹ لایا ہوں، یہ دیکھ ہی نہیں رہا تو وہ زور سے سبحان اللہ کہتا ہے، نعت خواں کا بازو ہلاتا ہے اور اس کی آنکھیں کھلوا کر سو روپیہ اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے تاکہ وہ دیکھ لے۔

ح بعض سامعین بے وضوئی نعت خوانی سننے چلے آتے ہیں اگرچہ یہ کوئی شرط نہیں، تاہم افضل و ادنیٰ یہی ہے کہ نعت خوانوں کی طرح سامعین نے بھی صاف ستھرا پاکیزہ لباس پہن رکھا ہو، با وضو ہوں، محفل کے دوران میں باتیں نہ کریں اور نعت سننے ہوئے اگر انہیں حضوری کی سعادت حاصل ہے تو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کر کے، بیٹھیں ورنہ یہ سمجھیں کہ ہم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہیں سرکار ہمیں مشاہدہ فرما رہے ہیں اور کچھ نہیں تو سبز گنبد اور سنہری جالیوں کا نقشہ ہی دل میں عیاں کر بیٹھیں، پھر ان شاہ اللہ ان سے اس کیفیت میں خلاف آداب نعت کوئی حرکت سرزد نہیں ہوگی۔ مندرجہ بالا جملہ معمولات کا مقصد وحیہ ایسی نعت خوانی کا فروغ ہے جو اپنے جملہ عناصر سمیت اس کو ایک قباحت، غلطی، ٹھکر اور بے ربطی سے پاک ہونے شاہ خوانی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانی، نہ شان یا اصل رنگ سے کٹے قصور کیا جاسکتا ہو معانوفی الابالہ۔

ان گزارشات و انتظام راقم الحروف اپنی اس نعتیہ نظم پر کرتا چاہتا ہے جو یہ تفصیص "نعت سننے کے آداب" پر مشتمل ہے جس کا عنوان "آداب محفل نعت" ہے:

..... نعت کی محفل میں جو امور نیتو

گردن و سر ہی نہیں، دل بھی جھکا کر بیٹھو
 نعت سننے کی سعادت بھی کرم ہے حق کا
 اس دم خاص کو شہکار بنا کر بیٹھو
 ایک بھی سانس نہ ہو پاس ادب سے خالی
 عجز کو آنکھ کی پتلی میں سجا کر بیٹھو
 یاں سمٹ جاتے ہیں، جبریل امیں کے پر بھی
 اس ادب گاہ میں ہستی کو مٹا کر بیٹھو
 شہر نعت، مدینے میں اڑالے جائے
 دل میں لو ایسے زیارت کی لگا کر بیٹھو
 آنکھ ہو بند، نظر روٹنے کی جالی پہ رہے
 اور سینہ در اقدس سے لگا کر بیٹھو
 چوب حنائہ کی مانند کرو، ہوش نذا
 نقد جاں دلبر یہ پہ لٹا کر بیٹھو
 معبد روح میں ایماں کی جو چاہو جھلک
 مغل نعت میں یکسوئی سے آکر بیٹھو

حواشی

- ۱۔ کلام خدا، قرآن مجید، سورۃ الاحزاب پ ۲۲ رکوع ۴ آیت ۵۶
- ۲۔ آفتاب احمد نقوی ذاکر (مرتب)، مجلہ "اوج نعت نمبر ۱" قلمی مذاکرہ (امید ملتانی) ص ۳۶۸۔ ادبی مجلہ گورنمنٹ کالج شاہد رولہ اور ۹۳-۱۹۹۲ ع
- ۳۔ بدر فاروقی (کراچی)۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۳۸۰۔
- ۴۔ صابر براری (کراچی)۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۱۷۔
- ۵۔ ایوب رضوی پروفیسر۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۳۵۔
- ۶۔ غارف رضا پروفیسر۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۸۵۔

- ۷ - رشید محمود راجا۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۹۸۔
- ۸ - وحید الحسن ہاشمی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۱۲۔
- ۹ - عامی کرناٹی پروفیسر۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۹۴۔
- ۱۰ - طفیل ہوشیار پوری، یہی حواشی، نمبر ۲ ص ۳۰۷۔
- ۱۱ - محمد خاں کلیم پروفیسر۔ یہی حواشی، نمبر ۲ ص ۳۷۰۔
- ۱۲ - اخلاق عاطف۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۷۱۵۔
- ۱۳ - انور مسعود پروفیسر۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۸۸۔
- ۱۴ - وحید الحسن ہاشمی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۱۲۔
- ۱۵ - حنیف اسدی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۲۷۔
- ۱۶ - شوکت الہ آبادی۔ یہی حواشی، نمبر ۲ ص ۴۱۳۔
- ۱۷ - صبا اختر۔ یہی حواشی، نمبر ۲ ص ۵۲۸۔
- ۱۸ - تابش دہلوی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۸۳۔
- ۱۹ - ماجد صدیقی۔ یہی حواشی، نمبر ۲ ص ۵۴۳۔
- ۲۰ - عبدالغنی تاب۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۷۰۸۔
- ۲۱ - مرزا عبداللطیف، یہی حواشی، نمبر ۲ ص ۶۸۳۔
- ۲۲ - محبت خاں بخش، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۸۲۔
- ۲۳ - محمد اکرم رضا پروفیسر۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۴۲۔
- ۲۴ - آفتاب احمد نقوی، اکثر (مرتب) اوج نت نمبر ۲۔ قلمی مذاکرہ (کرم نواز صابری) ص ۳۷۳۔
گورنمنٹ کالج شاہد روہلا پور ۹۳۔ ۱۹۹۳ء۔
- ۲۵ - ملک نظام محمد۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۴۲۔
- ۲۶ - سکھرالگوینی سید، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۳۸۔
- ۲۷ - آفتاب احمد نقوی (مرتب) مجلہ اوج نت نمبر ۲ ص ۴۳۹ تا ۴۴۳ پور ۹۳۔ ۱۹۹۳ء۔
- ۲۸ - ذریعہ حسین گٹائی، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۴۵۔
- ۲۹ - نیاقت حسین گیلانی، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۶۷۷۔
- ۳۰ - رفیع اللہ، یہی اتفاق سید پروفیسر، اکثر، اردو میں نقیہ شاعری ص ۵۶۔ روڈ اکیڈمی سندھ کراچی

۱۹۷۱ع۔

- ۳۱ - منصور تابش۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۲۲۔
- ۳۲ - مظفر وارثی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۵۱۱۔
- ۳۳ - طفیل ہوشیار پوری۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲ ص ۴۰۷۔
- ۳۴ - محمد ثناء اللہ بیٹ، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۲۸۔
- ۳۵ - منصور تابش، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۲۲۔
- ۳۶ - عاصی کرنالی، مضمون "عزیز الدین خاکی کا ذوق نعت کوئی" مشمولہ مجلہ "ذکر صل علی" ص ۱۳۔
تحقیق استحکام نعت کراچی ۱۹۹۴ع۔
- ۳۷ - رفیق عزیزی سید، دیباچہ "عقیدت کی سوغات ذکر صل علی" (شاعر: عزیز الدین خاکی) ص نمبر ۱۔
تحقیق استحکام نعت کراچی ۱۹۹۴ع۔
- ۳۸ - محمود غازی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۴۷۔
- ۳۹ - محبوب احمد ہدائی۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۳۸۔
- ۴۰ - محمد یوسف مبین، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۶۱۔
- ۴۱ - عبدالحق محدث دہلوی، اقرب الابل علی اخبار الایثار ص ۲۱۱ منقولہ الیواقیت والجوہر (مصنفہ مفتی محمد امین) ص ۲۹-۲۸ دارالعلوم جامعہ امیہ رضویہ فیصل آباد ۱۳۹۵ھ
- ۴۲ - کلام الہی، قرآن مجید، سورۃ الاحزاب پ ۲۲ رکوع ۳ آیت نمبر ۴۵ نیز پ ۳۶ رکوع ۹ آیت ۸
- ۴۳ - احمد رضا خاں بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا، ترجمہ "کنز الایمان" ص ۶۲ فیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور (حوالہ نمبر ۶۳ فیاء القرآن)
- ۴۴ - اسماعیل حق شیخ، تفسیر "روح البیان" جلد نمبر ۹ ص ۱۸ سورۃ الفتح منقولہ و ترجمہ از مفتی محمد امین الیواقیت والجوہر ص نمبر ۱۸۔
- ۴۵ - اسماعیل حق حضرت مولانا، تفسیر منظری۔ اردو ترجمہ از مولانا عبدالداائم ص ۳۸۸، سعید ایچ ایم کینی کراچی ۱۹۸۵ع۔
- ۴۶ - محمد امین مفتی، الیواقیت والجوہر، ص ۲۶ بحوالہ درۃ الناحین ص ۲۲۵۔
- ۴۷ - کلام الہی، قرآن مجید، سورۃ الاحزاب پ ۲۱ رکوع ۱۷۔ آیت ۶۔
- ۴۸ - محمد قاسم نانوتوی مولانا، تحذیر الناس ص نمبر ۱۱ قاسم پریس دیوبند ۱۳۳۴ھ۔

- ۴۹ - کلام الہی، قرآن مجید، سورۃ الانبیاء پ ۷ رکوع ۷ - آیت نمبر ۷-۱۰۔
- ۵۰ - احمد رضا خاں بریلوی مولانا، کنز الایمان ص ۵۹۵ یہی حواشی حوالہ نمبر ۴۳۔
- ۵۱ - عبدالکریم جلی مولانا، جواہر البحار جلد ۱ ص ۲۵۹ منقولہ یہی حواشی حوالہ نمبر ۴۱ ص نمبر ۲۲۔
- ۵۲ - جلال الدین سیوطی علامہ، الحادی للتناوی جلد ۲ ص ۴۵۳ منقولہ الیواقیت والجواہر ص ۳۱۔
- ۵۳ - اخبار رضوان لاہور، ۱۳ اپریل ۱۹۵۳ ع منقولہ ابو الصالح محمد فیض احمد اوسی مترجم و شارح "روح البیان" موسوم بہ فیوض الرحمان پارہ نمبر ۲۶ ص ۳۴۹ - مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور ۱۹۹۱ ع۔
- ۵۴ - محمد امین مفتی مولانا، الیواقیت والجواہر ص نمبر ۶۰ - یہی حواشی حوالہ نمبر ۴۱ - بحوالہ فیوضات مجددیہ ص ۱۱۔
- ۵۵ - محمد احمد قادری ابوالحسنات علامہ، طیب البورۃ علی قہیدۃ البرہہ ص ۲۲ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۳۹۳ھ۔
- ۵۶ - محمد اقبال ملک پروفیسر، وصل حبیب اللہ ص نمبر ۱۹۶ (بحوالہ تحفہ قادریہ ص ۸۲ و جہت الاسرار) - رابطہ تنویر احکام راولپنڈی س - ن۔
- ۵۷ - کلام الہی، قرآن مجید، پ ۳۶ سورۃ الفتح رکوع نمبر ۹ آیت ۸۔
- ۵۸ - احمد رضا خاں بریلوی، مترجم کنز الایمان ص ۹۲۱ - یہی حواشی نمبر ۴۳۔
- ۵۹ - احمد رضا خاں بریلوی، تمہید ایمان ص ۷-۶، رضا پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۸ھ۔
- ۶۰ - عیاض بن موسیٰ قاضی اندلسی، الشفاء بعریف حقوق العطفی صلی اللہ علیہ وسلم جلد نمبر ۲ ص نمبر ۲۰ شرکہ مکتبہ منطقی البابي مصر ۱۹۵۰ ع۔
- ۶۱ - ریاض مجید ڈاکٹر، مقالہ نعت، مشمولہ نقوش رسول نمبر ۱۰ ص نمبر ۲۸ - ادارہ فردغ اردو لاہور۔
- ۶۲ - احمد رضا خاں بریلوی مولانا، قمر الہتمام فی نفی المل عن سید الانام ۲ مشمولہ مجموعہ رسائل (مرتبہ مفتی سید شجاعت علی قادری) حصہ اول ص نمبر ۳۱ - مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی س - ن۔
- ۶۳ - محمد خاں مفتی قادری مولانا، شاہکار ربوبیت ص ۴۲۶، جامعہ رحمانیہ لاہور ۱۹۹۲ ع۔
- ۶۴ - محمد طاہر القادری پروفیسر ڈاکٹر، تذکار رسالت جلد اول ص ۵۲۸ مہماج القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۲ ع۔
- ۶۵ - قرآن رسول اکرم، مشکوٰۃ شریف مترجم (ترجمہ از عبدالعلیم علوی مولانا) جلد نمبر ۲ ص نمبر ۶ مکتبہ

- ۶۱ - ارشاد شاہراہ اعوان، عمد رسالت میں نعت ص ۱۵۱۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۳ع۔
- نیز - محمد احمد قادری علامہ ابوالحسنات، طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ ص ۲۷ کی حواشی حوالہ نمبر ۵۵۔
- نیز - محمد یحییٰ خاں شفا حکیم، 'مضمون' "عربی زبان میں نعتیہ کلام" مشمولہ نقوش رسول نمبر ۱۰۔ ص ۲۳۱،
- یہی حواشی حوالہ نمبر ۶۱۔ یہی مضمون مجلہ ادب نمبر ۲ میں بھی چھپا ص ۲۳۱۔
- ۶۲ - محمد ثناء اللہ بٹ، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۲۸۔
- ۶۸ - ایضاً "حوالہ نمبر ۶۷ ص نمبر ۴۳۰۔
- ۶۹ - منظور الکوئین سید، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۳۶۔
- ۷۰ - محمد نذیر سیالوی، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۵۸۔
- ۷۱ - ارشد اقبال، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۶۳۔
- ۷۲ - مشتاق احمد حافظ، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۷۵۔
- ۷۳ - غلام محمد ملک، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۴۲۔
- ۷۴ - اختر حسین قریشی، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۴۵۔
- ۷۵ - کلام الہی، قرآن مجید، پ ۱ سورۃ البقرہ رکوع ۵ آیت ۴۱۔
- ۷۶ - احمد رضا خاں بریلوی، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۴۳ ص ۱۲۔
- ۷۷ - محمد نعیم الدین سید، تفسیر خزائن العرفان حوالہ نمبر ۴۳ ص نمبر ۱۲۔
- ۷۸ - کلام الہی پ ۱۲ البقرہ رکوع ۹ آیت ۲۰۱۔ ترجمہ مولانا محمود الحسن شیخ الہند۔
- ۷۹ - شرح صحیح مسلم شریف، جلد خامس (علامہ غلام رسول سعیدی) ص ۹۱۵ فرید بک اشال لاہور ۱۹۹۱ع۔
- ۸۰ - کلام الہی پ ۱۲ البقرہ رکوع ۹ آیت ۲۰۱۔
- ۸۱ - سکندر لکھنوی، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص نمبر ۴۲۵۔
- ۸۲ - غلام رسول سعیدی علامہ مولانا، 'شرح صحیح مسلم'۔ یہی حواشی، حوالہ نمبر ۷ ص ۹۱۷۔
- ۸۳ - سعید بدر، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص نمبر ۶۵۶۔
- ۸۴ - محمد یوسف چشتی، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۳۱۔
- ۸۵ - رشید محمود راجا، 'نعت کائنات' مقدمہ ص ۴۳ عمودا۔ جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ع۔
- ۸۶ - نشاط احمد ساقی، 'یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۷۶۔

- ۸۷ - منصور تاجش، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۲۲۔
- ۸۸ - محمد نذیر سیالوی، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۴۵۹۔
- ۸۹ - محمد نذیر سیالوی، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۵۹۔
- ۹۰ - رشید محمود راجا، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۸۵ ص ۴۳۔
- ۹۱ - محمد یوسف مبین، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۶۱۔
- ۹۲ - کلام الہی، قرآن مجید، پ ۳۶ سورۃ الحجرات، رکوع ۱۔ آیت نمبر ۲
- ۹۳ - احمد رضا خاں بریلوی مولانا، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۴۳ ص ۹۷۔
- ۹۴ - منظور الکلونین سید، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۲۴ ص ۴۳۳۔
- ۹۵ - احمد بن محمد بن ابی بکر تھانی، مواہب الدنیہ، ترجمہ از مولوی محمد عبدالجبار خاں (سیرت محمدیہ۔ جلد اول) ص ۲۰۲۔ مکتبہ ملیہ حیدر آباد دکن ۵۱۳۴۳۔
- ۹۶ - ارشاد شاہ کراخوان، مضمون ”عربی نعت کا دور اول“ بحث سے ہجرت مدینہ تک ”مشمولہ ماہنامہ ”فکر و نظر“ ص ۳۳ (سیرت نمبر) اسلام آباد، شمارہ فردری ۱۹۸۰ ع۔
- ۹۷ - ارشاد شاہ کراخوان، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۶۶ ص ۹۱۔۹۰۔
- ۹۸ - ارشاد شاہ کراخوان، یہی حواشی، حوالہ نمبر ۶۶ ص ۹۱۔
- ۹۹ - محمد امداد اللہ ماجر کی مولانا، فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵۔ راشد کہنی دیوبند۔ س۔ ن۔
- ۱۰۰ - حضرت غلام رسول طوی صاحب مدظلہ، رٹائرڈ ٹیچر ہیں۔ آقا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے عاشق ہیں خود کو غلام غلامانِ آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلاتے ہیں۔ ان کا سلسلہ چشتی نظامی اور انکی ہے۔ یہی مدینہ نہیں کرتے البتہ اسلام کی خدمت، مسلمانوں کی بہبود اور مستحقین کی امداد کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان و اسلام کا مختصر ترین غلامہ تقسیم رسول ہے۔ راقم الحروف کو نعت میں تو تم کے استعمال سے محنت صاحب تنی نے منع فرمایا اور وہ شروع سے ہی اس بات کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اردو میں صرف آپ کے سینے سے مخاطب کرنا چاہیے۔ اس مضمون کے سلسلے میں بھی ان کی رہنمائی کا اہتمام کرتا ہوں۔ الفضل احمد انور گوجروی۔
- ۱۰۱ - کلام خداوندی، قرآن مجید، پ ۱۳ سورۃ البقرہ، آیت ۵۵۔
- ۱۰۲ - محمد اقبال طہ وصل حبیب اللہ ص ۳۰۵، ج ۱، اثناتی ص ۴۳۳۔
- ۱۰۳ - محمد مصطفیٰ اعظمی، مولانا کرامات صحابہ ص ۲۵۱۔ مشتاق بک لارنر لاہور۔ س۔ ن۔

- ۱۰۵۔ اقبال احمد فاروقی، دیباچہ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ ص ۷ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۳۹۳ھ۔
 ۱۰۶۔ انفال احمد انور، ماہنامہ نعت لاہور ص ۱۲۔ (نعت ہی نعت نمبر حصہ سوم)۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۹۳۔

فروع نعت میں ریستان کراچی کے شعراء کی خدمات کے جائزے
 اور ۲۲۵ زندہ شاعروں کی نعتوں کا منفرد انتخاب

ایوانِ نعت

مرتبہ ☆ مہیج رحمانی

ناشر ☆ ممتاز پبلشرز۔ ۲۰ نوٹین سینٹر اردو بازار کراچی



فیصل آباد کا نعتیہ منظر نامہ

شبیر احمد قادری

فیصل آباد وطن پاک کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی شہر ہے مگر صنعت و حرفت میں بھی بین الاقوامی پہچان رکھتا ہے۔ یہاں کے شعرائے کرام جہاں دیگر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں وہاں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گہلے عقیدت بھی نچھاور کرتے ہیں۔ متعدد شعرا کا نعتیہ کلام کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ کئی نعتیہ انتخاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل محبت سے داد حاصل کر چکے ہیں۔

خطۂ پنجاب کا شہر ہونے کے ناتے یہاں پنجابی زبان میں خوب نعتیہ شاعری ہوئی ہے۔ قومی زبان اردو کے ساتھ ساتھ شعرا قاری عربی اور انگریزی میں بھی نعتیں لکھ کر حضور علیہ السلام سے اپنی عقیدتوں کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ وہ شہر ہے جہاں غیر منقطع نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ بغیر حرف الف کے نعتوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس شہر کو یہ تمکنت بھی حاصل ہے کہ یہاں نعت گوئی کے حوالے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے تین اور ایم۔ اے پنجابی کا ایک تحقیقی مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید "اردو میں نعت گوئی" اور ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی "برصغیر پاک و ہند میں عربی نعت" ڈاکٹر مظفر عالم جاوید "اردو میلاد نامے" کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی اور سعادت علی طاقت فیصل آباد کی پنجابی نعت کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ایم۔ اے پنجابی کا مقالہ لکھ چکے ہیں۔ یہ فیصل آباد ہی ہے جہاں سے نعتیہ قطعات اور نعتیہ رباعیات کے باقاعدہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں مجموعے حافظہ میمانوی کی ذاتِ رسالت سے تعلق خاطر کے قریب ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے پنجابی نعتیہ حائیکو کا مجموعہ "نئی علی اللہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ فیصل آباد میں بچوں کے لیے نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ سرور بخاری مرحوم کے بچوں کے لیے نعتوں کے دو مجموعے "ممد و نعت" اور "نعت و طہارت" میں شخص میں بطور مثال قریشی کے ہاں سے ہیں۔ خاتون شعرا کے ہاں بھی نعتیہ رجحانات بڑے واضح طور پر دیکھے اور محسوس کیے جاتے ہیں۔ یہ فیصلہ عید و رسم کی پنجابی نعتوں کا ایک مجموعہ "دل تسبیح" کے نام سے یہاں سے طہارت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

فیصل آباد سے کئی نعتیہ انتخاب بھی شائع ہوئے ہیں جن کی تعداد کافی حد حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک "نعت رنگ" مہدی طہر کے نام سے راقم السطور نے بھی تیار کیا ہے۔ اس کتاب میں چشتی فیصل آباد کے شاعرین کی شائع ہوئی نعتیں جمع ہیں اور ہر ایک نکتہ کے شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب ترتیب

رہے ہیں جو قریب الاشاعت ہے..... یہ اعزاز بھی فیصل آباد کو حاصل ہے کہ یہاں سے "ہندو شعرا کا نعتیہ کلام" کے نام سے ۱۹۶۲ء میں ایک کتاب شائع ہوئی جس کے مرتب خانی مراد آبادی تھے اور پاکستان میں غیر مسلم شعرا کی نعتوں کا پہلا انتخاب ہے۔

حرد نعت بک بینک کراچی کے جناب غوث میاں نے اردو نعتیہ مجموعوں اور نعتیہ انتخاب کی جو فہرستیں مرتب کی ہیں ان کا مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ فیصل آباد نعت کے میدان میں خاصا زر خیز شہر ہے۔ غوث میاں کے مطابق کراچی اور لاہور کے بعد فیصل آباد تخلیق و تدوین نعت کے سلسلہ میں تیسرے نمبر پر ہے۔ اگر اس میں نعت کے حوالے سے تحقیقی کاوشوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس شہر فرخندہ نماد کو مزید اعتبار حاصل ہو جاتا ہے..... غیر منقوط اردو پنجابی، عربی، فارسی نعتیں اس کے علاوہ ہیں۔ غزلوں اور نظموں کے مجموعوں کے شروع میں شامل نعتوں کا کچھ شمار نہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا مجموعہ کلام ہو گا جس میں حمد کے بعد ایک دو نعتیں شامل نہ ہوں گی..... ایسے بے شمار شاعر ہیں جو باقاعدہ نعت گو شاعر ہیں مگر ان کی کوئی کتاب ابھی زیر طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکی.....

گویا فیصل آباد میں تخلیق نعت کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدوین نعت کے ذیل میں بھی قابل قدر کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ یہاں کے شعراء کی نعتوں میں فنی و فکری اور موضوعی حوالے سے وہ تمام پہلو نظر آتے ہیں جو آج کی نعت کے مقصدیات میں سے ہیں۔ فیصل آباد کے شعراء اس صنف اقدس کی مبادیات و ضروریات اور احتیاطات سے کما حقہ آگاہ ہیں اور یہاں تخلیق ہونے والی نعتیہ شاعری کو دیگر شہروں کے الما الارائے برابر سراہتے اور خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔ فروغ نعت کے سلسلہ میں نمایاں خدمات کے اعتراف کے طور پر مقامی شعراء قومی سیرت ایوارڈ کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے ملکی و بین الاقوامی ایوارڈ اور اعزازات حاصل کر چکے ہیں۔

فیصل آباد کے پختہ فکر شعراء میں سے خلیق قریشی مرحوم (المتوفی ۱۹۷۳ء) کو اپنی ہمہ رنگ شخصیت کی بدولت بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ غلام رسول خلیق قریشی مرحوم بیک وقت صاحب طرز شاعر عمدہ نثر، پُرگوہ خلیب نباش نقیب، تحریک پاکستان کے قلمس کار کن تھے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد "لاکل پور اخبار" کے ایڈیٹر رہے۔ بعد ازاں اپنا ذاتی اخبار "عوام" کے نام سے جاری کیا جو آج بھی علی ادبی سیاحی و سماجی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔

خلیق قریشی مرحوم کے تین مختصر مجموعے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے اور تین مجموعے وفات (۱۹۷۳ء) کے بعد شائع ہوئے ہیں ان میں سے ایک نعتیہ مجموعہ بھی ہے۔ "برگ سدرہ" نامی اس نعتیہ مجموعے میں خلیق قریشی کی نعتیں شامل ہیں ایک نعت کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔

اے صاحب معراج! تری شان بڑی ہے کونین کے سرتاج! تری شان بڑی ہے
 جھک جھک کے ترے در کے گداؤں کے جلو میں دیتی ہے شمی باج! تری شان بڑی ہے
 خاک رو بطحا کی بہا کون بتائے ہر ذرہ ہے پکھراج تری شان بڑی ہے
 منکورا احمد منکورا ان شعراء میں سے ہیں جنہیں فعل آباد کی ادبی و شعری تاریخ میں ایک معتبر مقام
 حاصل ہے۔ ان کے دو شعری مجموعے ”دیر و حرم“ اور ”آہنگ نور“ قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۳۲ء میں
 شائع ہوئے تھے۔ ”شاخ طوبی“ ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ منکورا احمد منکورا کی نعت گوئی کے عمل کو پروفیسر محی
 الدین ظہیر خاں خالص اسلامی ذہنیت کا نتیجہ فکر قرار دیتے ہیں۔

سلام اس پر نہیں ہمسر کوئی جس کا رسولوں میں
 نہ ایسا چاند گردوں پر نہ ایسا پھول پھولوں میں
 سلام اس پر ہوئی تھکتی جس کی ذات کی خاطر
 بنا یہ سلسلہ جس فخر موجودات کی خاطر

سلام اس پر نوازا جس نے آخر زلف کھیتی کو
 کیا شاداب جس کے فیض نے ہر دل کی کھیتی کو

معاصر نعتیہ منظر نامے میں حافظ لدھیانوی بڑے معروف ناعت ہیں۔ ان کی اب تک پچیس کے قریب
 مختلف النوع کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں سے چند نعتیہ مجموعے ہیں۔ حافظ لدھیانوی کو نعتیہ ادب
 میں ”مثنوی شخص“ بھی حاصل ہے وہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کے نعتیہ قطعات اور نعتیہ رباعیات
 کے ہر قصہ مجموعہ شائع ہوئے۔ نعتیہ ترانے اور نعتیہ مثنویاں موصوف کی قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت
 ہیں احمد ندیم قاسمی کے بقول حافظ لدھیانوی کے ہاں جذبے کا رچاؤ انتہا پر ہے۔ چنانچہ ان کی نعتوں کے
 ایک ایک شعر میں معنی و مفہوم کی پوری دنیا آباد ہوتی ہے:

خدا کوئی مقامات نہ جانے تیرے سیدی روح دو عالم ہیں ترانے تیرے
 ہر گل تازہ سے آئی تری زلفوں کی مہک گیت گائے ہیں بہاروں میں مہانے تیرے
 نور و محبت سے مہارت ہے سراپا تیرا کیا حسیں نقش بنائے ہیں خدا نے تیرے
 جسم و جان سے ہے شاداب جہان کند جب زمانے مرے آقا ہیں زمانے تیرے

حافظ لدھیانوی کی شاعری کے معروف شاعر ہیں۔ چھوٹے بڑے نعتیہ مجموعوں کی تعداد دو سو سے
 زیادہ ہے۔ ان کا نیا مجموعہ ”جان بہار“ کے نام سے شائع ہوا اس میں شامل ایک اردو

نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

حسن محبوب نے عالم کو سجا رکھا ہے رشتہ مخلوق کا خالق سے ملا رکھا ہے
پہلوں میں، چاند میں تاروں میں تبسم ان کا ان کے جلوں کے سوا دنیا میں کیا رکھا ہے
تخلیق نعت کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید نعت کے حوالے سے جہاں نعت کا ایک معتبر نام ڈاکٹر ریاض
مجید کا بھی ہے جنہیں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اردو میں نعت گوئی کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا
منزور اعزاز حاصل ہے۔ پنجابی نعتیہ ہائیکو کے مجموعہ ”حی علی الثناء“ کے بعد اردو نعتوں کا پہلا مجموعہ ”
اللہم صل علی محمد“ ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ اس نعتیہ مجموعے کے ذریعے صوفی محمد افضل فقیر مرحوم کے
بتول:

”ریاض مجید نے عامۃ الناس کے ذوق نعت کی سطح کو بلند تر کرنے کی
کوشش کی ہے۔“

طبیعت جب کبھی بھی نعت گوئی پر مچلتی ہے صدا صلّ علی کی ہر بن مو سے نکلتی ہے
بڑے آداب ہیں اس احترام آباد طیبہ کے یہاں نبض جہاں تیز اور ہوا آہستہ چلتی ہے
وہ جس کا نور حسن افزائی جنت کا باعث ہے خوشا قسمت! وہ مثل میرے طاق جاں میں بلتی ہے
پروفیسر عارف رضا کو ان کے نعتیہ مجموعہ ”عطا کی خوشبو“ پر ۱۹۹۲ء میں قومی سیرت ایوارڈ مل چکا ہے۔
ان کی لئیں عقیدت و محبت کا عمدہ نمونہ ہیں۔

قلم میں نور جگر میں قرار ان سے ہے گل خیال میں رنگ بہار ان سے ہے
انہی کے نام سے والا تبار ہیں اصحاب ہر اک عظیم کا قائم وقار ان سے ہے
یہ کوہ و دشت، یہ دریا، یہ کھکشاں، یہ فلک عروس دہر کا سارا نکھار ان سے ہے
سید مسرور بدایونی کی نعتوں میں مجبوری کا دکھ اور حضوری کی خواہش ساتھ ساتھ چلتے ہیں ”آیہ
رمت“ ان کی ذات والا صفات سے قلبی وابستگی اور دلی عقیدت کا منظر ہے..... روضہ رسول پر حاضری
کی تڑپ ان کی نعتوں کو سوز و گداز عطا کرتی ہیں:

ایک بکھرے بکھرے منظر کی طرح اڑتا رہا میں کہ خوشبوئے گل تر کی طرح اڑتا رہا
نہمروت کس قدر ہے، اس کا پرواز خیال دل سوئے طیبہ کبود تر کی طرح اڑتا رہا
نورِ عالم سے حاصل روشنی ہو اس لیے میرا دل خورشید خاور کی طرح اڑتا رہا
نارِ جاہلی کا شمار فیصل آباد کے انتہائی محترم شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کے اردو پنجابی کے متعدد

مجموعے اور ایک کتاب سیرت "تحریم رسول" بھی شائع ہو چکی ہے "نذرانے" کے نام سے ان کا مجموعہ منفعت سے ان کے تعلق خاص کا مظہر ہے:

تبعو کے اس زلف معبر کو ہوا آئی ہے خلد بردوش مرے ذوق کی پسائی ہے
اک ترے قریہ متاب سے نسبت ہے جنہیں ان فقیروں کے تو کشکول میں دارائی ہے
سلسلہ رحمت عالم کا خلک ہے کتنا دھوپ اس کو چہ محبوب میں دھندلائی ہے

سید محمد امین علی نقوی پر رب عطا کا خاص کرم ہے کہ وہ بیک وقت چار زبانوں میں نعتیہ شاعری کر رہے ہیں اردو، پنجابی، فارسی اور عربی زبانوں پر انہیں عبور حاصل ہے۔ اردو اور عربی کے باقاعدہ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں پنجابی اور فارسی نعتیں بھی شامل ہیں۔ عربی نعتیہ مجموعہ "محمد رسول اللہ" کا تخلص یہ ہے کہ یہ بقول شاعر کے چودہ سو سال میں پہلا عربی مجموعہ ہے جو غیر منقوط نعتوں پر مشتمل ہے۔ اردو کا غیر منقوط مجموعہ "محمد ہی محمد" (۱۹۸۵ء) کا ہر کلمہ اور ہر مصرع اردوئے معراء سے منور ہے اور مہر و لہر سے معمور ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شہید کے بقول:

"حضرت نقوی نے وہ راستہ اپنایا ہے جو مشکل ترین ہی نہیں مشکل ترین کی
حدوں سے بھی بہت آگے ہے۔ عام شاعر حروف کو اپنی گرفت میں لے کر معانی
کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے لیکن یہاں بہت سے حروف کو اپنی ابجد سے باہر نکالنا
پڑا ہے۔" (ادبیانچہ)

غیر منقود اردو اور عربی مجموعوں کے علاوہ سید محمد امین علی نقوی کا بغیر حرف الف کے اردو نعتیہ مجموعہ شائع ہوا۔ نعتیہ ادب کو ایک نئے ذائقہ سے آشنا کر دیا ہے۔ (اس مجموعے کا اختتامی مضمون راقم الحروف کو معنی کی سعادت حاصل ہوئی)۔ "حسن محمد" (۱۹۹۲ء) نامی نعتیہ مجموعے میں شامل بغیر حرف الف کی ایک اور نعت کے تین شعر آپ کے ذوقِ محاذ کی نذر:

محمد سید جنت و بشر ہیں	محمد مرشد فکر و نظر ہیں
محمد مقرر معجز و معجز ہیں	محمد معتمد ہیں معتبر ہیں
محمد مہر و ملت و ملت ہیں	محمد رونق ہیں ہر بحر و بحر ہیں

میر تقی میر نے خود کو بچوں کی شامی کے لیے وقف کر دیا۔ اور بچوں کے لیے نعتوں کی دو کتابیں لکھیں۔ سب میں گواہی دینا چاہیے کہ "محمد و نعت" اور "نعت و منقبت" میں شامل ان کی بیشتر نعتیں بچوں کے لیے اور نوجوانانِ اپنی اپنی ذہنی استعداد سے مطابق فیض یاب ہوتے ہیں اور آپ سے نعت و منقبت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔ "نعت و منقبت" میں شامل بچوں کے لیے سورہ بقرہ کی ایک

نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

محمد پر جو بشر ایمان لایا خدا نے مرتبہ اس کا بڑھایا
وہی ممتاز ہیں دونوں جہاں میں جنہوں نے دل میں درد ان کا بسایا
انہی کے واسطے ہر ایک شے کو خدا نے اپنی رحمت سے بنایا
ہیں اب ہر برائی سے بچا کر چلائے ان کے رستے پر خدایا

ماجد علی کاوش زیدی کا ایک حمدیہ اور ایک نعتیہ مجموعہ ان کی وفات (۳ فروری ۱۹۹۱ء) کے بعد شائع ہوا۔
حمدیہ مجموعہ بخضور حق تعالیٰ ہے جبکہ مدحت خیر الانام کے نام سے نعتیہ مجموعہ مارچ ۱۹۹۱ء میں زیور طباعت
سے آراستہ ہوا۔ کاوش زیدی کی نعتوں میں اردو نعت گوئی کا وہ مخصوص انداز جھلکتا ہے جو بقول ریاض
مجید ہر دور کے عوام میں معروف و مقبول رہا ہے۔

ترجمین دو جہان کا سامان حضور ہیں افسانہٴ حیات کا عنوان حضور ہیں
جس کو کبھی نہ کفر کی پھونکیں بجھا سکیں ایمان کی وہ شمع فروزاں حضور ہیں
ہے بیروی حضور کی سامان مغفرت سراپہٴ حیات مسلمان حضور ہیں
محمد افضل خاکسار کا فارسی زبان سے لگاؤ ان کی اردو نعتوں پر بڑے واضح طور پر اثر انداز ہوا
ہے۔ ان کی نعتیں فکری اعتبار سے توانا اور فنی لحاظ سے بڑی پختہ ہوتی ہیں۔ اچھوتے موضوعات کو
اچھوتے انداز میں بیان کرنے کا ان کے ہاں شعوری رجحان ملتا ہے:

اللہ رے یہ شان کرمؐ یہ ادائے خیر ہر عدد بلند ہیں دست دعائے خیر
”مرزا“ نطق کیوں نہ ہو تیری شایہ مجھے تو ابتداءئے خیر ہے تو انتہائے خیر
تیری نقوش پا سے ہے تہذیب کو فروغ قدموں سے تیرے پھوٹ رہی ہے نیائے خیر
کوثر علی لعل آباد کے پختہ اور راست فکر شعراء میں سے ہیں۔ ان کی نعتیں صنف نعت کے تقاضوں پر
پورا اترتی ہیں اور وہ نعت لکھتے وقت مدد درجہ احتیاط سے کام لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ صنف باقی
انصاف سخن کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل ہے اور اس کے تقاضے بھی یکسر مختلف ہیں اس لیے کہ اس
کا موضوع ہی مختلف ہے۔ باعث تکوین کائنات کے حضور گلہائے محبت پنچاورد کرتے ہوئے ان کے فکر و
خیال پر مقیدیت کی چادر تنی رہتی ہے۔ ان کی یہ نعت بڑی مقبول ہے:

ایسے خوشبو سے لدی باد بہاری گزری جیسے آقائے دو عالم کی سواری گزری
 آج کی رات بھی سونا مرا بیکار گیا آج کی رات بھی دیدار سے عاری گزری
 حب احمد کا دل و روح میں چشمہ پھوٹا جسم کو چھوٹی ہوئی رحمت باری گزری
 شاعری اور بھی کی 'داد بھی پائی ہم نے دل کی گہرائی سے پر نعت نگاری گزری
 فیصل آباد سے متعلق چند شعراء کے خوبصورت اور منتخب نعتیہ شعر ملاحظہ ہوں:

جن میں دستِ مبارک کھنکشاں ہے ان کے لیے
 ظہورِ منت رب جہاں ہے ان کے لیے

طلوعِ مہرِ منور ہوا ہے ان کے سبب
 دیارِ شب میں وہ کھنکشاں ہے ان کے لیے
 ڈاکٹر سید احسن زیدی مرحوم

ان کے قدموں میں سرچکا کر آج
 مرثیہ اعم کو چھوڑا میں نے
 ساحرِ قدوائی

نہیں پر امن کے وہ پھول برساتے ہوئے آئے
 وہ حل و قحط کے انوار پھیلاتے ہوئے آئے
 حکیم محمد رمضان الطہر

اپنا گے جو غیر کو بھی بات بات میں
 ایسا ترے سوا نہ ملا کائنات میں
 نصرتِ صدیقی

آپ آئے تو ابالے ہو گئے آپ سے پہلے کہاں تھی زندگی

خالد شبیر احمد

سارا ہر قدم پر ہے تمہارا یا رسول اللہ

مقدور کامرے چکا ستار یا رسول اللہ

سکندر یا زید

زینت ہر جہاں ہے کون زینت ہر جہاں حضور
 روتی ہر مکاں ہے کون، روتی ہر مکان حضور
 سینہ کائنات میں دم سے ہیں کس کے دھڑکنیں
 جان و دل جہاں ہے کون جان و دل جہاں حضور
 محمد افضل کوٹلوی

نذا کے ساتھ فرشتے درود پڑھتے ہیں
 جہاں میں آپ پہ سارے درود پڑھتے ہیں
 سیاہ رات کبھی راہ میں نہیں آئی
 حضور پاک پہ جب سے درود پڑھتے ہیں
 حیدر شاہ

میں ادھر کاش کی نعت کا مقطع لکھوں
 اور ادھر روح مری مجھ سے جدا ہو جائے
 قمر عباس قر

میں گنگار تری نعت بھلا کیا لکھوں
 جو بھی لکھوں وہ کسی اور کا لکھا لکھوں
 محمود شا

قافلے دل سے گزرتے ہیں رہ طیبہ کے
 ہر مسافر میری آنکھوں سے رواں ہوتا ہے
 احمد شہباز خاور
 اے ہوائے حرم باب الہام و کشف ہر کھول دے
 طائر آشیانہ مدحت ہوں میں میرے پر کھول دے
 آمنہ بشیر چشتی

الحقیر فیصل آباد میں عمر حاضر میں لکھی جانے والی کم و بیش جملہ اصناف میں نعتیہ شاعری ہو چکی ہے
 اور یہ سلسلہ اخیر ویرکت جاری و ساری ہے۔ فروغ نعت کے سلسلہ میں ریڈیو پاکستان فیصل آباد کے کردار کو
 بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مقامی اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں کے ساتھ ساتھ روزانہ اشاعتوں میں
 نعتوں کی اشاعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ ادبی تنظیمیں باقاعدہ نعتیہ مشاعرے کرواتی ہیں۔ متعدد اشاعتی
 ادارے ہیں جو بڑے عمدہ اور معروف نعتیہ مجموعے شائع کر کے دامن علم و ادب کو مال کر چکے ہیں۔ بیت
 الادب، نعت، اکادمی، چشتی کتب خانہ، باب الہدیٰ کی اشاعت نعت کے لیے خدمات نسبتاً زیادہ قابل
 قدر ہیں ان کے علاوہ بھی کئی اشاعتی ادارے اس منف خیر کے فروغ اور اشاعت کے لیے کوشاں ہیں۔

اردو میں نعت کا مستقبل (فیچر)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی

ریڈیو نے ہمارے ادب کو متاثر کیا ہے۔ ریڈیائی یا ریڈیو ذرائع رسائل میں بھی شائع ہوتے ہیں اور کتابی صورت میں بھی۔

ریڈیائی فیچر میں خاصا تنوع ہوتا ہے۔ فیچر میں موضوع کے مطابق کرداروں کی گنجائش بھی ہوتی ہے، کسی ادیب یا شاعر سے متعلق فیچر میں اس کے مکالمے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں ایسے فیچر بھی شائع ہو چکے ہیں

نعت اور اردو نعت سے متعلق فیچر ریڈیو پاکستان کے مختلف اسٹیشنوں سے نشر ہوتے ہیں، مگر ایسا کوئی فیچر اس سے پہلے شاید شائع نہیں ہوا۔

یہ اردو نعت کوئی کامیاب نثر نہیں۔ راقم الحروف نے فیچر کے موضوع اور عنوان کو ہر مرحلہ پر پیش نظر رکھا ہے۔ نعت کا مستقبل "اسی لیے نثر و اشعار اور برقیاتی وسائل ابلاغ اور نعتیہ محفلوں کا بھی ذکر ہے۔

مجھے احساس ہے کہ اختتامی حصے میں انتخاب کچھ اور طویل ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں عبدالعزیز خاں اور قمر ہاشمی کی قلم مرسل آخر کے بعض ٹکڑے میں نے شامل کئے تھے، لیکن ریڈیو میں وقت کے "تھوڑا سا اضافہ ہوتا ہے" اسی لیے ان حصوں کو خارج کرنا پڑا اور اس بات کو میں نے پسند نہیں کیا کہ فیچر کی اختتامی صورت "قرطبی صورت سے الگ ہو

یہ ہے کہ قمر مجھے اس قلم مرسل کو دیکھنے سے پانچویں کے "ان میں" انتقاد عالیہ " (مدی الافادی) میں نے بھی اس کی کٹوتی ہاشمی کی ہیں میں نے نعت کو شعرائے کرام کی قلم مرسل سازی میں نہیں کی ہے۔

سید محمد ابوالخیر کشتی

اردو نعت کی برقیاتی صورت اور اشعار کی برقیاتی صورت سے قلم مرسل ہوتے ہیں۔

نعت کے پہلے اور آخر میں قلم مرسل کا اضافہ

نعت کے پہلے اور آخر میں قلم مرسل کا اضافہ

راوی نمبر ۱: حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کتنے ہی رسول اور بادی مختلف اور دار اور مختلف اقوام کی ہدایت کیے ہیں۔ ان سب کا بنیادی پیغام ہدایت ایک ہی تھا جس میں اقوام و ادوار کے تقاضوں کی مطابق جزئیات درج ذیل میں فرق ہوتا۔ آخر وہ مرحلہ آگیا جب انسان نے ذہنی پختگی اور بلوغ حاصل کر لیا، اور اسی بنیاد پر تاریخ کا عہد جدید شروع ہوا اور وہ رسول مبعوث ہوا جس کی رسالت کا دامن 'دامن قیامت سے بندھا ہوا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

راوی نمبر ۲: چودہ صدیوں میں کتنے ہی انقلاب آئے، وقت کی آنکھ نے کتنی ہی قوموں کا عروج و زوال دیکھا ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بھی کتنے ہی نشیب و فراز آئے اور اس طویل مدت کی اسلام، تاریخ پر جامع ترین تبصرہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ ان کے نام اور ان کے پیغام سے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ کر مسلمان نے ہر پست کو بالا کر دیا۔ وہ جنہوں نے مسلمانوں کو مغلوب کیا۔ بغداد جیسے مرکز تمدن کو تاخت و تاراج کر دیا، انہیں اسلام کی قوت اور ہائی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ نے فتح کر لیا۔

(تحت میں شعر)

ہے عیاں یورش آثار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

راوی نمبر ۳: مدینہ کی اسلامی ریاست کے حدود عہد خلافت راشدہ میں وسیع تر ہوتے گئے، قیصر و کسب کی فتنیں قسطنطنیہ بن گئیں ان زمینوں پر محمد عربیؐ کے غلاموں نے تمدن کی شمعیں روشن کیں، فلسفہ و علوم کی روشنی نے ذہنوں کو اجال دیا، شعر و ادب کو انسان ساز موضوعات مل گئے۔

راوی نمبر ۴: اور اسی کے ساتھ ساتھ چراغ مصطفویٰ اور شرار بولہبی کی ستیزہ کاری جاری رہی۔ صدیاں گزرتی رہیں اور یہ حقیقت روشن تر ہوتی گئی کہ اب ہر دور 'سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ زمانے کا حسن انہیں کی ذات تجلی صفات کا پر تو ہے۔ احمد مجتبیٰ علیہ السلام و السلام ہی تاریخ کا تسلسل اور انسان کے ارتقا کی بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔

(دو آوازوں میں یہ شعر پیش کئے جائیں آواز کا فاصلہ گھٹتا بڑھتا تحت کے

ساتھ ترنم میں بھی شعروں کی ادائیگی ہو ایک نسوانی آواز بھی استعمال کی جائے۔)

پہلی آواز

سر پر ہر ایک عمر کے احساں رنگ چرخ
پھایا ہوا انہیں کا زمانہ دکھائی دے

دوسری آواز

امین حسن زمانہ وہ ہیں محبتوں کا خزانہ وہ ہیں
وہ روح مستقبل بقا ہیں 'تمام ماضی و حال ان کا

پہلی آواز

اک سر جہاں تاب ابھرتا ہے حرم سے
اب جمونے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں

(یہ شعر ترنم کے ساتھ)

رمز ہستی 'راز فطرت' سر ذات و کائنات
ہر خیر پائی سماش مصطفیٰ کرتے ہوئے
لوگ پیات پئے جائیں گے اپنے روز و شب
اُس سرار سے کب فیا کرتے ہوئے
انعامت سید مہدات کب محدود ہے
وہمت دامن بھی دیتے ہیں خطا کرتے ہوئے

آواز سامع: میں ایک عام سامع ہوں اور عقل اندازی پر معذرت خواہ ہوں آپ دونوں معزز
راویوں نے جو کچھ فرمایا ہے اور جو شعر میں سنائے ہیں ان سے یہ بات کسی حد تک سامنے آگئی ہے کہ
نہ کہہ سکتے ہیں وہ علم و حکمت اور اس پر دست لے کر دور میں مسلمانوں بلکہ انسانوں کی رہنمائی کی
ہے اور فطرت اللہ کی ہی ہے اور فطرت کا قریضہ انجام دیتا ہے۔ نعت گو شاعروں نے ہر عہد کے اجالوں میں
اس کو اپنے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا اور حکام کا بلور دیکھا اور دکھایا ہے چودہ سو سال کی مدت
میں ان کی سب سے بڑی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیجا خوانوں نے انسان کے مستقبل
کو آپ کی سیرت کو اور گفتگو سے وابستہ کیا اور انسانیت کو آج ہی نہیں ہوئی۔

آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ان عام زبان میں کہہ کر نعت گوئی کا مستقبل کیا ہے۔ اور آج نعت
گوئی کو کون سا عمل ہے اس کے سہا پہلے کیا ہیں۔

آج نعت گوئی یہ ہے کہ آپ نے اپنے نام و اکرام میں بقدرے کیا ہے اسے عقل اندازی

کہا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ پروگرام آپ کے لیے ہے اور یوں آپ کا ہے۔

(Bridge Music)

راوی نمبر ۱:۔ نعت گوئی عمد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عربی زبان میں باضابطہ طور پر شروع ہوئی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کو منبر نبویؐ پر بیٹھنے اور نعت پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ نعت گوئی کا ایک مقصد کفار کے اعتراضات کا جواب دینا تھا۔ یوں نعت گوئی لفظوں کے ذریعہ جہاد تھی۔ صحابہ کرام زندگی کو نبی آخر الزماں کے حوالے سے دیکھتے اور پیش کرتے تھے۔

راوی نمبر ۲:۔ عربی زبان کے بعد فارسی اور بالخصوص اس کی شاعری اسلامی اقدار و تصورات کی منظرینی بعض لوگ تصوف کو اسلام کی زمین میں ایک اجنبی پودا کہتے ہیں یہ بات اس تصوف کے لیے تو درست ہے جو ہندی اور عجمی تصورات کو اپنی بنیاد بناتا ہے لیکن ہمارے عظیم صوفیوں نے سلوک، تزکیہ نفس اور احسان کو تصوف کی اساس بنایا ہے۔ یہ تصوف دنیا سے بے نیازی، خدا سے قربت اور قنوت کی خدمت کا نام ہے فارسی شاعری اسی تصوف کی امین ہے اور فارسی شعرا نے عقیدت اور محبت، جذبہ اور فکر کو نعت گوئی میں یوں جمع کیا ہے کہ فارسی نعت، اعلیٰ ترین شاعری بن گئی۔

راوی نمبر ۳:۔ اردو میں دکنی دور ہی سے شاعر نعت گوئی کی طرف متوجہ ہوئے گول کنڈا اور بجاپور کے فرماں روا ربیع الاول کی تقریبات بڑے اہتمام سے مناتے تھے۔ ان تقریبوں کے لیے وہ خود اور ان کے شاعر نعت کہتے تھے جب اردو شاعری کا مرکز دلی منتقل ہوا تو اردو شاعری کی طرح نعت کے اسالیب اور زبان میں نکھار پیدا ہوا۔ نعت گوئی صرف باعث ثواب عمل ہی نہیں رہی بلکہ اسے فنی اعتبار بھی حاصل ہوا۔ میر تقی میر جیسے عظیم شاعر نے کہا،

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسن قبول کا

دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسولؐ کا

راوی نمبر ۴:۔ میر تقی، سودا، انشا اللہ خاں انشاء، مصحفی، نظیر اکبر آبادی اور ان کے دوسرے معاصرین کے ہاں یادگار نعیتیں ملتی ہیں۔ یہ دور اجتماعی انتشار کا دور تھا معاشرے میں اقدار بکھر رہی تھیں۔ اخلاقی ضوابط دم توڑ رہے تھے۔ ان حالات میں شاعروں کے سامنے انسانی شرافت اور اخلاق و کردار کی ایک ہی مثال تھی جس سے صدیاں روشن تھیں۔ اور ان کے دور میں بھی اسی مثال کا سایہ نور ہی کر ان کے دلوں کو منور کر رہا تھا۔ ان کے معاشرے میں جو خوبیاں نظر آ رہی تھیں وہ اسی مثال کی بازگشت کا درجہ رکھتی تھیں۔

راوی نمبر ۵:۔ شاعر صداقت، خیر اور حسن کے متلاشی ہوتے ہیں اور انہیں تین عظیم اقدار کے سارے اپنے فکر و فن کے نقوش بناتے ہیں اور ایک مثالیہ کو جنم دیتے ہیں شاعروں کو یہ تینوں بنیادی اور اساسی اقدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات اور اقوال میں نظر آئیں میر نے

اپنی خاطر کے حزن کو دور کرنے کے لیے رسول کائنات سے رجوع کیا۔

(شعر خوانی)

جرم کی کھو شر کمینی یا رسولؐ اور خاطر کی حزینی یا رسولؐ
 کچھوں ہوں نقصان دینی یا رسولؐ تیری رحمت ہے یقینی یا رسولؐ
 رحمۃ للعالمینی یا رسولؐ
 ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

(Short Bridge Music)

راوی نمبر ۱۔ انیسویں صدی کے نصف اول تک نام کی مغل سلطنت قائم تھی، اگرچہ دیوار تاریخ پر لکھی ہوئی تحریر اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں غیر ملکی غلامی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ شاہ عالم ثانی ۱۸۰۳ء میں دہلی میں جہل ایک کی مدد سے داخل ہو سکے۔ زبان خلق پر یہ الفاظ ضرب الثل بن چکے تھے۔ ”سلطنت شاہ عالم..... از دلی تا پالم“

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے حضرت سید احمد شہید کا جہاد اور شہادت ہماری تاریخ کا ایک زندہ باب ہے مومن خاں مومن اس تحریک کے عظیم شاعر تھے اور انہیں اردو کا پہلا قومی شاعر کہنا درست ہو گا شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں ”مومن نے مولانا سید احمد کے خیالات کی ترجمانی اس طرح کی جس طرح بعد میں علی گڑھ تحریک کی عالی نے“

راوی نمبر ۲۔ ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہید کی شہادت مومن کے لیے بڑا سانحہ تھی ان کے لیے دنیا ایک دشت بن گئی اور ان کی ذات جیسے آہوئے سرا سہ کی مثال ہو گئی۔ اپنے لیے اور ملت اسلامیہ کے لیے منزل مراد کی تلاش ان کی ذہنی کاوشوں کا حاصل ٹھہری۔ وہ اپنی جستجو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب ہوئے اور اس خطاب کو حضرت قدسی نے آسان بنا دیا انہوں نے قدسی علیہ الرحمہ کی نعت کی تفسیر کی اور یہ تفسیر قدسی کی طرح ان کی صحت کا وسیلہ اور ذریعہ بنی۔ مومن نے اپنے قصص کا استعمال یوں کیا ہے کہ اس میں عمومیت پیدا ہو گئی ہے۔

(انظم خوانی تحت اللفظ)

دشت عالم میں سرا سہ گزاری اوقات آج تک منزل مقصود نہ پائی ہیات
 وہ اسے خضر کرامت کہ نہیں پائے ثبات باہر تیشہ دہانیم و قوی آب حیات
 لطف فرما کہ زہد می گزرد تیشہ لبی

مومن زار کی صحت نہ تھا کچھ اسلوب نہ دوا اور نہ پرہیز مرض حرص و ذنوب
 یہ تراکب ہے اچھڑ مسکھ سے بھی خوب یا طیب الفقراء انت شفاء لقلوب

زماں سبب آمدہ قدسی پے درماں طلی

راوی نمبر ۱:- ۱۸۵۷ء میں برعظیم برطانیہ کے زیرِ نگیں آیا۔ دہلی کی مسلم سلطنت کی حیثیت ایک تہذیبی علامت سے زیادہ نہ تھی اور یہ علامت بھی ختم ہو گئی۔ اس وقت مسلمانوں کی جو کیفیت تھی اور زوال و انتشار کی جو منزل تھی شاید اس کی ایک جھلک اس شعر میں نظر آ سکے۔

چکا ہے مقدر کیا اس تیرہ عجیبی کا
سورج بھی شب غم کا پرچم نظر آتا ہے

اب ملت کے لیوں پر یا تو مناجات تھی یا اپنے رسول کے حضور اس کی فریاد تھی۔

راوی نمبر ۲:- آخر اسی تاریک رات کے بطن سے ہماری حیات نوا اور نشاۃ الثانیہ کا سورج طلوع ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام دینی اور فکری استحکام کا باعث بنا اور دوسری طرف سرسید کے مدرسہ العلوم نے دین سے وابستگی کا رشتہ عقلیت پسندی اور نئے حقائق کے ادراک سے جوڑا اس دور کے اردو ادب اور بالخصوص شاعری کا حصہ ان عملی کوششوں سے کم نہیں سرسید، حالی، شبلی، 'نذیر احمد'، عبدالحلیم شرر نے ہمیں ملی تشخص عطا کیا، ہمیں اپنے ماضی پر شرمندگی سے بچایا، 'حال' کی تعمیر کے لیے ہمیں حوصلہ بخشا اور اسی کے ساتھ ساتھ ہم مستقبل کے امکانات سے آشنا ہوئے۔

راوی نمبر ۳:- اب تک نعت ہماری شاعری کی روایت میں تو شامل تھی، مگر اسے ایک باضابطہ صنفِ سخن کی حیثیت حاصل نہ تھی، لیکن اس بحران سے نکلنے کی فکری جدوجہد نے نعت کے خط و خال کو اور روشن کیا اور پہلی بار ہماری ادبی تاریخ میں نعت گوئی ہمارے شاعروں کی دنیائے فن کی مسند نشیں بن گئی کرامت علی شہیدی، 'امیر مینائی'، 'حسن' کا کوروی اور حالی کے بعد مولانا احمد رضا خاں، 'حسرت موہانی'، 'اقبال'، 'ظفر علی خاں'، مولانا محمد علی جوہر نے اردو نعت کو وسعت آشنا کیا۔

یگانہ مرحلہ تھا جب حالی نے اپنے مسدس مدو جز اسلام میں سرور کائنات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالی کے علاوہ ان کے اوصاف حمیدہ اور انسانیت ساز کارنامے اور پیغام کی طرف توجہ کی۔

راوی نمبر ۴:- اسی مرحلے پر حالی کو احساس ہوا کہ اپنے زوال، پستی اور ادبار سے مسلمان کے جذبات میں جمود آیا اور اس جمود کو توڑنے کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ اسے آقائے کائنات علیہ السلام کی بارگاہ تک پہنچا دیا جائے وہ ان کے وجود کی معنویت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرے وہ اپنے آپ کو مواجہ شریف میں کھڑا ہو پائے چشمِ غم اور دھڑکتے ہوئے دل اور لرزاں جسم و روح کے ساتھ وہ حضور سے اپنی بازیافت کی دعا کرے۔

(نظم خوانی)

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
 جس دین نے فیروں کے تھے دل آکے ملائے اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
 گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
 ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر امت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے
 فریاد ہے اے کشتی امت کے ٹکبیاں بیڑا یہ جہاں کے قریب آن لگا ہے
 کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں نظروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہے
 تدبیر سننے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
 ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے
 ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
 یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

راوی نمبر ۲۱۔ حالی کی سندس اور عرض حال یہ جناب سرور کائنات ہماری قومی زندگی اور ملی
 جدوجہد کا حصہ بن گئی۔ قومی اور ملی جلسوں میں اور تقریروں میں ”اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا
 ہے“ کی صدا کو نیچے لگی۔ حالی اور اقبال کی آواز نے اسم محمد کو نعرۂ نصرت میں بدل دیا۔ مولانا احمد رضا
 خاں علیہ الرحمہ کی نعت اگرچہ شخصی واردات اور نغمہ قلب ہے، مگر اس میں بھی اجتماعی زندگی کے
 حوالے موجود ہیں۔

ابنیساں مومنوں کو، تیج عریاں کفر پر
 تیج ہیں شانِ تعالیٰ و جلال ہاتھ میں

راوی نمبر ۲۲۔ حالی کے بعد اقبال نعتیہ شاعری میں نئی رفتوں کے امین بن کر آئے۔ اقبال نے اردو
 میں باضابطہ نعتیں نہیں لکھیں اور جو دو ایک نعتیں لکھیں بھی تو انہیں بعد میں اپنے مجموعوں کا حصہ
 نہیں بنایا، لیکن اقبال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کائنات کو دیکھتے ہیں اور کائنات
 کے ہر عنصر میں انسانیت کے نجات دہندہ اور انسانیت کے درماں کی ذات کو پیش کرتے ہیں۔ جہان رنگ
 دہ محمد مہدی کی فکر اور الفاظ کا نام ہے جہاں کہیں خاک سے آرزو کے پھول اپنی جلوہ آرائی کر رہے
 ہیں یا تو وہ نور مصطفیٰ کا کس ہیں یا تلاش مصطفیٰ میں سڑ کر رہے ہیں۔

راوی نمبر ۲۳۔ اقبال نے محمد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات نظم کئے، اپنے عہد کے
 محاشات اور سیاست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تبصرے کئے، آپ کے نام کی جاں
 بخشی سے احساس کو عام کیا۔ آئیے قصیدات سے چتے ہوئے اقبال کے کچھ نعتیہ شعر سنئے کہ یہی اشعار

اقبال کی نعت کوئی پر بہترین تمبرے کا درجہ رکھتے ہیں۔

(تیزی کے ساتھ ایک مردانہ اور ایک نسوانی آواز میں اشعار اقبال پیش کئے جائیں۔)

پہلی آواز

خیمہ افلاک کا استاد اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دوسری آواز

وہ دانائے ’سُبُل‘ مولائے ’کُل‘ ختم الرسل جس نے
غبارِ راہ کو بخشنا فروغِ وادیٰ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی حسین، وہی طاہر

پہلی آواز

روح بھی تو قلم بھی ’تو‘ تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آئینہ رنگِ تیرے محیط میں حجاب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّہ رنگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

دوسری آواز

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

راوی نمبر ۱۔ بیسویں صدی

سابع معاف کیجئے گا آپ ہی نے تو کہا کہ اقبال نے اپنے عہد کی سیاست پر بھی نعت کے حوالے سے تمبرے کئے کیا آپ ان کے اس شعر کو نعت کوئی میں شامل نہیں کریں گے۔

اپنی ملت پر قیاسِ اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

راوی نمبر ۲۔ آپ نے ہمارے اس معروضہ پر توجہ نہیں فرمائی کہ اقبال کائنات کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ ”ساقی نامہ“ میں ساقی کی علامت بھی فخرِ موجودات علیہ السلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

راوی نمبر ۱:- میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بیسویں صدی میں آزادی کی جدوجہد تیز تر ہو گئی۔ ان مجاہدین آزادی میں کئی اردو کے نامور شاعر تھے۔ حسرت موہانی پہلے رہنما تھے جنہوں نے آزادی کا کل مطالبہ کیا، مولانا محمد علی جوہر تو امام حریت تھے۔ ظفر علی خان کاروان آزادی کے نقیب تھے اور ان سب کے قلب و فکر کی قوت سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنی ایک نعتیہ غزل کے مطلع میں فرمایا۔

دُر غلبہٴ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک

فرمائیں مدد سید والائے مدینہ

مولانا ظفر علی خاں شیخ ناموس رسالت کے پروانے تھے۔ ان کا یہ اعلان سنئے

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہٴ یثرب کی حرمت پر

خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

مولانا ظفر علی خاں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے لیے مومنوں کی دنیا کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ یہ وہ ذات تھی جو پست ماندہ افراد و اقوام کے لیے بلندی کی علامت تھی۔ ان کے لہجے کا ادب اور سلیقہ ملاحظہ ہو

(شعر خوانی)

دل جس سے زندہ ہے، وہ تمنا تمہیں تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو
دنیا میں رمت دو جہاں اور کون ہے جس کی نہیں نظیر وہ تھا تمہیں تو ہو
گرتے ہوؤں کو تمام لیا جس کے ہاتھ نے اے تاج دار یثرب و بطنیا تمہیں تو ہو
راوی نمبر ۲:- حسرت، ظفر علی خاں اور جوہر کے دوسرے ہم عصر نعت گو شعراء میں اصغر گویندوی، جگر مراد آبادی اور اقبال سہیل اعظمی شامل ہیں۔ ان شعرا کے بعد حفیظ جالندھری، بھڑا لکھنوی، ماہر القادری اور حمید لکھنوی نے نعت عقیدت کو نئی سستوں سے آشنا کیا۔ حفیظ جالندھری کے شاہ نامہ اسلام کی پہلی جلد تو منظوم سیرت رسول کریم ہے۔ حفیظ کی مختصر نعتیہ نظموں میں عہد حاضر کے مسائل اور چیلنجوں کا واضح اشارہ ہے۔ حفیظ کی طرح ماہر القادری بھی اسلامی تحریک کے شاعر تھے ان کی نعتیں صرف حال کے ہی نہیں بلکہ مستقبل کے ان جدوجہد کرنے والوں کی رہنمائی کرتی رہیں گی جو کمزوروں اور زیر دستوں کے حقوق کی جنگ لڑیں گے جو نسل پرستی لادینی قوتوں اور سرمایہ داری کے خلاف جہاد کریں گے۔ حفیظ جالندھری کی ایک نعت کے چند شعر

(لظم خوانی)

غلاموں کو سریر سلطنت پہ جس نے بٹھلایا قییموں کے سروں پر کردیا اقبال کا سایا
مکداؤں کو شہنشاہی کے قابل کردیا جس نے غرور نسل کا انہوں باطل کردیا جس نے
دلایا جس نے حق انسان کو عالی تباری کا شکستہ کردیا ٹھوکر سے بت سراپہ داری کا
راوی نمبر ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں احسانات کو مولانا مہر القادری نے اپنی نعتوں
کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ہاں حفظ کا بیانیہ اسلوب نہیں بلکہ وہ غزل کے انداز کو تسلسل کے ساتھ
پیش کرتے ہیں۔

(لظم خوانی)

وہ مکہ کی سختی وہ طائف کا منظر محمد خدا کی رضا بن کے آئے
امیروں کو راز اخوت بتایا غریبوں کے حاجت روا بن کے آئے
زمانے کی سوکھی ہوئی کیتھیں پر گھٹا بن کے برے ہوا بن کے آئے

(Bridge Music)

راوی نمبر ۲۔ قیام پاکستان تک نعت گوئی کے اس قافلے میں نئے شاعر شامل ہوتے گئے پاکستان
بننے کے بعد ہمارے لیے زندگی کا مفہوم بدل گیا۔ آزادی سب سے بڑا بوجھ ہے جو انسان اپنے کندھوں
پر اٹھا سکتا ہے۔ اور پاکستان کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ اسے عہد حاضر میں اسلامی اصولوں کی تجربہ
گاہ بنایا جائے پاکستانی نعت میں یہی پہلو نمایاں ہے۔

راوی نمبر ۱۔ اقبال کا شعر ہے۔

انساں کو ثبات کی طلب ہے دستور حیات کی طلب ہے

اور اس کائنات میں جس کا دستور ہی تغیر ہے صرف اسلام ہی قائم رہنے والا دستور حیات ہے
اور محمد عربی کی ذات ثبات کی علامت ہے

فنا کے دشت میں ہے روضہ بھاک کی طرح

قیام پاکستان سے پہلے اقبال، حفیظ اور مہر القادری وغیرہ کی نعت گوئی میں یہ پہلو موجود تھا۔ قیام
پاکستان کے بعد پاکستان کی تکمیل کا مسئلہ تھا۔ آزادی خود منزل نہیں ہوتی، ہاں منزل کی راہوں کو
ہمارے سامنے لے آتی ہے۔

پاکستانی نعت، نعت گوئی کا حال ہی نقش فردا بھی ہے۔ آپ کی نعت میں شعور کی شمعیں روشن
ہیں۔ یہ نعت کار حیات اور ہنگامہ ہستی کو ہمارے لیے سہل کرتی ہے۔ چند پاکستانی شعرا کے شعر مثال
کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں محض مثال کے طور پر ورنہ

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

اور تقدیم و تاخیر کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

مستقبل تہذیب ہے مندوش نہ جب تک
دستور زمانہ بنے قرآن محمدؐ

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

چار سو اک مہیب تاریکی ہر طرف مطلع جہاں پہ غبار
تیرے انھاس روح پرور سے آگنی کلشن جہاں میں ہمار
جاگ اٹھا بخت خفتہ انساں آگنی ہاتھ دولت بیدار

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

اس مہروم سے تیرہ شبی کم نہیں ہوتی
دنیا کو روشنی کی ضرورت ہے آپؐ سے

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

تو مظہر انصاف ہے تو روح مساوات
کیا وصف بیاں ہو ترے اطوار حسین کا

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

آتے ہوئے دنوں سے بھی مجھ کو کوئی خطر نہیں
ماضی و حال میں بھی جب پورا ہوا کہا ترا

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

وہ آہو کہ ہے محروم آدمی جس سے
حضور سرور کون و مکاں سے ملتی ہے

راوی نمبر ۲:-

(آواز)

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبہ تیار یہ اپنی گرمی، گفتار، ہستی، کوار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی کوار حسین لفظوں کے انبار از کیا مضمون
میں ایک نعت لکھوں، سوچتا ہوں کیسے لکھوں
راوی نمبر ۲:-

(آواز)

ملک خدا پھر رنگ ہے ہم پر، آؤ پھر ان کو یاد کریں
پہلے بھی جب وقت پڑا ہے، ان کا نام ہی کام آیا ہے

(Bridge Music)

راوی نمبر ۱:- نعت کی صنف کسی شعری پیکر تک محدود نہیں۔ نعت ہر فارم اور ہیئت میں کہی گئی
ہے۔ غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ، مستزاد اور مخمس وغیرہ کے بعد آزاد نظم نثری نظم اور ہائیکو۔
اس تنوع کو بھی اس دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

راوی نمبر ۲:- جب ہم پر وقت پڑا تو ان کا نام اللہ کے نام کے بعد ہماری محفلوں اور مجلسوں میں
گونج اٹھا آٹھویں عشرے سے نعت گوئی اور نعت خوانی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ ہر جلسہ میں
 تلاوت قرآن پاک کے بعد نعت خوانی لازم ہو گئی۔ نعت خوانوں کو بریاتی ذرائع ابلاغ یعنی ٹیلی ویژن
ریڈیو کے ذریعہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ محمد اعظم چشتی، قاری وحید ظفر قاسمی، خورشید احمد اور
صدیق اسٹیل وغیرہ کی آواز کراچی سے خیبر تک گونج اٹھی خواتین نعت خوانوں میں منیبہ شیخ اور ام
حبیبہ کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔

راوی نمبر ۲:- بعض معتبر اور اچھے نعت گو شعراء جو اپنا کلام ترنم سے پڑھتے تھے وہ بھی نعت
خوانوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ ایسے شاعروں میں مظفر وارثی اور صبیح رحمانی کے نام سب سے پہلے
ذہن میں آتے ہیں۔ اعظم چشتی مرحوم بھی آخری زمانے میں نعت کہنے لگے تھے۔

راوی نمبر ۱:- عہد حاضر میں نعت سے متعلق رسالے شائع ہونے لگے ہیں۔ راجا رشید محمود کے
نعت اور شہزاد احمد کے حمد و نعت کے بعد صبیح رحمانی کے نعت رنگ نے نعت سے متعلق صحافت کو ایک
نیا افق دے دیا ہے۔ مسائل نعت پر اس سے پہلے فکر کا یہ سلسلہ ہمیں نظر نہیں آتا اور یہ سلسلہ ہماری
ادبی نفا کا حصہ بن گیا ہے اسی طرح نعت کے مجموعوں پر انعامات کا سلسلہ بھی نعت گوئی کے فروغ میں
ایک اہم عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔ وزارت مذہبی امور کے علاوہ بعض بنگ ادارے بھی سالانہ انعامات

دے رہے ہیں۔ ان میں حضرت حسان حمد و نعت بک بیک کا نام نمایاں ہے۔
 راوی نمبر ۲:- اب ادبی رسائل و جرائد کے علاوہ نعت کے انتخاب بھی تو اتارے شائع ہو رہے
 ہیں حفظ تائب کا انتخاب ”بہار نعت“ ادبی نقطہ نظر سے اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں شفیق بریلوی
 کے ”ارمغان نعت“ مین بہت وسعت اور تنوع ہے۔ اب مختلف شعروں کے حوالے سے نعتیہ انتخاب
 شائع ہو رہے ہیں صبیح رحمانی کے ایوان نعت میں کراچی کے زندہ شعرا کی نعتیں شامل ہیں۔ لہان کے
 شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب مرتضیٰ اشعر نے ”م۔ محمد“ کے نام سے مرتب کیا ہے۔
 نعت خوانی کا یہ فروغ‘ یہ نعتیہ انتخابات اور نعت سے متعلق یہ رسائل اردو میں نعت گوئی کے
 مستقبل کے روشن امکانات کا اشارہ ہیں۔

یہ منف ہانگو کے بعد واکا میں بھی نعت کا آغاز ہو چکا ہے
 یوں نعت کے طفیل ایک نئی صنف سخن کو سر بلندی مل گئی ہے۔ حضور کے ذکر کے لیے کوئی صنف
 اجنبی نہیں۔

آزاد نظم میں بڑے امکانات ہیں کیونکہ قافیہ اور ردیف شاعر کے راستے کی رکاوٹ نہیں۔ قر
 ہاشمی کی مرسل آخر ایک طویل نظم ہے جس کا بیشتر حصہ نظم آزاد میں ہے۔
 راوی نمبر ۲:- صبیح رحمانی کے دو نعتیہ ہانگو ملاحظہ ہوں
 (آواز)

کھولے سب جو ہر
 آپ نے نوع انسان کو
 فکر نو دے کر

(آواز، دو مری)

لکھے ان کا نام
 اگلے موسم اتریں گے
 دل پر صبح و شام

راوی نمبر ۲:- نعت گوئی کو صرف شاعری تک محدود کرنا بھی اردو نعت کی روایت کے ساتھ ایک
 طرح کی نا انصافی ہے۔ شبلی کا ظہور قدسی بہت خوبصورت نعت ہی تو ہے شاعرانہ اور تخلیقی جذبہ کا
 اظہار تخلیقی نثر میں بھی کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے۔ شبلی کے علاوہ خواجہ حسن نظامی کی نثری نعتوں کو
 بھلا کون نظر انداز کر سکتا ہے۔

راوی نمبر ۱:- نعت گوئی کے مستقبل کے ایک پہلو کا اظہار غیر مسلم شعرا کے نعتیں بھی ہیں۔ ہندو

شاعروں نے ہر دور میں نعت کسی ہے، لیکن عند حاضر کے بعض شاعروں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کو نئے انداز میں دکھایا اور دکھایا ہے۔ ایسے شاعروں میں فراق گور کھپوری، تمک کچند محروم، ہری چند اختر اور جگن ناتھ آزاد کے نام ممتاز ہیں۔ آزاد کے سلام کے دو شعر آپ کے حسن سماعت کی نذر ہیں۔

(آواز)

سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضریٰ
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر نامیہ فرما
سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رتیں بیانی کا

راوی نمبر ۲۔ اور آخر میں یہ بات عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہو گا کہ ہم نے اردو نعت کے مستقبل کا جائزہ اس کے ماضی اور حال کے آئینے میں لیا ہے۔ یہ فیچر نعت گوئی کے تمام رجحانات اور اہم نعت گو شعرا کا احاطہ نہیں کرتا ہے۔ خدا حافظ

سامع کی آواز: آپ کی یہ وضاحت بہت مناسب ہے جی چاہتا ہے کہ جوش ملیح آبادی کے مسدس ولادت رسول کا ایک بند میں بھی پیش کر دوں
راوی نمبر ۳۔ ضرور
سامع:

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر
تو نے ثابت کر دیا اے ہادی نوع بشر
مرد یوں مرس لگاتے ہیں جبین وقت پر
کروٹیں دنیا کی تیرا قصر دھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

اردو کی جدید حمدیہ شاعری کا منفرد انتخاب

وحدہ لائبریری

شبیم رومانی: صبیح رحمانی

• مرتب •

پاکستان اور بیرون پاکستان کے شعراء کرام اپنی حمدیہ نظمیں، غزلیں جلد از جلد اس پنے پر ارسال کریں

صرفت مدیر "اقدار"۔ ۲۰۷ گمرانی بلڈنگ صدر کراچی ۳ (نومبر ۲۰۰۷ء)

نعت خوان و نعت نگار محمد اعظم چشتی

پروفیسر حفیظ تائب

محمد اعظم چشتی نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک لجن و سخن کا جادو جگاتے رہے اور انہیں خواص و عوام کی محبوبیت کا شرف حاصل رہا۔ انہوں نے نعت خوانی و نعت گوئی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ چنانچہ اس وقت جتنے بڑے نعت خواں موجود ہیں انہوں نے یا تو براہ راست محمد اعظم چشتی سے استفادہ کیا ہے یا پھر بالواسطہ اور غیر شعوری طور پر ان تک حضرت چشتی کا فیض پہنچا ہے۔ نعت خوانی میں انہیں وہ عروج نصیب ہوا کہ ان کی نعت نگاری کی طرف اہل ادب نے کم کم دھیان دیا، حالانکہ وہ اس میدان میں بھی رہنمایانہ کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

محمد اعظم چشتی مزاجاً "ذہن جدید کی نمائندگی کرتے رہے، حالانکہ مختلف علوم و فنون والسنہ میں دسترس حاصل کرنے کے اعتبار سے ان کا ذوق اسلاف سے ملتا تھا۔ ان کے ذہنی پس منظر کو ظاہر کرنے کے لیے، ان کی زندگی کے کچھ کوائف پیش کرتا ہوں، جو ان کے تصدیق شدہ ہیں۔

محمد اعظم ۱۵۔ مارچ ۱۹۲۱ء کو ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں برج چک نمبر ۱۰۲ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام محمد دین چشتی تھا، جو عالم، صوفی، طبیب اور درویش منش انسان تھے۔ مجھے ان کی زیارت کی سعادت اکثر نصیب ہوئی، محمد اعظم نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے گاؤں کے اسکول میں دعا کھلاتے کھلاتے نعتیں بھی پڑھنے لگے۔ پھر چک جھمرہ کے ہائی اسکول تک جاتے جاتے وہ نعت خوانی میں مصروف ہو گئے۔

۱۹۳۷ء میں جب محمد اعظم، سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے قطب الارشاد لاہور میں پہنچے تو ابھی جوانی کی سرحد میں داخل ہو ہی رہے تھے۔ وہ خوش طبع و خوش گلو بھی تھے اور خوب رو بھی۔ چنانچہ آواز کا جادو جگاتے ہوئے جلد ہی زندہ دلان لاہور کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ جمعرات کی شب وہ داتا حضور رحمۃ اللہ علیہ کے دربار فیض بار میں نعت خوانی کرتے تو جمعۃ المبارک کے وقت مسجد وزیر خاں میں نمازیوں کو جذب و شوق کا سامان میا کرتے۔ لاہور میں نعت خوانی کے لیے حکیم فضل الہی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے، لیکن اصل استاد ان کی اپنی طبیعت ثابت ہوئی اور جلد ہی وہ لاہور سے باہر دور دور تک نعت خوانی کے لیے بلائے جانے لگے۔

جلد ہی وہ دوسرے بزرگوں کی اردو پنجابی نعتوں کے ساتھ ساتھ اپنی کسی ہوئی پنجابی نعتیں اور غزل کے انداز میں کسی ہوئی اردو نعتیں بھی پڑھنے لگے مشغلہ نعت گوئی و نعت خوانی کے ساتھ دینی و طبی علم

حاصل کرنے کا جذبہ بھی دل میں موجزن تھا۔ چنانچہ ابوالحسنات مولانا سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا اور درس نظامی اور طب اسلامی میں خاصی استعداد پیدا کر لی۔ اس سے قبل وہ اپنے والد بزرگوار سے فارسی ادبیات کی کئی اہم کتابیں پڑھ چکے تھے اور فارسی میں شعر بھی کہنے لگے تھے۔ وہ علم موسیقی سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے استاد برکت علی خاں سے بھی استفادہ کرتے رہے۔

ان کی اپنی کسی ہوئی نعتیں جلد ہی مقبول ہونے لگیں تو حافظہ برکت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر سا مجموعہ بھی چھپوا دیا۔ کلام اعظم کے نام سے یہ مجموعہ کئی بار چھپا اور ۱۹۳۸ء ہی میں ان کے ہر خانہ چکڑی شریف کے خدام کی طرف سے بھی چھپا گیا۔ اسی اثنا میں انہوں نے فن کتابت میں بھی پوری مہارت حاصل کر لی۔

۱۹۴۰ء میں جب تحریک پاکستان چلی تو محمد اعظم چشتی 'علمائے کرام' مشائخ عظام اور مسلم لیگی یزدور کے ہمراہ ملک بھر کے دوروں میں شریک ہو کر شریہ شر اور قریہ بہ قریہ مسلمانوں کے دل نعمات نعت سے گرماتے رہے اور یوں انہوں نے قریہ عشق محمد پاکستان کے قیام میں بھرپور کردار ادا کیا۔

۱۹۴۴ء میں مجموعہ شاعری "غذائے روح" پہلی بار شائع ہوا جس میں نعتوں کے علاوہ غزلیں بھی شامل تھیں۔ قیام پاکستان کے وقت ان کی بہت سی نعتیں شہر و دیہاتوں میں یکساں گونج رہی تھیں۔ ایک مقبول ترین نعت کے دو اشعار سے اس وقت کے رنگ نعت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

سارے جگ توں نرالیاں دس دیاں نیں عیسیٰ سرکارؐ دیاں گلیاں
کوہ طور تائیں شرمندہ کرن خالق دے یار دیاں گلیاں
پچھ جرائیلؑ ایس کولوں پچھ مالک یوم الدین کولوں
چنگیاں نیں عرش بریں کولوں مدنی دلدار دیاں گلیاں
محمد اعظم چشتی کی طبیعت کا ایک خاص وصف یہ رہا کہ وہ عوامی مقبولیت سے کبھی مطمئن نہ ہوئے۔
کیونکہ اردو فارسی کی کلاسیکی شاعری کے مطالعہ کی بدولت ان کا ذہن بلند سے بلند تر ہو رہا تھا۔ لہذا بہتر سے بہتر شعر کہنے کی لگن بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ چنانچہ ان کے دوسرے مجموعہ شاعری "رنگِ دیو" (جو پہلی بار ۱۹۵۳ء میں چھپا) میں ایسے بہت سے اشعار موجود ہیں جو ادبی معیارات پر نازل تھے اس دور کی ایک نعت سے ایک نمونہ۔

تمہارے آنے سے پہلے کیا تھی ہمارے صبح و سار کی صورت
نہ کوئی مونس نہ کوئی ساتھی پڑے تھے بس نقش پاکی صورت
ان کے مخاطب 'عوام کی پسند' ان کا دامن دل کھینچتی رہی، مگر وہ اپنی دھن میں آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ صوفی تبسم مرحوم اور فیض صاحب کی خصوصی صحبتوں 'حضرت احمد ندیم قاسمی کی محبتوں'

شہزاد احمد اور دوسرے معاصر شعرا کی رفاقتوں نے انہیں اتنی ادبی فضا مہیا کی اور وہ شعری معارف و جمالیات کی بھرپور آگاہی حاصل کر کے 'اپنے کلام کو مسلسل نکھارتے چلے گئے۔ یہ عاجز بھی ان کا شریک سفر رہا اور صوفی و فیض سے ان کے مراسم سے پہلے ہم لوگ سید عابد علی عابد، علامہ اطفی انور، قتیل شفائی سے بھی ملاقاتیں کرتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں "نیر اعظم" کی اشاعت تک ایک نہایت خوش گوار تبدیلی ان کے کلام میں رونما ہو چکی تھی۔ اور وہ ادبی انفرادیت کے سفر میں آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ اس تبدیلی کا احساس ایک شعر میں یوں ظاہر ہوا۔

نعت کا رنگ جو بدلا تو میں سمجھا اعظم
پہلے میں کہتا تھا اب کوئی کہلاتا ہے

اس دور میں تعزل کے ساتھ ساتھ انہوں نے قصیدہ کی روایت سے بھی بھرپور استفادہ کر کے نعت کو مزید آگے بڑھایا اور قرآن و سیرت کے مضامین کو نہایت خوبی سے نعتیہ قصائد میں سمویا۔

سینہ آئینہ الم نشرح دل خدا کی امانتوں کا مقام
تھا یہی انشراح صدر کا راز اس سے لینا تھا آئینے کا کام
ہاتھ مشکل کشائیوں کی کلید جس سے کھل جائے ہر در انعام
ہیں یہ اللہ فوق ایدہم انہی ہاتھوں میں دو جہاں کی زمام
خاک غفلین پاک وہ جس سے عرش کے بھی چمک انھیں دروہام

اس زمانے میں محمد اعظم چشتی نے پنجابی نعت کے سرمائے میں اضافے کی غرض سے مولانا جامی رحمت اللہ علیہ کی کچھ فارسی نعتوں کو نہایت کامیابی سے پنجابی جامہ پہنایا۔ ساتھ ہی ساتھ پنجابی نعت کی مستند فائزہ روایت کو دوبارے لکھ کر آگے بڑھایا اور کتاب "انیندر نے" ۱۹۷۳ء میں چمپ کر سامنے آئی۔

فن نعت میں ان کے عہد آفرین حصے کا قومی سطح پر بھی اعتراف کیا گیا اور انہیں ۱۹۷۹ء میں صدارتی تمغہ حسن کارکردگی دیا گیا۔ ان کی بے پناہ تخلیقی قوتوں اور صلاحیتوں کو اب بھی قرار نہ آیا، بلکہ لگن اور تڑپ میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا گزشتہ تین دہائیوں میں تہذیب و نعت گوئی کو نہایت سازگار فضا سیر آئی ہے اور اب کوئی شاعر ایسا نہیں جو نعت کہنے کی سعادت سے محروم ہو بہت سے شعرائے کرام مستفاد نعت کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں۔ تمام شعراء کی فکری کاوشوں اور تمام تر شعری تجربوں کی شمول سے نعت گوئی کے بہت سے نئے امکانات بھی سامنے آئے ہیں۔ نعت اب پوری زندگی کا احاطہ کرنے لگی ہے۔ تخلیقی سطح پر درنہائیک ذکر کی تصدیق ہو رہی ہے اور نعت نگاری کے اس ارتقائی عمل میں محمد اعظم چشتی بھی پوری شان و شوکت کے ساتھ شامل رہے ہیں۔

۱۹۷۰ء تک وہ نعت کے ساتھ ساتھ غزل بھی کہتے رہے۔ لہذا ان کی ربع صدی کی غزل گوئی بھی

باندین فن کی توجہ کی حقدار ہے۔ ”نیر اعظم“ کی اشاعت کے بعد انہوں نے تمام تر توجہ نعت نگاری ہی پر مرکوز کر دی اور اس لیے وہ اس صنف کے جدید تر تقاضوں کا ساتھ دیتے ہوئے، فن نعت گوئی میں رفیع و وقیع اضافہ کرنے کے قابل ہوئے۔ چنانچہ ان کا زیر اشاعت خالص مجبوراً نعت، ”معراج“ ”حیضہ“ ان کے فن نعت نگاری کی معراج ہے۔ صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین نے ان کی نعت کو ایک خاص قسم کی طرح داری عطا کی ہے۔

آنکھوں میں ڈھل جا دل میں اتر جا خالی پڑا ہے کب سے یہ منبر
ناصوت کیا ہے، جبروت کیا ہے ان کی گزر گاہ کا ایک منظر
یہ آسمان کیا، یہ لامکاں کیا کیا کچھ نہیں ہے سینے کے اندر
ان کے دل میں مسلسل پرورش پانے والی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وقت کے ساتھ
ساتھ گہری ہی گہری ہوتی گئی اور ان کا اعتبار فن بنی ہے۔ حج و زیارات کی تمنا تمام عمر ان کے سینے میں
موجزن رہی لیکن پہلے یہ کھل دل کو تسلی دیتے رہتے۔

کتنا محبوب ہے اعظم انہیں رونا میرا

ساری دنیا کو بلایا نہ بلایا مجھ کو

پھر جب حاضری، زیارت اور حضوری کا شرف پانے لگے تو ان کیفیات کو موضوع نعت بناتے ہوئے
نمایت مفرد و ممتاز انداز اختیار کیا

کعب دیکھا تو تری بت شکنی یاد آئی

خلو دیکھی تو ترا صحن حرم یاد آیا

نعت کے رنگ جدید کی نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے آشوب ذات، آشوب طمر اور آشوب
کائنات کو بھی نعت میں جگہ دی ہے اور طلب رحمت بھی کی ہے۔ پھر اپنے وطن عزیز کے لیے دعاؤں سے
بھی نعت کو مزین کیا ہے۔

یہیں مشرق و مغرب بھی تجسس میں سکوں کے درکار ہے سب کو ترے دامن کا سہارا
تپتے ہوئے ماحول سے گھبرا کے یہ دنیا اب ڈھونڈ رہی ہے تری دیوار کا سایا
بخشا ہے تو اب اس کی نگہداشت بھی فرما محبوب ہے ہر ذرہ مجھے اپنے وطن کا
محمد اعظم جی کو اپنے ہمدرد کہم پر ہمیشہ ناز رہا اور اسی ناز نے ان سے آخری دور میں کہلویا۔

مرا کریم بھی کیا کریم ہے اعظم

کہ میرا عیب بھی جسکو ہنر نظر آئے

مگر انہیں یہ بھی گراں احساس رہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا اصل تقاضا آپ

کا کامل اتباع ہے 'چنانچہ وہ کس درد سے بکا رہے ہیں ۔

تجھ سے الفت بھی ہے احساس ندامت بھی ہے

اپنا حق مجھ سے کوئی مانگ رہا ہو جیسے

یہ احساس بہت غنیمت بلکہ مبارک بھی ہے اور گنہگاروں پر سعادتوں اور رحمتوں کے دروازے

کھولتا ہے۔ دوسری طرف نعت اور اس پہ ممدوح کریم کی رحمت بیکران ناعت کو آسودگی کی وہ فضا مہیا

کرتی ہے جس کے بارے میں محمد اعظم چشتی نے کہا ۔

اعظم مگر رہی ہے کس آسودگی کے ساتھ

سایہ ہے ان کا سر پہ مرے آسمان نہیں

نعت میں محمد اعظم چشتی کی فکری و روحانی رسائیوں کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ ان کی نعت میں ہر

ذائقہ اور ہر حسن موجود ہے عوامی جذبات کی ترجمانی بھی ہوئی ہے 'صوفیانہ و فلسفیانہ ہی نہیں عاشقانہ بلکہ

قلندرانہ رنگ کی جھلک بھی ملتی ہے۔ ذات و صفات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی کا

اتکمار ادب آشنا لہجے میں ہوا۔ یوں ان کی نعت 'کلاسیکی روایت اور رنگ جدید کا ایسا امتزاج بن کر سامنے

آئی ہے جسے دور آئندہ میں بھی معیار مانا جائے گا۔

جلوے شہرِ نیل دل کے نماں خانے میں ہے

اب بھی درونِ بے بسی وہ شامیں دیکھتا رہتا ہوں میں

میں نے جن آنکھوں سے دیکھی ہیں سنہری جالیاں

آئینے میں اب وہ آنکھیں دیکھتا رہتا ہوں میں

(اقبال حیدر)

تخیل جب عقیدت کی حد آخر تک آجائے

تو پھر پیش نظر لفظوں کی آرائش نہیں رہتی

اسی اک لفظ میں زیدی مکمل نعت پنہاں ہے

ممد کہہ کے کہہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی

(قمر زیدی)

جاذب قریشی جدید تراجم کا شاعر

عزیز احسن

یوں تو کسی بھی قسم کی شاعری کو فکر سے جدا نہیں کیا جاسکتا لیکن فکری گہرائی اور فلسفیانہ عمق ہر شاعری کا جزو نہیں ہوتا اردو میں غالب نے فکری شاعری کی بنیاد رکھی اور اقبال کے توسط سے یہ روایت بعد کی نسل نے اپنائی جاذب قریشی کی شاعری اسی قبیل کی شاعری ہے۔

فکری شاعری میں زبان و بیان کے مروجہ ڈھانچوں سے انحراف کرنا، شاعری کی ضرورت اور شاعر کی مجبوری ہوتی ہے۔ شاعر جب کم لفظوں میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہے تو لفظوں کو نکت کے معانی کی محدود دنیا سے نکال کر کائنات کی وسعتیں دے دیتا ہے۔ توسیع معانی کی یہ کاوش فکری تخلیقات میں باہم نظر آتی ہے۔ جن شعرا کے ہمارا قوت تخلیق ان کی فکری رو کے ہم رکاب چلتی ہے صرف وہی شعراء کامیاب قرار دیئے جاتے ہیں ورنہ محض فکر ایک طرف تو شعریت کے فقدان کا سبب بنتی ہے اور دوسری طرف اس کا ابلاغ محدود ہو جاتا ہے۔

جاذب قریشی کی شاعری اپنے فکری عمق اور اپنے نئے اور نامانوس لفظیاتی دروہیت کے باوجود شعریت سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے یہ مانے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ جاذب شعر کو فکری آہنگ دینے اور فکر کو شعری پیکر پہنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ میں نے جو نامانوس لفظیاتی دروہیت کی بات کی ہے تو یہ بھی اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ جاذب قریشی کی شاعری روایتی طرز احساس اور لگے بندھے اسلوب اظہار کی شاعری قطعی نہیں ہے، جس کے لئے ڈھلے ڈھلائے سانچے موجود ہوں۔

ن۔ م۔ راشد اور میراجی کے بعد سب ہی جدید شاعروں کی تخلیقات میں زبان کا استعمال قدرے مختلف ملتا ہے لیکن علامتوں کا جو التزام فکیب جلالی کی شاعری میں ملتا ہے وہ بالخصوص قابل ذکر ہے۔ جاذب قریشی کی شاعری پر فکیب جلالی کے تخلیقی رویے کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے۔ بلکہ خود وہ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔

علامتی طرز اظہار کو نائدین نے ادبی اظہار کی اعلیٰ ترین شکل تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ راستہ بہت کمسن ہے۔ جاذب بلعاً ”وقت پسند اور جدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اس راستے کو اختیار کیا

ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم جاذب کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت آمیز مسرت ہوگی ہے کہ وہ اس شاعری میں بھی اپنی شناخت اور اپنا شاعرانہ اسلوب برقرار رکھنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

نعت گو شعراء کو ہم اپنی سہولت کے لئے دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جو صرف نعت کہتا ہے، دوسرا وہ طبقہ جو عمومی شاعری (General Poetry) میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے اور کبھی کبھی نعت بھی کہتا ہے۔ جاذب قریشی نعتیہ شاعری کے حوالے سے دوسرے طبقے میں شامل ہیں۔

میرا احساس یہ ہے کہ جو شعراء غزل یا نظم کہتے ہیں وہ نعتیہ (یا مذہبی) شاعری کرتے وقت اپنے تخلیقی رویے سے ہم آہنگ شاعری نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بیشتر شعراء اپنی مذہبی واردات کو تخلیقی تجربے کا جزو بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ نیتختا "ایچھے خاصے جدید لہجے کے شعراء بھی سرگشتہ خمار رسوم و قیود نظر آتے ہیں جاذب قریشی کے ساتھ قطعاً یہ معاملہ نہیں ہے وہ تو جس تخلیقی قوت اور جس جذبے کی شدت (Intensity) کا اظہار اپنی عمومی شاعری میں کرتے ہیں اور جو علامتیں اس شاعری کے لیے تراشے ہیں کم و بیش وہی تخلیقی قوت وہی جذبے کی شدت اور وہی علامتوں کی مذرت اپنی مذہبی شاعری میں بھی بڑی ہنرمندی سے بنا رہے ہیں۔

اس حوالے سے پہلے حمد کے تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

زمیں سے آسمان تک ہر غبار اجلا دکھائی دے

تری وحدت کا اندازہ اگر اک بار ہو جائے

تری آواز شہر جسم و جاں میں یوں اترتی ہے

کہ جز امکان ہے وہ روشنی آثار ہو جائے

اگر تو دھوپ کے معرا کو اپنی چھاؤں پہتا دے

تو اک طائر اڑے اور آسمان کے پار ہو جائے

دعائیہ نظم "سابان" کی امجری اور لہجے کی تازگی بھی دیکھتے چلیے۔

زرد پر چھائیوں میں جلوں کب ٹلک مجھ کو زندہ اجالوں کی تصویر کر
جن کو آتے ہوں صورت مگری کے ہنر ان ستاروں میں مجھ کو بھی تحریر کر
جھوٹ آسیب ہے تو گرفتار ہو میری آواز کو مثل زنجیر کر
اسی سلسلے میں نعتوں کا چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

دشمن لو کو امن کی پوشاک کر دیا خنجر تمام توڑ دیئے انتقام کے
لبے عداوتوں کے وہ منسوخ کر گئے آواز کو سکھائے ہنر احرام کے
تسموں کے اجالے شفاعتوں کے حرم مجھے بلا کہ میں تجھ پر نثار ہو جاؤں
میں اپنے عہد کا صحرا ہوں مجھ کو حسرت ہے ترے حضور گردن آبشار ہو جاؤں
آدمی کے سفر میں جو کوئی تجھ کو پکارے سورج سے زیادہ ترافش کف پاہو

حد امکان یزداں تک وہی اول وہی آخر
کہ خال و خد کہیں ملتے نہیں ان کی شہادت کے
ہوا کے دوش پر روشن پرندے اڑتے رہتے ہیں
مدینے کا اجالا ہے کہ عکس طور ہے لوگو
یہ پر چھائیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جس نے
زمین و آسمان نے ایک ایسا بھی دیا دیکھا

ان اشعار میں بیان کی جو تازگی ہے اور جو امجری ہے وہ روایتی شعرا کو تو میر ہو ہی نہیں سکتی دیکھنے میں
آیا ہے کہ بہت سے جدید شعرا بھی نعت کو جدید طرز احساس اور اسلوب اظہار سے ہمکنار کرنے کی
کوشش نہیں کرتے یا شاید وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ اس حوالے سے نعت گو شعراء کی ناکامی کی وجوہات پر
غور کرنے سے کچھ باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ مذہبی شاعری کرتے وقت عموماً "مذہبی واردات کو اپنی تخلیقی کیفیتوں کا جڑ دینا ہر شاعر کا ہنر نہیں بن
پاتا ہے۔

۲۔ غزل یا نظم کہتے وقت جو جذبہ شعر گوئی کا محرک ہوتا ہے اس کی شدت زیادہ ہوتی ہے اور مذہبی
شاعری کی طرح اس شاعری میں فکری حد بندی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کی طبع وہاں رواں ہوتی ہے اور
یہاں آکر رکنے لگتی ہے۔

۳۔ مذہبی شاعری میں چونکہ شعریت کی داد ملنے کے مواقع کم ہی ہوتے ہیں کہ اس شاعری میں تو

موضوع کے تقدس کا تصور ہی واہ واہ سبحان اللہ کہلوا لیتا ہے اس لئے شعراء مذہبی شاعری میں وہ محنت نہیں کرتے جو غیر مذہبی شاعری میں کرتے ہیں۔

۴۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ مذہبی شاعری کرتے وقت شاعروں کو شعوری طور پر اپنے سامعین یا قارئین کی ذہنی سطح کا خیال رہتا ہو اور وہ اس خیال سے لطافت فن اور عظمت ہنر کو قربان کر دیتے ہوں۔

بہر حال وجہ کوئی بھی ہو میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جاذب قریشی کی طرح ہر شاعر مذہبی شاعری میں اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کی پاسداری نہیں کر پاتا۔ یہاں نہ تو میں جاذب قریشی کی شاعری کو تمام مذہبی شاعری پر فوقیت دے رہا ہوں اور نہ ان کی شاعری کا دوسرے شعراء کے کلام سے کوئی موازنہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں تو صرف شعری آدرش سے وفاداری کے اس احساس میں آپ کو شریک کرنا چاہتا ہوں جو جاذب قریشی کی مذہبی شاعری پڑھتے ہوئے میرے قلب و نظر پر چھا گیا ہے۔

جاذب کی مذہبی شاعری پر ایک نظر ڈالنے کے بعد جو پہلا تاثر ملتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم ان تمام تنقیدی آراء کا اطلاق ان کی مذہبی شاعری پر بھی کر سکتے ہیں جو مختلف نقادوں نے جاذب کے کلام پر دی ہیں اور جو کچھ ان کی عمومی شاعری کے بارے میں کہا گیا ہے اسے مذہبی حوالے دے کر ان کی حمد و نعت اور منقبت کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے میں تین شعر پیش کروں گا جن میں حضورؐ کے اسم ذات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ردیف کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اس ردیف کے ساتھ روایتی شاعری تو ممکن ہے لیکن اس میں طبیعت کی جودت اور نظام لفظیات کی جدت برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہاں روایتی حوالے سے چھوٹی بحر کی قیامت خیزی کو بھی پیش نظر رکھیں تو اور حیرت ہوتی ہے۔

غبار کو آئینہ بنایا	سو کیسے صلی علی محمدؐ
دو بے خزاں موسموں کے گھر ہیں	جدھر ہیں جلوہ نما محمدؐ
جہان آواز و نغمہ و خوشبو	کتاب رنگ بقا محمدؐ

غزل کی فارم میں کی جانے والی نعتیہ شاعری میں کم کم ایسا ہوتا ہے کہ پوری نعت کا مجموعی تاثر موضوع کے تقدس کے حوالے سے برقرار رہ سکے۔ بیشتر شعراء جدت طرازی اور ہنرمندی کے اظہار میں نعت کو بھی غزل ہی کی سطح پر لے آتے ہیں۔ تاہم جاذب کے یہاں ایسے اشعار نہ ہونے کے برابر ہیں جن کو نعت کے کیونوس سے باہر رکھ کر دیکھا جاسکے۔

اس سے اس محتاط رویے کا بھی پتا چلتا ہے جو نعت کہنے کے لئے جاذب قریشی نے اپنایا ہے۔

آج کی نعتیہ شاعری کا غالب رقبان حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مثال صوری کے بجائے آپ کے حسن معنوی یعنی سیرت طیبہ کے نقوش ابھارنے کا رقبان ہے۔ جاذب کی نعتیہ شاعری کے افق پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ستارے جگمگا رہے ہیں۔ غزل کی ہیئت میں ان کی نعتیہ شاعری کے نمونے میں پیش کر چکا ہوں جن میں ایسے اشعار کی تعداد یقیناً زیادہ ہے جن سے یہ تامل کا کوئی نہ کوئی پہلو عکس ریز ہو رہا ہے۔

میری خواہش ہے کہ آپ میری محرومات کی روشنی میں جاذب کی مذہبی نظموں کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں نعتیہ نظم ”لوح جاں“ کی چند لائنیں دیکھئے۔

تیری آواز تھی روشنی کا سفر

برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا

تو نے صحرا کی اڑتی ہوئی ریت کے درمیاں

بے چراغاں زمینوں پہ گھر رکھ دیے

.... تیری چھاؤں میں زخمی بدن آگئے

تو نے دریا میں پیاسے شجر رکھ دیے

☆ ○ ☆

میں جنگل میں گھرا ہوا ہوں

اپنے خوابوں کے امکاں پر

آنسو کی تحریریں لکھ کر دیکھ رہا ہوں

لوح جاں کو چاہنے والے لوگ امر ہو جاتے ہیں

نام محمدؐ کا لے کر

صحرا بھی شجر ہو جاتے ہیں

(شر علم)

منقبتی نظموں میں بھی تازہ کاری کا وہی التزام ملتا ہے جو نعتوں میں برآگیا ہے۔

دیار ہجرت سے فتح مکہ تک

ایک لبیک کا تسلسل ہے

جس میں صدیق کی صدائیں چمک رہی ہیں

کچھ اتنا سچا تھا عشق ان کا

کہ بچنے سے ہی

طاق جاں میں چراغ سا ایک جل رہا تھا

سیاہ صحرا پھل رہا تھا

(صدیق اکبرؒ)

دعاؤں کا کم سخن پرندہ

زمین اور آسمان کے تازہ سفر سے پلٹا

تو ایک چہرہ چمک رہا تھا

تمام صحرا دمک رہا تھا

(فاروق اعظمؓ)

سچے خوابوں سے محبت کر گئے وہ اجالوں کی تلاوت کر گئے

پتھروں کے شہر میں آئے تھے وہ اور ہیروں کی تجارت کر گئے

ان کا چہرہ میرے آئینے میں ہے وہ مجھے بھی خوبصورت کر گئے

(عثمان غنیؓ)

پتھر جیسی آنکھوں میں بھی پھول کے عکس اتر سکتے ہیں

اس تمثیل کو میں سمجھا ہوں شہر علم کے دروازے پر

تازہ خوشبو کے موسم خود میرے تعاقب میں آتے ہیں

میں تلی بن کر اڑتا ہوں شہر علم کے دروازے پر

جن میں کانڈ اور پتھر کے چہروں والے عکس نہیں ہیں

وہ تحریریں میں لکھتا ہوں شہر علم کے دروازے پر

(علی مرتضیٰؓ)

وہ ایک نکتہ عظیم تھا

جو خدا کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا

بریدہ جسموں کی آیتوں کو

گلاب چہرہ جراثیموں کو
لوہے لکمی ہوئی مثالی حکایتوں کو
سیاہ معرا میں آئینے کی چٹان تھادہ
منافقوں میں صداقتوں کی اذان تھادہ

(سید الشہداء)

ہر عہد کے تقاضے اور مسائل الگ الگ ہوتے ہیں۔ زندگی کے عکس جب ادب کے آئینے میں دکھائی دیتے ہیں تو لازم نہیں کہ ہر صورت کو مکمل اور ہر منظر کو واضح طور پر دیکھا جاسکے۔ ادب کو روایتی پیمانوں سے پرکھنے والے لوگ تجدید کی مثالیں کھلے دل سے قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقتوں کے ادراک کے زاویے عصری آگہی اور روایت پسندی کے حوالے سے جدا جدا قوسیں بناتے ہیں۔ شعری لہجوں میں بھی مخصوص عہد کے تقاضوں کے تحت تبدیلیاں ہوتی ہیں کسی خاص عہد کے بیشتر شعراء میں جو مبہم یا بعض صورتوں میں بڑی واضح یکسانیت محسوس ہوتی ہے وہ بھی اجتماعی شعور اور عصری حیثیت کے توسط سے وجود میں آتی ہے۔ آج کی شعری اور نثری تخلیقات میں علامتوں کا استعمال اس بات کا غماز ہے کہ تخلیق کاروں کے ذہن بانیہ (Narrative) اور خطابیہ (Rhetoric) شاعری کی سادگی اور یکسانیت سے اکتا گئے ہیں۔ فکر و احساس کی یہ لرغیر مذہبی تخلیقات میں تو واضح صورت اختیار کر چکی ہے لیکن مذہبی شاعری تا حال اسمعیل میرٹھی کی سادگی اور حالی کی تاریخ نویسی سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھی ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ موضوع کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے لہجے کی تازگی اور زبان کے اجتہادی استعمال کی پر خلوص کاوشوں کو سراہا جائے۔

اس وقت جاذب قریشی صاحب کی نعتیہ شاعری کے محدود نمونے میرے سامنے ہیں اور انہی نمونوں کی بنیاد پر میں نے اپنی معروضات پیش کی ہیں۔ کاش جاذب صاحب کا قلم حمد و نعت کی سمت مسلسل چلتا رہے۔ میں یہ تمنا اس احساس کی بنا پر کر رہا ہوں کہ مذہبی شاعری کو جس لہجے کے حوالے سے اور جس اسلوب کے ساتھ جدید ادب کا حصہ بنایا جاسکتا ہے جاذب اسی لہجے میں اور اسی اسلوب میں بات کر رہے ہیں وہ عصری ادبی رجحانات میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی گہرا شعور رکھتے ہیں۔

حاصل مطالعہ

شفیق الذین شارق

انعام گوالیاری مرحوم کا مجموعہ نعت "سب اچھا کہیں رائے" ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے مرتب ان کے صاحبزادے ظہور الاسلام جاوید ہیں جو خود بھی ایک خوش فکر شاعر ہیں۔ لیکن تلاش معاش کے لئے ملک سے باہر رہتے ہیں۔ وطن سے دوری اس نعتیہ مجموعے کی اشاعت میں تاخیر کا سبب بن گئی۔ تاخیر سے سہی لیکن ایک اچھا نعتیہ مجموعہ نعت نگاری کے منظر پر ابھر آیا ہے۔

انعام الرحمن گوالیاری ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۳ء سے مشغلہ خن کوئی اختیار کیا۔ ۱۹۷۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی اور جنوری ۱۹۸۶ء میں واصلِ جنت ہو گئے۔ ان کا کلام قدیم و جدید شاعری کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ وہ غزل اور نعت دونوں میں قادر الکلام تھے۔ جہاں انہوں نے اپنی غزلوں میں عمری رقبات کی حکایت کی ہے وہاں اپنی نعتوں میں بھی دینی اور دنیوی تقاضیات کو سمودیا ہے۔ اسلامی جذبے کی ایک تیز لہر ان میں پائی جاتی ہے۔ اچھی نعت نگاری غزل گوئی سے زیادہ مشکل ہے۔ نہ صرف اپنے جذبات اور خیالات کو سنبھل سنبھل کر ادا کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ انہیں قاری یا سامع کے دل میں بھی اتارنا ہوتا ہے۔ ابلاغ کی یہ صورت اتنی آسان نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی دین شامل نہ ہو۔ الحمد للہ زیر مطالعہ مجموعہ میں یہ بات موجود ہے۔ کتاب کا نام اسی کتاب میں شامل ایک شعر سے لیا گیا ہے۔

دنیا کی ہر بھلائی ہے منسوب آپ سے
اچھا وہی ہے لوگ سب اچھا کہیں جسے

اس شعر کی صداقت اس کتاب کی پہلی نعت کے پہلے شعر ہی سے واضح ہو جاتی ہے۔

اے نسیم محمد بنے کی تو نہانت ہے میرے چینے کی

یہ شعر اس نعتیہ مجموعے کی جان ہے اور بقیہ سارا کلام اس کی تشریح۔ سادگی، روانی اور اثر پذیری جن عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں ان کی بنا وہی صلاحیتوں پر ہوتی ہے لیکن عزیز جہاں اور عزیز جہاں آفریں ہونے کے لیے کسب کمال بھی لازم ہے۔ نعت میں یہ کسب کمال صرف ہنر اور فن کی بلندیوں کو چھو لینے کا نام نہیں ہے۔ یہ قلبی لگاؤ اور فکری تعلق کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔ ان دو عوامل کے بغیر نعت فی منافی کا نمونہ تو بن سکتی ہے۔ لیکن اس میں تاثیر کی گہرائی نہیں آسکتی۔ مندرجہ بالا شعر کا پہلا مصرع شاعرانہ حسن کا حامل ہے اور دوسرا زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس شعر کی برجستگی اور سادگی ایک تازگی کا احساس بھی رکھتی ہے اور ایک پیغام بھی دیتی ہے۔ کتاب کے نام ہی کے حوالے سے ایک خوبصورت قطعہ ہے۔

کوئی	مثال	لائے	ہمارے	رسولؐ کی
لائے	کوئی	جواب	ہمارے	رسولؐ کا

دنیا میں جو	جراغ بھی آیا	وہ بجھ گیا
روشن ہے	آفتاب ہمارے	رسولؐ کا

انعام کو الیاری زندگی اور موت کو اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور اس میں ایک معنوی ربط اور باہمی تسلسل قائم رکھتے ہیں۔ ایک ہی نعت میں اس کی ایک مکمل مثال ہے۔

زندگی۔ وہ دن آئے کہ لوگوں سے کہوں میں خدا حافظ مدینے جا رہا ہوں

قبر۔ نہ ہو گا قبر میں میری اندھیرا کہ میں پروانہ بدر الدجی ہوں

حشر۔ مجھے کیا خوف گر ٹی قیامت میں زیرِ دامنِ شمس النعیمی ہوں

یہاں بدر الدجی اور شمس النعیمی کی صفات نبویؐ کے استعمال میں جو قدرت اور معنی آفرینی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شاعر نے زندگی اور محشر دونوں کی کڑی دھوپ میں امن و عنایت تلاش کر لیے ہیں۔ سب خیالوں سے مدینے کا خیال اچھا ہے اور اگر حضوری کے لیے بے قراری ہو تو حال بھی اچھا ہے۔ محبت رسولؐ اور اتباع رسولؐ میں اہل ایمان کے لئے سب کچھ ہے۔ فنائت حیات میں بتائے دوام کا سامان موجود ہے۔ جہاں نہیں ہے وہاں بھی ہونے کی ضمانت انعام کو الیاری کا اسلوب بیان دلواتا ہے۔

اللہ کے محبوب سے ہے جس کو محبت اللہ کا محبوب ہے معلوم نہیں کیوں
میں حب رسولؐ پی جس نے حشر تک اس کو تشنگی ہی نہیں

جس دل میں درودوں کا اجلا ہی نہیں ہے اس گھر میں فرشتوں کا گزارا ہی نہیں ہے
حب رسولؐ کی کیفیت میں جب شدت کا اضافہ ہو جاتا ہے تو بے اختیار آپ کے نام نامی کا ورد شروع
ہو جاتا ہے۔

اسم محمدؐ کا استعمال لطف تکرار کے ساتھ ہونے لگتا ہے

کتاب میں چار حمدیں، ایک سو سات نعتیں ہیں۔ نعتیہ قطعات اور فردیات بھی ہیں۔ راغب مراد
آبادی اور شبّہ رومانی کی نلیپ کی آرا ہیں۔ پروفیسر عاصی کرناٹی نے "نفس گم کردہ فی آید" کے عنوان
سے شاعر کی نعتیہ شاعری عمدہ اور قدرے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ جمیل الدین عالی "حرفے چند" میں لکھتے
ہیں۔ "ان نعتوں کی کتنی صفات بیان کی جائیں ایسے نعت گو کے ساتھ میں کیا انصاف کر سکتا ہوں جس نے
یہ مطلع کہہ دیا ہو۔

تجلیوں	کا	خزینہ	دکھائی	دیتا	ہے
ہر	ایک	ست	مدینہ	دکھائی	دیتا
					ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم

جناب حنیف اسعدی ابھی اسعد شاہ جہاں پوری ایک کراچی ہی کیا پورے پاکستان بلکہ پوری اردو دنیا
کے اپنے عہد کے منف اول کے شعرا میں سے ہیں۔ رسول اکرمؐ کو "آپ" سے خطاب کرنے کے داعی
ہیں۔ چنانچہ کئی شعرا نے حضورؐ کو تو اور تم سے خطاب کرنا ترک کر دیا ہے۔ جناب حنیف اسعدی کا پہلا
نعتیہ مجموعہ "ذکر خیر الامام" تھا اور اب یہ دوسرا نعتیہ مجموعہ "آپ" کے نام سے منصف شہود پر آیا ہے۔
یہ کتاب ایک حمد سے شروع ہو کر ایک نعتیہ سلام پر ختم ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان چالیس
نعتیں، نو تفسیسیں اور چار سو مصرعیاں ہیں۔ حمد اور سلام میں ایک جذب کی سی کیفیت اور ایک جوئے
آب سی روانی ہے۔ دونوں کی ایک ہی دور کئی بحر ہے۔ دونوں نو نو مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہیں۔
دونوں میں ہر بند کے آخری ایک ہی مصرع کی تکرار ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ حمد کے آٹھ مصرعے ہم
تافہ اور نواں مصرع تکرار والے مصرع "ہم" کا ہم تافہ ہے جبکہ نعت میں نو مصرعے ہم تافہ ہیں۔ حمد کا
تکرار والا مصرع ہے۔ "ات محمدؐ کے رب" اور سلام کا "تم پہ لاکھوں سلام" ہے۔ پڑھیے تو سماں بندھ
جاتا ہے۔ اس سلام میں تم کا لفظ شاعر کی مجبوری ہے۔ یہ سلام مشہور ہوا اور پہلے نعتیہ مجموعے میں بھی
شامل ہے۔ اس تم کی سلامی ایک اور سلام سے کردی گئی ہے۔ "آپؐ پر سلام" "تم پہ لاکھوں سلام" کے

نماوہ دس نعتیں اور تین تفسیہیں ایسی بھی زیر مطالعہ کتاب میں شامل ہیں جو پہلے مجھ سے میں بھی شامل تھیں۔ غالباً یہ نعتیں اور تفسیہیں صاحب کتاب کو اتنی پسند ہیں کہ انہوں نے ان کی شمولیت دوسرے مجھ سے میں بھی ضروری خیال کی۔

یہ کتاب ظاہر ہے کہ نعتیہ شاعری کی ہے لیکن نعت کے لئے بھی پہلے حمد ضروری ہے۔ چنانچہ حنیف اسعدیؒ اپنے سخن کے دو ہی اصول بتائے ہیں ایک حمد یعنی ذکر خدا اور دوسرا نعت یعنی ذکر رسولؐ لیکن ایک جگہ مدح رسولؐ کو حمد بھی کہہ لئے ہیں۔ وہ نام اپنی حمد یہ خود ہی ہوا گواہ۔ وہ ذات اپنے وصف میں بھی ہے حدود ہے۔ غالباً یہ سہواً ہو گیا ہے۔

اس کتاب میں شاعر کے دو جذبے خاص طور پر اپنا اظہار پاتے ہیں۔ ایک زیارتِ روضہ رسولؐ کی شدید آرزو اور دوسرا وہ جذبہ جو ایک خاص کیفیت کو تخلیق کر کے وہ تصور بھی دے دیتا ہے جس میں یہ آرزو مشکل نظر آنے لگتی ہے اور دیدہ پر خواب اپنی تعبیر دیکھنے لگتا ہے۔ وہاں ایک نعت ایسی بھی ہے جس میں شاعر نے اپنی طبعی حاضری کا حال بیان کیا ہے۔

ہم بھی آرام کہ سرور دیں دیکھ آئے
عرش کو ناز ہے جس پر وہ زمیں دیکھ آئے
دیدہ و دل نے بعد شوق مدینہ دیکھا
طالب ذوق یقیں شریقیں دیکھ آئے
خواب دیکھتے تھے سدا جن کے وہ منظر دیکھے
اپنی آنکھوں سے وہ گلزار حسین دیکھ آئے

ایک تیسری بات جو اس کتاب میں بار بار آتی ہے وہ شاعر کے اپنے غز بیان کے بارے میں ہے۔ جو وہ کہتا چاہتے ہیں۔ الفاظ میں نہیں کہہ پاتے اور دل کی تڑپ کو سپرد قلم کرنے سے عاجز ہیں۔ مگر یہ ہیمن مانع تحریر ہونے لگتا ہے۔ لیکن یہ غز بیان آپ کے حضور میں ہے۔ ہمارے لیے تو حنیف اسعدی ایک بہت پیارے قادر الکلام نعت گو شاعر ہیں۔ نعت گوئی کی ایک اعلیٰ درجہ کی سطح ادبی محاسن کے ساتھ ان کے یہاں ہے۔ اسی عہد کے ایک اور بڑے نعت گو شاعر حفیظ تائب نے حنیف اسعدی کی نعتیہ شاعری کی مدد ورجہ توصیف کی ہے اور اس کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ ”حنیف اسعدی ایک باکمال شاعر ہیں اور نطق و بیان کی تمالیات سے پوری طرح بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مضامین نعت کا خاص اور اک رکھتے ہیں۔ ادب و آگہی کے امتزاج نے انہیں وہ لہجہ جمیل عطا کیا ہے جو ان کا امتیاز ہے۔ وہ روحِ عمر اور ذوقِ جدید کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔“

اس کتاب کا ایک گوشہ تفسیہوں کے لیے وقف ہے۔ معروف نقاد اور شاعر سحر انصاری کے الفاظ میں ”حنیف اسعدی کی تفسیہیں ایک تخلیقی شان رکھتی ہیں۔ ان میں تخلیقی بھی ہے حسن بیان بھی اور فنی

خوبیوں کا لطف بھی۔ ان تنمیںوں کے حوالے سے چند معروف شعرا کی خوبصورت نعتیں بھی ہمیں پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ جان محمد قدسی، بیدم دارلثی، راغب مراد آبادی، شاعر لکھنؤی، سحر انصاری، جازب قریشی، صبیح رومانی کی نعتوں پر صاحب کتاب کی تنمیں گویا چار چاند لگا دیتی ہیں۔ شبنم رومانی کی نعت بھی اچھی ہے لیکن مطلع محل نظر ہے۔ جس میں انھوں نے رسول اکرمؐ کے نام کو اسم اعظم کہہ دیا ہے۔ اسم اعظم صرف اللہ کا نام ہے۔

کتاب کے شروع میں پروفیسر تقی حسین اور جناب تابش دہلوی کے مضمون اس نعتیہ شاعری کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ یوں تو مدت رسولؐ کی جو تفتیشی ہے وہ سیراب ہونے کی متنی ہے لیکن زبان و بیان عاجز ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر
اس دعا پر اہل ایمان صاحب قلم آمین کہتا ہے۔

کلام لا کلام

”کلام لا کلام“ ایک صاحب طرقت بزرگ شاہ انصار الہ آبادی کا نعتیہ کلام ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کے شاعر کا اصل میدان تصوف و روحانیت ہے لیکن واردات قلبی اور کیفیات دل کے اظہار کے لیے وہ شاعری کا وسیلہ استعمال کرتے ہیں اور یوں مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد کے سلسلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب میں نعتوں کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؑ الہامی نیز دیگر بزرگان دین کی منتبسیں بھی شامل ہیں۔ ”کلام لا کلام“ سے پہلے شاہ صاحب کے دو نعتیہ مجموعے ”سراج السالکین“ اور ”سلوٰۃ و سلام“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا رنگ سخن اگرچہ قدیم ہے لیکن وہ اپنے متعلقہ اوصاف سے متنوع بھی ہے۔ مضمون آفرینی اور عمق فکر ان کے کلام کا خاصہ ہے۔ وہ خود اپنی نعتیہ شاعری کو روح کی لطف اندوزی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دل کی تڑپ، تمنائے حضورؐ، کیفِ نظارگی اور شب بیداری ان کے کلام کے لازمی عوامل ہیں۔ روایت میں ندرت پیدا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ البتہ شاہ صاحب فرطِ عقیدت، وفورِ محبت اور عالم سرشاری میں اپنے سجدے بھی نعتوں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ جائے احتیاط ہے۔ احتیاطاً سر کو جھکا لینا اور بات ہے لیکن سجدے کا لفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور صرف

موجود حقیقی کے لئے مخصوص ہے۔ ممکن ہے کسی باطنی کیفیت کے زیر اثر ایسی صورت پیدا ہو۔ تاہم عقیدت میں بھی غلو سے احتیاط لازم ہے۔ عام غزلیہ شاعری کے رموز و علامت کا نعت میں استعمال نہ ہو تو بہتر ہے۔ ایسے چند مقامات سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو اس میں نزاکت خیال اور لطافت ظہار میں بہار پر ہیں۔

بیا ہجر مدد بہار ہو کہ خزاں
بارا گریہ گلوں کی مہی سے لہا ہے
یاد حق میں جو غم اٹک ٹپک جاتا ہے
ہز گنبد مری نظروں میں بھٹک جاتا ہے

کیف حضوری اور عالم جذب ان نعتوں کے اجزائے ترکیب اور یقین اس نعتیہ کام کی جان ہے۔

بوقت نزع جب ہونٹوں پہ نام شاہ دیں آیا
مٹے مرنے سے بڑھ کر اپنے جینے کا یقین آیا

جو دل سے بیرو دین متین ہوتے ہیں
قسم خدا کی بھسم یقین ہوتے ہیں

یقین کی اس کیفیت کے ساتھ اس نعتیہ شاعری میں یاد نبیؐ کی جو تڑپ ہے اس سے وہ زندگی کے لیے ایک نظام عمل بھی مرتب کرتے ہیں۔ یہ شعور و آگہی کی منزل ہے۔ آگے چل کر یہ تڑپ ایک ایسی بے خودی میں تبدیل ہو جاتی ہے جو پورے منظر نامے پر حاوی ہو کر اس کام کا حاصل کام بن جاتی ہے۔ شاہ صاحب کا تمام کام کسی نہ کسی عنوان کے تحت ہے۔ کہیں یہ عنوان کسی ایک شعر کے حوالے سے ہے اور کہیں پوری نظم کے حوالے سے۔ شاہ صاحب اپنے قدیم رنگ میں بھی اسلوب تازہ کی صورت میں جدت طرازی کا سامان پیدا کر لیتے ہیں۔ اس عمل میں ردیف و توانی کے استعمال سے بھی کام لیتے ہیں۔

شاہ

در اقدس پہ حاضر ہو کے بھی ہوں غیر حاضر ما کمال عاشقی حد سے سوا اچھا نہیں گستا
دل بے تاب کی تا بانیاں ماشاء اللہ کیا خوش آزار عقیدت کی نقش ہوتی ہے
رو حضوری حق کیوں نہ ہو براہ حضور جمال روح دو عالم ہے درنگ و حضور
معنوت میں روزن عرفان دیکھنے میں سنہری جال ہے
پہرتے نہیں ہیں ان کی حضوری سے سر پہرے مجھ سا فقیر کیسے بھلا در بدر پہرے

وحدت بھی نمایاں ہوئی کثرت سے زیادہ کونین میں کیا ہو کوئی حضرتؑ سے زیادہ
واللہ ارض پاک میں ہے یہ کہاں کا حسن زروں کے چٹم و قلب میں ہے دو جہاں کا حسن
خوش آزار روزن عرفاں اور ایسی دیگر تراکیب شاہ صاحب نے بڑی معنی خیز استعمال کی ہیں۔ یہ کلام
اپنے اندر ایک کشش اور جاذبیت رکھتا ہے۔ البتہ قاری پر ایک بھاری ذمہ داری بھی عائد کر دیتا ہے کہ
کیفیات بے خودی کو نکات خودی سے الگ رکھے۔ کتاب میں موصوف کا ایک کلیسیا بھی شامل کیا گیا
ہے۔ کتاب کے ہر صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام ہے۔ کتاب کی پیشکش میں کفایت کا سلیقہ شامل
ہے۔

رنگ روشنی خوشبو

رسول اکرمؐ کی صفات مبارکہ کے رنگ آپؐ کی حیات طیبہ کی روشنی اور آپؐ کی ذات نفیسہ کی خوشبو
انسانی زندگی کے کون سے شعبے میں نہیں۔ پھر ان کی خصوصیات کی بے شمار جہتیں کہ جس زاویے سے
دیکھو نمایاں سے نمایاں تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ رنگ، یہ روشنی اور یہ خوشبو جب شاعری میں نعت کا
انداز اختیار کر لیتی ہیں تو قرطاس و قلم کا اعتبار مضبوط ہو جاتا ہے۔

ذکر شاہ بحر بدر رنگ، روشنی، خوشبو ختم میرے آقاؑ پر رنگ، روشنی، خوشبو
جب سے ہے اساس فن مدحت شہ دوراں ہے مقیم میرے گھر رنگ، روشنی، خوشبو
آپؐ کے حوالے سے آپؐ کے وسیلے تک ہے شعور کا محور رنگ، روشنی، خوشبو
جاؤں میں جہاں پر بھی ان کا ذکر ہو لب پر بانٹا پھروں در در رنگ، روشنی، خوشبو

یہی رنگ، روشنی اور خوشبو جب گنبد خضرا کے حوالے سے ایک شاعر پر مہمان ہو گئے تو وہ اپنے پہلے
والے موضوعات سخن کو چھوڑ چھاڑ نعت نگاری کا ہو گیا۔ اس کے دل پر انوار رسالتؐ کے درپے کل
گئے۔ اس کے ذہن کو عرفان اور اس کے جذبوں کو بقا کا سامان مل گیا اور وہ اپنی نعتوں کا مجموعہ "رنگ
روشنی خوشبو" کے نام سے چھپوا کر خورشند و بہرہ مند ہو گیا۔ اس شاعر کا نام ہے سجاد سخن

سجاد سخن شامروں کی اس نہایت سے تعلق رکھتے ہیں جو پہلے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے
رہے لیکن جب نعت نگاری کی طرف آئے تو اسی کے ہو رہے۔ ان کا شمار کراچی کے سینئر شعرا میں ہوتا
ہے۔ قادر الکلام ہی لفظ کی حرمت اور اس کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ زیر نظر نعتیہ مجموعہ ان کی ایک سالہ
کاوش کا نتیجہ ہے۔

نذر اولیس ہے یہ اسے سخن عقیدت کی پیش شائع محشر رنگ 'روشنی' خوشبو
 حجاز سخن نے یہ 'نفتیں بڑی لگن کے ساتھ کہی ہیں۔ یہ ان کا عاقبت کے لیے جمع کیا ہوا زادراہ ہے۔
 اپنی نعتوں میں شعریت کا خیال رکھتے ہیں۔ حمد کہتے ہیں تو اس میں بھی احتیاط کے ساتھ مدحت رسولؐ کا
 رنگ بھردیتے ہیں۔

مولا ترا عرفان ہے عرفان محمدؐ
 ہے تیرے لیے خلقِ ثناء خوان محمدؐ

ہم جیسے گنہگاروں کو اے داور محشر
 ہے تیری عطا نسبتِ دامن محمدؐ

قرآن کی صورت میں دیا مناجاتِ زیت
 احسان ہے تیرا پس احسان محمدؐ

یہ سب تری محبوب نوازی ہے خدایا
 شاہوں سے بھی افضل ہیں غلامان محمدؐ

یوں تو سجاد سخن کا طرز کلام فطری طور پر ان کے تمام کلام پر چھایا ہوا ہے لیکن ان کی نعتیہ شاعری میں
 جذبات کی پاکیزگی، محسوسات کی سچائی اور حقیقت نگاری اس طرح آمیز ہو گئی ہیں کہ ان کے نعتیہ اشعار
 شاعرانہ حسن سے نکھر نکھر گئے ہیں۔ ان کے رنگ سے بصیرت افروز روشنی پھوٹ رہی ہے۔ یہی روشنی
 اپنے ساتھ ایک جاں نواز اور زندگی بخش خوشبو لیے فضا کو مکا رہی ہے۔ نعت نگاری کی جو لہر شاعر کے
 ذہن و دل میں اتر آئی ہے وہ نہایت طاقتور 'ایمان کی حرارت سے بھرپور اور فکر کو تحریک دینے والی ہے۔
 اس لہر نے نہ صرف شاعر کی طبع و سما کو ہمیز کیا ہے بلکہ فکر سلیم اور ذوق جمیل کو بھی انگیز کیا ہے۔ ایک
 شدید خواہش سیرت رسولؐ کی پیروی کی اور ایک تڑپ دیا رسولؐ میں حاضری کی ان نعتوں میں پائی جاتی
 ہے۔ گنبد خضرا مطہر نظر اور شریطہ دل کی آرزو ہے۔ اضطراب کی ایک کیفیت شاعر کو مستقلاً بے چین
 رکھتی ہے۔ کبھی تو یہ کیفیت بھی ہوتی ہے۔

مزے آنے لگے ہیں دل کو دوری میں حضوری کے تصور میں ہے حسن لازوال گنبد خضرا
 حجاز سخن جب محبوب خدا کے لیے مدحت سرا ہوتے ہیں تو ذاتِ عالی کی صفاتِ عالیہ بھی بیان کرتے
 ہیں اور بشریت کے حوالے سے بھی آپؐ کی عظمت کی بات کرتے ہیں۔ عام ذکر سے ہٹ کر اپنی طبع زاد

رونیس بھی نکالتے ہیں۔ البتہ چند رونیس ایسی بھی ہیں جن میں ایک دو شعر تو نبھ گئے لیکن پوری نعتیں ان رونیس کے حق میں نہیں ہیں۔ نہ ہوتیں تو بہتر تھا۔ کیس کیس روانی طبع میں زیادہ ہی تیزی آگئی ہے۔ توقع ہے کہ اس یک سالہ کاوش فکر کے بعد کا مرحلہ زیادہ ہموار ہوگا۔ دل میں سرکار کی محبت و عقیدت کے دیئے روشن ہوں تو راہ روشن تر ہو جاتی ہے۔ جناب اختر حامد خان نے کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے جو ان کے اپنے مخصوص اور دلچسپ اسلوب میں شاعر کی شخصیت اور اس کی شاعری دونوں کا تعارف پیش کرتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ حضورؐ کے در تک پہنچنے کے لئے شاعر کی لگن با مراد ہو۔ آمین!

ہم بھی دیکھ آئیں گے دربارِ مدینہ گر یونہی
آنے والے ہم کو جانے کی دعا دیتے رہیں

سارے حرف گلاب

ایک خوبصورت نعتیہ مجموعہ ہم دست ہوا ہے۔ سبحان اللہ! پہلے تو اس کے مصوری حسن نے دامن نگاہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ نام ہے "سارے حرف گلاب" ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس سے پہلے عاصی کرمانی کا ایک نعتیہ مجموعہ "نعتوں کا گلاب" ۱۹۸۶ء میں چھپ چکا ہے۔ نعتوں کے زیرِ نظر گلاب اب شوکت باثمی کے میاں کھلے ہیں۔

اس کتاب میں رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کے ۶۳ سال کی مناسبت سے ۶۳ نعتیں ہیں۔ پہلے پانچ صفحات پر ایک ایک شعر درج ہے۔ توحید و رسالت، حرفِ سخن، مدینے کے میٹھے موسموں، درودوں کی سلامی اور مدحت رسولؐ کی سعادت کے بارے میں۔ اس کے بعد ایک حمد ہے۔ حمد کے ہر صنف پر تسبیح و تمجید کے کلمات درج ہیں۔ نعتوں کے تمام صفحات درود پاک سے مزین ہیں۔ ہر نعت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ نعت کس مقام پر لکھی گئی ہے۔ اتنا اہتمام کون کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شوکت باثمی نے سارے گلاب حرف ایک خاص ماحول اور ایک خاص کیفیت میں لکھے ہیں۔ اس نعتیہ مجموعے کے "سارے حرف گلاب" کے پہلی نعت کی ردیف کا حصہ ہیں۔

احمدؑ اسمؑ محمدؑ نام کے سارے حرف گلاب
ذکرِ ثناء و نعت و سلام کے سارے حرف گلاب

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ سفر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مدینے چلے ہیں خراماں خراماں سفر ہو رہا ہے بہاراں بہاراں

۱۔ دو جہاں کے غلام آ رہے ہیں مودب مودب ہشیاں ہشیاں
 مدینے کی راہیں مدینے کے رستے درخشاں درخشاں فروزاں فروزاں
 اس کے بعد سترہ اشعار پر مشتمل ایک ایسی نعت ہے جس میں وہ اپنے وفور شوق اور جذب رواں سے
 مخاطب ہوتے ہیں۔ کیف و سرور کا عالم ہے۔ لب لریزاں ہیں اور دل گریہ کناں ہے۔ درد نماں خوبال رہا
 ہے۔ زندگی آداب حضورؐ کے ساتھ اپنا سلام پیش کر رہی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دستور کے مطابق اور
 قرآنی حکم کے تحت زبان آہستگی کے ساتھ اور اشکوں کی روانی اپنی خوش یابی کے ساتھ بحر کا اظہار کر رہی
 ہیں۔ اس نعت میں جو اپنی اکائی میں ایک نظم ہے شاعر اپنے جذبات اور محسوسات کو نہایت کامیابی کے
 ساتھ الفاظ کا روپ دے لیتا ہے۔ یہ ایک نعت ہی شوکت ہاشمی کی نعت نگاری میں تخلیقی صلاحیت کا
 ثبوت ہے۔ جس طرح ایک ندی اپنے بہاؤ کے لئے اپنا راستہ خود متعین کرتی ہے اس طرح شوکت ہاشمی
 کی روانی طبع بھی اپنی زمین اور اپنا رخ خود متعین کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جذبات و
 محسوسات از خود الفاظ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے افکار اپنے اظہار کے لئے ردیف و قوافی
 بھی خود ہی لے آتے ہیں۔ اس کیفیت میں آمد ہی آمد ہے۔ مدینہ پہنچتے ہیں قوادب و احرام کا مرتع بن
 جاتے ہیں۔

یہ ساں ہے صبح طیبہ کا ساں 'آہستہ بول' اے وفور شوق اے جذب رواں آہستہ بول
 ردیف و قوافی کی بات ہوئی ہے تو یہ تروتازہ اور شاداب زمینیں دیکھتے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ سب فطری طور
 پر تصور میں آگیا ہے۔

بار، روشنی، خوشبو، گلاب تیرا نام بشارتوں کا مکمل نصاب تیرا نام
 خیال رونق اطہر مبارک مبارک اے دل منظر مبارک
 وہ فارقلیط وہ تمنا یا، انا اعطینک الکواثر خود رب جہاں نے فرمایا، انا اعطینک الکواثر
 اسلام ہے، ایمان ہے آقا، تری تعلیم اک بولتا قرآن ہے آقا، تعلیم
 اس شاعری میں کیف آوری تو ہے لیکن سرشاری کی وہ شدت نہیں جو انسانی ذہن کو خمیدہ اور محدود کر
 دیتی ہے۔ اس میں پورے ہوش و حواس کے مواج لیکن گہرے پانیوں کی شادوری ہے۔ شاعر کو اس بات کا
 پورا پورا احساس ہے کہ فی الواقع وہ کہاں کھڑا ہے۔ "سارے حرف گلاب" کے پڑھ کر ایک تو اختر
 مکھنوی یاد آتے ہیں جن کی نعتیہ شاعری بھی کچھ ایسی کیفیات سے معمور ہے لیکن ان کے میاں نعتیہ
 شاعری کی تنزیل فوری نہیں ہوتی۔ وقت کی ایک مدت گزرنے کے بعد ہوتی ہے۔ دوسرا خیال آتا ہے۔

حفیظ آئب کا جن کے میاں شکستہ اور نوبہ نور دلیف و توانی اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں لیکن الفاظ کے حسن استعمال کا یہ انداز شوکت ہاشمی کا طبع زاد بھی ہو سکتا ہے۔ مندرجہ بالا "آہستہ بول" والی نعت جس کیفیت کی عکاس ہے اس کی افشا تخلیق کرنے میں شوکت ہاشمی کے اپنے لب و لہجہ کا بھی بڑا دخل ہے۔ ان کی بالمشی واردات کا ظاہری اظہار زیادہ وقت نہیں لیتا۔ احساس ان کا عمل اور اظہار ان کا فوری رد عمل ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ کہنا ہوگا کہ ان کا اظہار ان کے احساس کا عمل در عمل ہے اور اسی ایک عمل کو آگے بڑھانے کا نام ہے۔

ان نعتوں میں وہ حسرت بھری تڑپ نہیں ہے جو محرومیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ مدینے کا سفر مدینے پہنچ جاتا ہے۔ میاں محرومی اور حسرت کی تسکین نہیں ہے، حضوری کی سیرابی ہے۔ یہ نفیس تمنا براری کے جلو میں لکھی گئی ہیں۔ موسم باران کرم شاعر کا شنیدہ نہیں دیدہ ہے۔ آنکھوں میں دید کے دیپ روشن ہیں اور سامنوں میں مسکتے پھول کھل رہے ہیں۔ شاعر اپنے تمام حواس کے ساتھ ان سے بہرہ یاب ہو رہا ہے۔ اس کیفیت میں بھیگ رہا ہے۔ البتہ کیس کیس اس سے ایسے اشعار بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔

یہ دوری بھی میری حضوری ہے آقاؐ خبر آپؐ کو پوری پوری ہے آقاؐ

حالانکہ یہ اشعار مسجد نبویؐ میں کہے گئے اور روزِ المہر پر پیش کئے گئے۔ شاعر نے نبی اکرمؐ سے خطاب کا جو انداز اختیار کیا ہے اس میں بھی توازن نہیں ہے۔ تو تم اور آپ سے خطاب کرتے ہیں۔ ایک اتنے نعتیہ مجموعے میں یہ تاہواری اتچی نہیں نکلتی۔ امید ہے کہ شوکت ہاشمی مزید احتیاط سے کام لیں گے۔ اس آرزو کے ساتھ کہ بادِ صوفیہ کو عمر بھر اور کچشم ترسیرت خیر البشر لکھتا رہوں، ان کے لیے یہ سعادت ہی کیا کم ہے کہ وہ نعت سرکارؐ اور ان کے انوار لکھتے رہتے ہیں۔

• دلائل احمد رضا خاںؒ "حفیظ جالندھری اور ماہر القادری کے سلاموں کی طرح سے شوکت ہاشمی کا کتاب کے آخر میں ۱۷۸ اشعار پر مشتمل جو سلام ہے۔ وہ بھی اپنا ایک انداز رکھتا ہے۔ اس کے ہر شعر کا پہلا مصرع سلام کے لفظ سے اور دوسرا مصرع درد کے لفظ سے شروع ہوتا ہے۔ نہایت پر کیف ہے۔

یہ کتاب نعتیہ شاعری کا ایک بہتر مطالعہ پیش کرتی ہے۔ صوری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ

مہر جہاں تاب

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے دل و دماغ عطا فرمائے ہیں۔ اسے نفس سے

نوازا ہے۔ اسے اس کے اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار پر قادر کیا ہے۔ اس لیے انسانوں میں سے جو اہل ایمان ہیں وہ حمد الہی اور مدحت رسولؐ کے لیے اپنے طلم اور صلاحیت کے مطابق اپنے انداز بھی ایسے استہلال کرتے ہیں۔ جن سے ان کے مدعا کا ابلاغ بخوبی ہو سکے۔ ہر وہ اہل ایمان جس کو قدرت نے قوت تحریر و دیانت فرمائی ہے یہ سعادت حاصل کرنے میں حتی الامکان کوشاں رہتا ہے۔ نہ صرف کوشاں رہتا ہے بلکہ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا خواہاں بھی ہوتا ہے اور یہ عین فطری امر ہے۔

جنتاب مقبول شارب بھی شعر گوئی کا ذوق اور سلیقہ رکھتے ہیں۔ اردو ادب میں ایم اے اور ایک تعلیمی ادارے کے سربراہ ہیں۔ حب رسولؐ کے جذبے سے سرشار ہیں۔ یہ سرشاری نعتیہ شاعری میں منتجب ہو کر "مہرجاں تاب" کے نام سے کتابی صورت میں طلوع ہوئی ہے۔ اس مہرجاں تاب کی روشنی اتنی سی نرم ہے جتنی کہ ایک ہلکے ابر کے سورج کے سامنے آجانے سے ہوتی ہے۔ کلام میں سادگی اور دل نشینی ہے۔ جس ذات والا صفات کی یہ مدحت ہے اس کے لئے کہتے ہیں۔

کوئی حسین کیسے سمائے نگاہ میں حسن صفات و ذات کا عالم نظر میں ہے
ہر وقت رمتوں کا جہاں پر نزول ہے ایسا دیار صرف دیار رسولؐ ہے
اس کتاب کے مندرجات کے بارے میں سید عزیز الرحمن عزیز نے اپنی تقریر میں ان کے
محاسن شعری تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ "زاد آخرت" کے عنوان سے سالک عزیزی کا مضمون شامل
کتاب ہے۔ مقبول شارب کے نعتیہ کلام میں "روشنی" کے استعارے کے بارے میں ڈاکٹر راحت عالم
نسیم کا یہ تہنیت ہے۔ دیگر مختصر مضامین شاعر کے استاد غامدی اجیری اور سید شامس حسنی کے ہیں۔ بزم
فردغ ادب کے سرپرست اعلیٰ سید قمر الزماں شاہ صاحب کا بھی ایک مضمون "عشق رسولؐ" کے عنوان
سے ہے۔

مقبول شارب کا رنگ سخن سادہ اور روایتی ہے۔ اس میں نہ سخن آرائی کی مرصع کاری ہے نہ نغمو
خیال کی جدت طرازی ہے۔ لیکن پر خلوص مدحت رسولؐ ہے اور اس میں جو کیف و سرور ہے وہی مستند
مصول ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

جس کو رہتا ہے ہر اک لمحہ خیال مصطفیٰؐ ایک دن وہ دیکھ ہی لے گا جمال مصطفیٰؐ
پھول اللہ کے کھلائے نفرتوں کے دشت میں یہ تو کوئی کم نہیں شارب کمال مصطفیٰؐ
آقائے نامدار کا غم کیا ہوا نصیب میرے لیے نشاط کا سامان ہو گیا
محبوبوں کے مروتوں کے نوازشوں کے عطا کے موتی قدم قدم پر ہیں رونا ہوں دلائے خیر الودعی کے موتی

تمام نعتیں کسی نہ کسی عنوان کے تحت ہیں۔ مثلاً ”مخبر صادق“، ”فخر و عالم“، ”مہراج زندگی“، ”آئینہ حقیقت“، ”رہبر کامل“۔

ان نعتوں کا پہلا پر ت اکر بنا کر دیکھا جائے تو شاعر کے دل میں حب رسول موجد جن طے گا۔ سطر پر سکون ہے لیکن زیر سطح صورت حال مختلف ہے۔ مقبول شارب روائے رحمت کے زیر سایہ حب رسول کی متاع بے ہمالیے رہتے ہیں۔ کتاب میں ایک حمد اور ۲۸ نعتوں کے علاوہ خلفائے راشدین اہل بیت و دیگر اصحاب کبار اور چند بزرگوں کی مستقیں بھی ہیں۔ شاہ لطیف کے لیے کہتے ہیں۔

گلشن سندھ کو ملی تم سے عظمت بے مثال شاہ لطیف

آخر میں ہمارے عہد کے ایک معروف عالم، نقاد، استاد اور صاحب طریقت بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کی قابل قدر رائے سے اقتباس۔

”جناب مقبول شارب کا مجموعہ نعت دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ سیدھی سادی زبان میں نہایت خلوص و عقیدت کے ساتھ ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے جو بڑے بڑے نعت گو شعرا کا طرہ امتیاز ہے۔ انہیں اچھی غزل لکھنے کا تجربہ ہے اور اسی تجربے سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے بعض حسین نعتیں لکھی ہیں۔ مجھے یہ نعت بہت پسند آئی۔

کرم کی آمو، الفت کی جاں ہے محمدؐ نازش کون و مکاں ہے
وہ جس سے رونق کون و مکاں ہے وہی انسانیت کا دل ہے جاں ہے
دیار مصطفیٰؐ کا ذرہ ذرہ حریف مر و مادہ کھلکشاں ہے
قدم لیتی ہے جس کا بڑھ کے منزل ہمارا وہ امیر کارواں ہے
شہ کونین کی الفت ہے جس میں وہ دل عشق الہی کا جہاں ہے

اللہ خوش رکھے اور اس محبت میں استقامت بخشے۔ آمین ثم آمین۔ اس سے بڑھ کے سند قبولیت خواص مقبول ستاراب کے لیے کیا ہو سکتی ہے۔

مایہ دل نشیں

صوبہ سندھ میں کراچی کے بعد حیدر آباد شہر میں علمی و ادبی مجلس زیادہ منفقہ ہوتی ہیں۔ اس شہر میں الان سید قمر ایاز شاہ صاحب رہتے ہیں۔ جو ایک سے زیادہ علمی و ادبی انجمنوں کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔

ان کی ذات بابرکات سے ایک ایسا چشمہ فیض رواں ہے جو پیاسوں کو سیراب کرتا ہے۔ انہی کی ایک تحریر بعنوان ”محبت رسولؐ“ ایمان کی اساس کے ساتھ وجاہت شوقی کا نعتیہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ وجاہت شوقی ج کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ چنانچہ ان کے کلام میں اس مبارک سُر کی جھلکیاں بھی جا۔ با نظر آتی ہیں۔

اے زمین کہ یہ تیرا نصیب تجھ پہ محبوب خدا پیدا ہوا

کیا دینے کی کوئی کلی آگئی دیدہ و دل میں اک تازگی آگئی

یہی دیدہ و دل کی تازگی جو فی الحقیقت ایمان کی تازگی ہے اس شاعر کے لئے مایہ دلنشین ہے۔ چونکہ نکلے تعلیم سے وابستہ ہیں اور اس لحاظ سے دیکھئے تو معلم اعظم و آخر کے نقش قدم پر چلنے والے پرائمری سطح سے جامعہ کی سطح تک ہر استاد قابل احترام ہوتا ہے۔ اگر قدرت نے سخن گوئی کی صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے اور یہ صلاحیت نعت نگاری کے لیے استعمال کی جاتی ہے تو عزت و تکریم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ کہنا آسان ہے کہ وجاہت شوقی کا طرز سخن روایتی ہے لیکن غور کیجئے تو روایت اپنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ جس طرح ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی، ہر پتھر ہیرا نہیں ہوتا، ہر سیپ میں موتی نہیں ہوتا، اسی طرح ہر جدت بھی دامن کش دل و نگاہ نہیں ہوتی۔ اس کی مثال وہ نئے تجربے ہیں جو شعرو ادب میں کئے جا رہے ہیں۔ اگر نعت میں نعتیہ شاعری کے محاسن موجود ہیں اور مدحت رسولؐ میں جذیوں کی سچائی اور عقیدت کی گہرائی شامل ہے تو قدیم و جدید کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہی مضامین کی تکرار تو وہ قد کمر سے کم نہیں ہوتی اور یہ قد کمر کہاں نہیں پائی جاتی۔ بات صرف انداز بیان اور طرز ادا کی رہ جاتی ہے۔ اگر یہ تاخیر کی حامل ہیں تو بات یقیناً ”بن جاتی ہے۔ اس تاخیر میں وجاہت شوقی کی نعتیہ شاعری کو دیکھا جائے تو سادگی، برجستگی اور اثر پذیری کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ یہ شاعر کی کامیابی ہے۔ ربیع صدی کی مشق سخن بھی نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض ملاحتیں راتوں رات بام شہرت کو چھو لیتی ہیں لیکن یہ بات ہر اک کو حاصل نہیں ہوتی وجاہت شوقی نے جس محبت عقیدت اور جذبہ ایمانی کے ساتھ یہ نعتیں کہی ہیں ان کی مقبولیت کا اصل مقام تو بارگاہ خداوندی اور سرکار نبویؐ ہی ہے لیکن ان کے حلقہ تعارف میں بھی ان کو پسندیدگی حاصل ہے۔ شوکت باشمی نے وجاہت شوقی کے نعتیہ کلام کو زلال روح پرور سے تعبیر کیا ہے۔ تمام مندرجات کسی نہ کسی عنوان کے تحت ہیں۔ نعتوں کے علاوہ کتاب میں خانائے راشدینؐ اور دیگر بزرگان دین کی منقبتیں بھی شامل ہیں۔ البتہ شاہ بخٹائی کی منقبت بحر سے قدرے خارج ہو گئی ہے۔ نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ کہیں کہیں بات حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ توازن ضروری

ہے۔ کس کس خطابیہ انداز میں ستم بھی پایا جاتا ہے۔ غالباً ”یہ سب سوا“ ہو گیا ہوگا۔

اب ہم دجابت شوقی کے اس زلال روح پرور کے چند جزعات سے اپنے دل و جان کی تازگی کا سامان کرتے ہیں۔

خواہش غلغلہ درکار متاع دنیا سے شوقی ہے طلبکار رسول عبا
ہے چمک نور نبی کی خانہ دل کے قریب عشق احمد کھینچ لایا مجھ کو منزل کے قریب
جہاں رنج دالم کی دھوپ چھائی وہاں وہ ابر رحمت بن کے چھایا
عجب پر کیف ہیں نقش و نگار گنبد خضرا مری آنکھوں میں رہتی ہے ہمار گنبد خضرا
دامان محمد میں جب ہم نے اماں پائی پھر گردش دوراں بھی آتے ہوئے کسرائی
جو آئے آپ تو غنچے کھلے فضا مسکی حضور آپ کو جان ہمار کہتے ہیں
جذبہ شوق شوقی سلامت رہے زندگی ان کے غم سے عبارت رہے
وہ مرادولی آرزوے حسین ان پہ لاکھوں درودان پہ لاکھوں سلام

خوشبو سے آسمان تک

اس ذکر کی ہے رنعت کیا جائیے کہاں تک جس ذکر میں ہے شامل خود رب دو جہاں تک
ہم اور حق مدحت، ممکن کہاں ہے پھر بھی کیا کیف بے کراں ہے خوشبو سے آسمان تک
یہ قطعہ قمر وارثی نے لکھا ہے۔ اس کے چوتھے اور آخری مصرعے سے ۱۹۹۵ء کی تاریخ اشاعت نقلی
ہے اور ”خوشبو سے آسمان تک“ اس کتاب کا نام ہے جس کی یہ تاریخ اشاعت ہے۔

ایک نئی طرہ اور نئی میں قائم دبستان وارثیہ نے یہ ڈالی ہے کہ پورا مصرع طرح دینے کی بجائے صرف
ردیف دی جائے اور شعرائے کرام بحور اور توانی اپنی طبع رسا کے مطابق اختیار کرتے ہوئے اپنی فکری
اور تخلیقی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے میں کشادگی محسوس کریں۔ سال کے بارہ نعتیہ
مشاعرے اسی التزام کے ساتھ منعقد کئے گئے۔ ۱۹ اصحاب نے میزبانی کی۔ ۲۸ شاعروں نے ۸ حدیں اور
۱۸ نعتیں پڑھیں۔ ۱۹۹۳ء کی ان تمام تخلیقات کو قمر وارثی اور اختر کھٹوتی (مرحوم) نے مرتب کر کے
۱۹۹۵ء میں ایک نعتیہ مجموعہ شائع کیا۔ اس میں ۲۶ شعرا کے باتصویر کوائف، کتابت و طباعت کا حسن،
سرورق کی دیدہ زیبی اور ترتیب و تدوین کا سلیقہ شامل ہیں۔ مجموعی طور پر یہ نعتیہ مجموعہ ایچ اور تازہ کاری
کی ایک نادر مثال ہے۔ بارہ ردیفوں میں سے چھ کے مطلع دیکھئے۔

بہا کیسے نہ پہنے اس کے کھتے اُس کے کھنڈہ
 کہ زلزلہ مصطفیٰ کے ساتھ کرتی ہے سفر خوشی
 عزیز الدین عزیز

باتیں آلیا ب سے مرے سرکار کا دامن
 تاروں سے سجا طالع بیدار کا دامن

اختیار کھنڈی

میں دو نور ہیں جن سے ہوئے دونوں جہاں روشن
 خدا کا عرش روشن اور نبی کا آستان روشن
 نشر اکبر آبادی

دل نے روشن کئے ثناء کے چراغ
 تیرگی دور کی جا کے چراغ

صبح ربانی

اب ان کی گرد کو کرتی ہے ہر نگاہ تلاش
 جو کر چکے ہیں در مصطفیٰ کی راہ تلاش

قمر دارائی

صوفیاں جس دل میں ہو جائے شریعت کی کرن
 اس کو آئینہ بنا دیتی ہے رحمت کی کرن
 اقبال خروں

اب اگلی تپہ روہیوں کے مقطع ملاحظہ کیجئے

حضور بخش دیں انجم کو بھی زمیں دو مز
 یہ کر رہا ہے مدینے کی ہر کلی کا طواف
 انجم شادانی

شر آج یوں تو ساری خوبیوں کا شر ہے
 آپ جب جائیں وہاں راقم تو لے آئیں مک
 راقم جوہوری

محب عرفاں اجالوں کا نہ ہو گا
نہ دیکھے کر دینے کے اجالے
محب لکھنوی

انگمار بجز عشق محمدؐ دل و جاں میں
رکھتا نہیں کچھ اور مسلمان اٹائیے
انگمار جو پوری

زبان مجھ کو غلام نبیؐ کے طاہر
نفس نفس ہے مجھے ایسی زندگی کی تگن
طاہر سلطانی

سرکارؐ دو جہاں سے محبت نہ پوچھیے
اب تو ہے انؐ کا ذکر ہی شوکت کا آماں
شوکت قادری

مطلعوں اور متشعوں کے درمیان جو اشعار ہیں وہ بھی جذبات، محسوسات، کیفیات اور تاثرات سے بھرپور ہیں۔ کیسے طلب سفر کی تڑپ کیسے بار دگر کی تمنا ہے۔ کیسے حصول منزل کی آسودگی ہے۔ کیسے اسوہ رسولؐ کی بتلیاں ہیں۔ مختلف شعرا نے روٹیوں کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ ان میں معنی آفرینی کے پلو نظر آتے ہیں۔ پورے شعر کے ساتھ مل کر نئے نئے مفہام اجاگر ہوتے ہیں۔ بحور و توانی کی اس رنگا رنگی نے اس اہلیہ شاعری کے افق کو وسیع کر دیا ہے اور اس یکسانیت سے پاک رکھا ہے جو بصورت دیگر طرحی مصرعوں سے بعض اوقات پیدا ہو جاتی ہے۔

اس اہلیہ مجموعے میں ایک تنوع یہ بھی ہے کہ اس میں شریک شعرا کی عمریں ۳۰ سے ۸۱ سال تک کی ہیں۔ فطری طور پر ان میں قدیم اور روایتی انداز بھی ہے اور جدید رنگ بھی رنگ کوئی سا ہو اگر فکر سلیم راست ہے تو تازہ بھی رہتی ہے اور سلامت بھی۔ ہم ردیفی یا ہم طرحی میں بھی تقابلی مطالعہ ویسا ہی لطف دیتا ہے جیسا افتخار احمد مدنی کو غالب اقبال اور ذہین شاہ تاج کی ہم طرح غزلوں میں آتا ہے۔ جہاں بزرگ شعرا نے انہی اور منبوط نفیس کی ہیں وہاں نوجوان شعرا نے بھی دلنشین اور پرتاثر نفیس کہی ہیں۔ البتہ بعض نعتوں میں کیسے کیسے زبان و بیان کی خامیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کیسے کیسے معنوی سقم بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی مثالیں کم ہیں۔ مجموعی طور پر ”خوشبو سے آسمان تک“ کی نفیس اپنے اندر

آزمی ایمان اور نشاط روح کا پورا پورا سامان رکھتی ہیں۔

حرمِ نعت

۲۷ جون ۱۹۶۵ء کو پیدا ہونے والا ایک نعت خواں ^{نعت} کو بن کر ابھرا اور اس نے نام پیدا کیا۔ صبیحِ رمانی اس کے بعد ۱۱ دسمبر ۱۹۶۹ء کو پیدا ہونے والا ایک اور نعت خواں نعت گو کی حیثیت سے متعارف ہوا اور اس نے نام پایا رئیس احمد۔ مودلذ کرنے اپنی نعت گوئی کی کیفیت یوں بیان کی۔

رئیس نعت اترتی ہے جب کبھی دل پر تمام وقت گزرتا ہے حاضری کی طرح

اشتی جوانی 'خوبصورت آواز اور دلکش ترنم میں توانا الفاظ نے ان کے جسم و جاں پر راز ہائے ہنر جس دلیز پر کھول دیئے اور جہاں ان کو آگہی سے شناسائی ملی وہیں سے نہ صرف ان کی شایخ نظر نے شادابی حاصل کی بلکہ حبِ نبیؐ کا چاند ان کے خیالوں کے افلاک پر چمک کر ان کی ہر شب کو سحر کی طرح سے اجالے لگا۔ خود بھی نعت کہنے لگے اور دوسرے نعت گو شعرا کو ایسی نظر سے دیکھنے لگے گویا پہچان رہے ہیں۔ جن جن کو پہچان بیا ان کی تعداد ایک سو ایک نکلی۔ چنانچہ ایک سو ایک شعرا کی ایک سو ایک نفیس منتخب کر کے ایک خوبصورت مجموعہ مرتب کیا اور ان کے مختصر کوائف بھی جمع کر کے اس میں شامل کئے۔ کتاب کے صفحات کو سجایا اور نام رکھا "حرمِ نعت"۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر سید ابوالخیر کشتی فرماتے ہیں۔ "وہ نعتیہ انتخاب کا یہ مجموعہ ہمارے لیے لے کر آئے ہیں۔ یہ تحفہ اگرچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر ہمارے ذہنوں ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں کے لیے ایک نعت ہے۔ کیسی ہے وہ بارگاہ کہ اس میں پیش کیا جانے والا ہر نذرانہ پوری امت کے لیے ہوتا ہے۔" شعرا کے کوائف کے بارے میں ڈاکٹر صاحب مزید کہتے ہیں۔ "اس سے شاعروں اور پڑھنے والوں کے درمیان ایک رابطہ پیدا ہو سکے گا۔ یہ ایک کارِ ثواب ہے کیونکہ مسلمان کے فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو برائے وصل کردہ آدمی۔ خدا جناب رئیس احمد کے اس سفر عقیدت کو جاری رکھے۔ آمین"

کتاب کا پیش لفظ محترمہ ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب انصاری کا تحریر کردہ ہے۔ بڑی محبت، شفقت اور اپنائیت سے لکھا ہے۔ "ایک حد درجہ مذہب مودب اور شرافت نفس اور شہنی لہجہ تکلم کا دلکش نمونہ ہماری چشمِ بصارت کا نور بن گیا اور ہم نے اس کو قرآن حکیم اور سیرت پاک کی محبت میں دیوانہ وار نعت خواں دیکھا تو وہ ہماری بصیرت کا سامان بن گیا۔" ڈاکٹر عطیہ عرب کی یہ رائے تو اس نعتیہ مجموعے کے مرتب کے بارے میں ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کو انھوں نے "لافانی اور معیاری مجموعہ" کہا ہے۔ اب اگر کوئی زورِ نعت اور نعت گوئی کے لیے یہ کہے کہ یہ تو دوسرے شعرا کی اچھی نعتیہ شاعری ہے۔ اس میں مرتب کا کیا کمال

ہے تو میں کہوں گا کہ اس میں مرتب کی نگاہ انتخاب اور اس کی پیشکش کی نفاست باصواب کا کمال ہے۔
 کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں جاں جاں۔ ان ایک سو ایک نعتوں میں ایک سے ایک اچھی نعت موجود
 ہے۔ پڑھیے تو ایمان تازہ کیجئے اور جذبہ و فکر کی پاکیزہ نمی میں بھیگ جائیے۔ اس نعتیہ مجموعے سے اس
 نوجوان کی ایک اور خوبی سامنے آتی ہے۔ خود اپنا نعتیہ مجموعہ سامنے لانے سے پہلے انھوں نے دوسرے
 شعرا کی قابل توجہ نعتوں کا انتخاب شائع کیا۔ ترتیب میں شعرا کے نام حروف تہجی کے لحاظ سے رکھے گئے
 ہیں۔ مرتب کا کہنا ہے۔ ”حرم نعت میں جن شعراء کی نعتیں شامل ہیں اس میں اس صدی کے اداکل
 درمیان اور عصر حاضر کے نعت گو شعراء اور شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ یقیناً ان تینوں ادارے بہت
 سے اہم نام اس کتاب میں شامل نہیں کئے جاسکے جس کا مجھے احساس بھی ہے اور دکھ بھی۔“ احساس کی
 حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن دکھ کرنا ضروری نہیں۔ یہ ممکن تھا ہی نہیں یہ تو ایک بحرنا پیدا کنار ہے
 رئیس احمد کے اس مجموعے سے قبل سید قاسم محمود نے بھی ایک ایسا ہی نعتیہ مجموعہ مرتب کر کے ۱۹۹۳ء
 میں شائع کیا ہے۔ ”پاکستان کے نعت گو شعرا“ کے نام سے وہ حصہ اول ہے۔ ایک سو شعرا کے مختصر
 کوائف اور مختصر تبصروں کے ساتھ ان کی دو دو نعتیں شامل کتاب ہیں۔ شاعروں کی ترتیب بھی حروف
 تہجی کے لحاظ سے ہے۔ کئی نام بھی دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔ تاہم ہم سید قاسم محمود اور رئیس احمد
 کی ان کاوشوں کو توار نہ نہیں کہہ سکتے۔ باعث تالیف دونوں صورتوں میں مختلف ہے۔ ایک آدھ جگہ کے
 علاوہ نگاہ انتخاب کے زاویے بھی مختلف ہیں۔ بہر حال ایسی تمام کاوشوں کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں قبولیت
 اور اس کے محبوب کی بارگاہ میں پسندیدگی کا شرف حاصل ہو۔ حرم نعت کی فضا میں جو نعتیہ اشعار گونج
 رہے ہیں ان میں چند نذر ہیں۔

جس کا قصیدہ خالق عرش بریں کسے ایسا حسین حسن بھی جس کو حسین کے
 خدا نہیں ہیں مگر مظهر خدا ہیں رسولؐ بلندی بشریت کی انتہا ہیں رسولؐ
 ہے یاد تری اپنا ہنر سید عالم اور اشک جگر تاب گھر سید عالم
 مجھ کو تو اپنی جاں سے پارا ہے ان کا نام شب ہے اگر حیات ستارا ہے ان کا نام
 نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے میرے ماتھے پہ پینے ہے ثناء سے پہلے

خود کی ہر تلی سے پہلے بت سا کیجا کیا اناؑ

بلا کے پھر اپنے گھر خدا نے مجھے کیا وہ عطا اناؑ

ماہنامہ نعت لاہور

راجا رشید محمود لاہور سے ایک ماہنامہ "نعت" کے نام سے نکال رہے ہیں۔ اس کا ہر شمارہ کسی خاص موضوع سے متعلق ہوتا ہے۔ زیر نظر شمارہ بھی حسب معمول اس کی اشاعت خصوصی ہے۔ اس کے مدیر اس کو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا بھی کہتے ہیں۔ کتابی سائز کے ۲۱۶ صفحات پر مشتمل اس اشاعت خصوصی کے بارے میں مدیر موصوف رقم طراز ہیں۔

"جلد اول میں ردیف الف میں کسی گنی نعتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اگر اس ردیف کی تمام نعتیں شائع کی جائیں تو ہزار ہا صفحات درکار ہوں گے۔ اس لیے ترتیب کے ساتھ ان نعتوں کا ایک مصرع حوالے کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔ ردیف الف کی جزئیاتی تقسیم کے تحت کچھ مکمل نعتیں بھی شامل کی جا رہی ہیں۔ آ، با، تا، جا..... ردیفوں کے حوالے سے نعتیں جمع کی گئی ہیں"

چنانچہ سب سے پہلے آ کی ردیف میں ایک ایک مصرع شاعر کے نام اور حوالے کے ساتھ یوں درج ہے۔

نعت پڑھ کیف اور سرور میں آ تجلیات ۱۳

مانقہ مظہر الدین

صلو علیہ وآلہ ۱۰۸

حفیظ تائب شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں دھل کے آ

شام و سحر نعت نمبر ۱۳۱

اکرم رضا عشق شہ تجاز کے قالب میں دھل کے آ

فیائے حرم جون ۷۷

ضیاء اعوان اے رمت کل مجزی بنانے کے لیے آ

اس کے بعد اسی ردیف میں حفیظ تائب کی نعت دی گئی ہے۔

شوق و نیاز عجز کے سانچے میں دھل کے آ یہ کوچہ جیب ہے پلوں سے چل کے آ
امت کے اولیا بھی ادب سے ہیں دم بخود یہ بارگاہ سرور دیں ہے سنبھل کے آ
آتا ہے تو جو شر رسالت تائب میں حرص و ہوا کے دام سے باہر نکل کے آ
ماہ عرب کے آگے تری بات کیا ہے اے مہتاب روپ نہ ہر شب بدل کے آ
سوز و تپش سخن میں اگر چاہتا ہے تو عشق نبی کی آگ سے تائب پکھل کے آ

اسی طرح سے با، تا، ثنا سے ہوتے ہوئے یا تک کی ردیفوں میں نعتوں کا ایک ایک مصرع دیا گیا ہے۔

بر ردیف سے پہلے اس سے متعلق اعداد شمار دیئے گئے ہیں اور اس کے آخر میں ایک یا ایک سے زیادہ

نعتیں دی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ یا کی ردیف تک چلا گیا ہے۔ یا کی ردیف میں نعیم مدیقی کا بھی ایک مصرع دیا گیا ہے۔ آپ میں ہم میں جنابات ہیں حاصل کیا گیا۔ آخر میں نعتوں میں پہلی نعت نعیم مدیقی کی ہے لیکن مطلع کے بغیر اور چار اشعار جو یہ ہیں۔

ہم مدینے کے مسافر تھے کہیں دم نہ لیا ہر قدم سامنے آئی ہیں منازل کیا کیا
آپ نے ہی کے رخ تاباں پہ رہی اپنی نظر ورنہ بت ہم پہ بھی ہوتے رہے مائل کیا کیا
ہم نے لوائے ہیں جذبوں کے گھرنوے کتنے ہم نے جلوائے تمناؤں کے حاصل کیا کیا
آپ کے شوق میں کیا اچلی ہیں خوں کی موجیں آپ کی یاد میں ترپا ہے مرا دل کیا کیا
آت یا تک کے درمیان اچھی اچھی نعتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ثنا کی ردیف میں ایک نعت کے اشعار صبیح رحمانی کے بھی دیکھئے

خائب کو شکست ملی، سورج کا جو ہر جاگ اٹھا آپ کیا آئے کہ ہستی کا مقدر جاگ اٹھا
تیر کی تے خوف کما کر جب پکارا آپ کو جسم و جاں میں روشنی کا ایک سمندر جاگ اٹھا
جب ہو اور پیش منہ مسطے کا مہرکہ ذہن کے میدان میں لفظوں کا لشکر جاگ اٹھا
قافلے جب بھی مدینے کے نظر آئے صبیح قلب منظر کسمایا، دیدہ تر جاگ اٹھا
منزل احساس کی راہیں منور ہوئیں سوچ کے آئینے میں اک نور پیکر جاگ اٹھا
ردیفوں کے علاوہ جن نعتوں میں قافیے ہی استعمال ہوئے ہیں ان کا بھی ایک ایک مصرع ایسے ہی دیا گیا ہے۔ آخر میں ایسی نعتیں جن میں ردیف استعمال نہیں ہوئی، توانی کا التزام بھی نہیں کیا گیا بلکہ صرف ردی کے طور پر الف کا اہتمام کیا گیا ہے ان کا بھی ایک ایک مصرع دیا گیا ہے۔ ان تمام ردیفوں کے حوالے سے ان سب شاعروں کی فہرست علیحدہ سے بھی دی گئی ہے۔ جنہوں نے ان ردیفوں میں نعتیں کہیں۔ ان کے علاوہ نعتوں کے سلسلے میں کچھ مزید جائزے بھی مرتب کر کے شامل کئے گئے ہیں۔

اتنا بڑا اور تفصیلی کام ایک آدمی کے بس کا نہیں معلوم ہوتا۔ اس میں راجا رشید محمود کے رفقاء کار بھی شریک رہے ہوں گے۔ اس کتابی شمارے کا مقدمہ البتہ راجا صاحب کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے مختلف رسائل و جرائد کے نعت نمبروں کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ کچھ گلے شکوے بھی کئے ہیں۔ اپنے نقطہ نظر سے خامیوں کی نشان دہی بھی کی ہے خصوصاً ”اوج کے نعت نمبر پر“ ڈاکٹر آفتاب احمد انتہی جو اوج کے مدیر تھے شہادت کے بلند مرتبے پر فائز ہو چکے۔ حیات ہوتے تو شاید وہ کچھ کہتے۔ راجا صاحب کے اختراعات کے کئی یا جزوی طور پر درست ہونے کی صورت میں بھی کہیں کہیں منفی انداز

جملات ہے۔ مثلاً "عنایت علی خاں کی نعت کا یہ شعر ہے۔

اے یہ مری عقیدت بے نصیب' یہ مری ارادت بے شر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خندا دیا

اس شعر پر راجا صاحب کا اعتراض یہ ہے۔

"خدا کا شکر ہے کہ شاعری عقیدت بے نصیب اور ارادت بے شر کا رخ میرے آقا و مولا حضور صلیب

کبرا علیہ السلام و انشاء کی جانب نہیں لیکن اسے نعت کے نام سے کیوں پیش کیا گیا ہے؟"

نکتہ چینی کے جوش میں اب ایسا بھی کیا کہ سخن تھی ہی ساتھ چھوڑ دے۔ ایک تو نعت کو شاعر نے

سوائے ظن دوسرے اس شعر کے نعت میں شامل کئے جانے پر اعتراض محترم بھائی میرے! یہ اس عقیدت

اور اس ارادت کا ذکر ہے جو محض زبانی دعویٰ عشق رسولؐ کا کرتی ہے لیکن عمل سے کوسوں دور ہے۔ اگر

صرف لفظی عقیدت و ارادت پر اکتفا کر کے یہ فرض کر لیا جائے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ تو یہ

بے فہمی اور بے شرمی کی بات ہے یا نہیں؟ بلکہ سچ پوچھئے تو بد نصیبی اور تلخ شرمی کی بات ہے۔ شعر صاف

ہے اور اپنا مفہوم واضح کر رہا ہے۔ پروفیسر عنایت علی خاں کی نعت گوئی اور سخن تھی کسی سے کم تو نہ

ہوگی۔ مابنامہ "نعت" کی یہ اشاعت خصوصی محنت سے مرتب کی گئی ہے اور حب رسولؐ کے جذبے کے

تحت ہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ راجا رشید محمود کی محنتوں کا صلہ دینا اور آخرت دونوں میں عطا فرمائے گا۔

انھوں نے اس شمارے کو دستاویزی شکل دینے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ ویسے کمال اور مکمل ہونے

کا دعویٰ کوئی بندہ بشر نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کاوش کے کیا مفید نتائج ہو سکتے ہیں اس کے بارے میں نعت گو

شعرا اور نعت کے شعبے سے متعلق نقادان فن ہی بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ ہاں حسب توقع جو جس شعبے میں

بتا کار خیر کر سکتا ہے وہ اس کے لیے سعادت کا باعث ہے۔ اگر چراغ سے چراغ جلتے رہیں تو خوش ہونا

چاہئے۔ نیت اصلاح کی ہو تو لہجہ بھی ویسا ہی چاہئے۔ طنز اور طعن سے ممکن نہیں۔

اے ۔۔۔ اوج نعت نمبر ۲ کے صفحہ ۱۸۲ پر عنایت علی خاں صاحب کے شعر کا پہلا مصرع غلط چھپ گیا

ہے جس کی طرف راجا رشید محمود صاحب کا دھیان نہیں گیا ورنہ "بے نصیب" لکھنے سے شعر میں جو

عروضی سقم پیدا ہو رہا تھا صرف وہ ہی اصل لفظ کی تحقیق کی طرف مائل کرنے کے لیے کافی تھا۔

"جواہر النعت" مرتبہ عزیز (صابری) احسن کے صفحہ نمبر ۱۲۳ پر یہ مصرع اس طرح ہے۔

اے مری عقیدت بے نصیب' یہ مری ارادت بے شر (بشارت مہاجب نے بھی اس جانب توجہ نہیں دی)

گوشہ صبا کبر آبادی

وحدت ذات کی تبلیغ سراپا تم ہو
جس کو اللہ نے بھیجا وہ اجالا تم ہو
تھا تمہارے ہی لیے سب یہ وجود کونین
آرزو آدم و عیسیٰ نے تمہاری کی ہے
حمیں دیکھیں گے تو کچھ قلب کو تسکین ہوگی
ایک اک بات زمانے پہ اثر کرتی ہے
تم نے انسان کو انسان کی عظمت بخشی
کوئی ثانی ہے تمہارا نہ خدا ہے شریک
لوح محفوظ پہ ہے نام تمہارا مرقوم
دونوں عالم میں تمہارا ہی سارا ہے ہمیں
میں کسی اور سے کیا عرض تمنا کرتا
حشر تک کلشن اسلام رہے گا سر سبز
جس سے روشن ہوئی دنیا وہ تمہارا ہی ہے نور
ہر پیہر نے دعا کی کہ تم مل جاؤ
نعت گوئی میں فرشتوں نے سنا تھا میرا نام
جو کہا تم نے زباں سے وہی تسلیم کیا
اصل میں مذہب و ایمان صبا کا تم ہو

وہ بزم پُر انوار کہاں اور کہاں میں سرکار کا دربار کہاں اور کہاں میں
 معراج کے اسرار کہاں اور کہاں میں جبریل کی رفتار کہاں اور کہاں میں
 کیا جذبِ محبت تھا جو کھینچ کے لایا اے شوق یہ دربار کہاں اور کہاں میں
 تھا دشتِ مدینہ میں بھٹکتا ہی مناسب یہ سایہ دیوار کہاں اور کہاں میں
 خاموش سوئے گنبدِ خضرا ہیں نگاہیں اب طاقتِ گفتار کہاں اور کہاں میں
 ہے سختِ تعجب کہ بلائیں مجھے آقا اس لطف کا اظہار کہاں اور کہاں میں
 سوتے میں بھی آتا ہے نظر مجھ کو مدینہ یہ دولت بیدار کہاں اور کہاں میں
 ہیں جالیاں روئے کی مری آنکھوں کے آگے یہ نقشِ ضیاء بار کہاں اور کہاں میں
 جسکے لیے بیتاب ہیں شاہانِ زمانہ آقا ترا دربار کہاں اور کہاں میں
 امید ہے ان کے کرمِ خاص سے درنہ فردوس کا گزار کہاں اور کہاں میں
 ہر شعر میں ہے چھوٹ مہا عشقِ نیا کی
 یہ روئی اشعار کہاں اور کہاں میں



بے محل ہے زمین میں وہ آسمان میں وہ اپنی مثال آپ ہے دونوں جہاں میں وہ
 یکتائے روزگار ہے دونوں جہاں میں وہ پیغامِ رب سناتا ہے اپنی زباں میں وہ
 ضوِ بارِ آج بھی ہے ستاروں کے روپ میں خاکِ قدم جو چھوڑ گیا کھکشاں میں وہ
 آدمؑ کا تذکرہ ہو کہ عیسیٰؑ کا ذکر ہو ہے داستان کی جان ہر اک داستان میں وہ
 قائم ہے تا ابد جو نمازوں کا سلسلہ شاملِ خدا کے ساتھ رہے گا ازاں میں وہ
 اس کے بغیر منزلِ مقصد کے ملی قائم ہے دو جہاں کا ہر کارواں میں وہ
 اک سمت ہے خدائی تو اک سمت ہے خدا دونوں کا ایک رابطہ ہے درمیان میں وہ
 معصوم ہے شیمِ نبوت سے کائنات خوشبو کی طرح پھیل گیا ہے جہاں میں وہ
 جس کو شفعِ روز جزا مانتے ہیں سب
 لے جائے گا مہا کو بھی باغِ جہاں میں وہ

دیار پاک رسالت مآب دیکھا ہے مدینہ دیکھا ہے ہم نے کہ خواب دیکھا ہے
غلط کہ روئے نیا بے نقاب دیکھا ہے حجاب اٹھا تو پھر اک حجاب دیکھا ہے
دلوں پہ کی ہے حکومت یتیم کعبہ نے نگاہ دہر نے یہ انقلاب دیکھا ہے
عجیب پھول ملے گلشن مدینہ میں جو رنگ دیکھا ہے وہ لا جواب دیکھا ہے
رسولؐ نے جسے چاہا وہ مل گیا ان کو کرشمہ ننگ انتخاب دیکھا ہے
کس بھی بند نہیں بارش کرم ان کی کسی زمین نے ایساحاب دیکھا ہے
نبی کی دید کے پیاسے نہ ہو سکے میراب ہر ایک بحر کو مثل سراب دیکھا ہے
کماں یہ دشت عرب اور کماں حبیب خدا اسی کی ریت پہ کھلتے گلاب دیکھا ہے
ہمیشہ ہم نے سکون دل و نظر کے لیے سوئے مدینہ بعد اضطراب دیکھا ہے
یہ کس نگاہ نے سارے گناہ صاف کئے یہ کس نے جانب فرد حساب دیکھا ہے
نگاہ اہل زمانہ نے ایک اُئی کو جہاں میں صاحب اُمّ الکتاب دیکھا ہے
مبا مدینے میں ہے جلوہ رسول خدا
وہاں کے ذروں کو بھی آفتاب دیکھا ہے



ذکر احمدؑ کے سوا دل کا سکون نا ممکن نام دنیا میں کسی اور کا لوں نا ممکن
جن کی آواز سر عرش علی گونجی ہے وہ پکاریں مجھے اور میں نہ سنوں نا ممکن
گھر سے جب جاؤں تو سوئے گلشن طیبہ جاؤں اور لے جائے کس جس جنوں نا ممکن
جالیاں روضہ اقدس کی میں دیکھ آیا ہوں اپنی آنکھوں کو میں خود دیکھ سکوں نا ممکن
ترک دنیا کئے بیٹھا ہوں در والا پر حشر بھی اٹھ کے اٹھائے تو اٹھوں نا ممکن
کون سمجھے گا مدینے کی تمنا کی زباں حال دل اپنا کسی سے میں کہوں نا ممکن
آب زمزم سے وضو کر کے چلا آیا ہوں میں بھلا آتش دوزخ میں جلوں نا ممکن
راہ طیبہ کی مسافت میں ہوئے ہیں جو نصیب ایسے کانٹوں کو میں ٹکروں سے چنوں نا ممکن
واسطہ احمدؑ مرسل کا دیا ہے میں نے اب نجات اپنی سر حشر ہو کیوں نا ممکن
خاک جب تک در حضرت کی نہ مل جائے مجھے قلب کا چین کلیجے کا سکوں نا ممکن
جن کی تعریف سر لوح ہریں لکھی ہے ان کے اوصاف میں کاغذ پہ لکھوں نا ممکن
میری منزل تو ہمیشہ سے مدینہ ہے مبا
رخ کسی اور طرف کر کے چلوں نا ممکن

خلق حکم جانے اساس کمال جانے
 نور احمد داغ غلالت باطل جانے
 صرف ذکر مصطفیٰ سے ہی بدل سکتا ہے نبی
 ان کی قدرت غلامی میں ہو میرا نام بھی
 جو مدینے ساتھ چلنا چاہے سر کے بل پلے
 داغ مہیاں رکھ کے ان کے روپ کیا سجے کروں
 کہ رہی ہیں ان کے روئے کی مقدس جالیاں
 ہم تو بس راہ مدینہ میں بھٹکتے ہی رہیں
 روضہ سرکار پر بے رنگ آنسو کیا کروں
 دم نکلے وقت کیوں دینا کو دیکھوں اے مہربا
 گنبد خرا نکاہوں کے مقابل جانے



نگہ ترستی ہے طیبہ کے بام و در کے لیے
 عقیدتوں کے خزانے ہیں دل میں پوشیدہ
 جہان شرنے بہت دن میں ان کو پہچانا
 رسول پاک ہیں قرآن ہے شریعت ہے
 بشر کی شکل میں آیا وہ پیکر نوری
 دو پارہ کر کے بھی زخم دوئی مٹا ڈالا
 وہ راہ زیست کی ہو یا منازل عقبی
 محمد عربی مدعائے کون و مکاں
 رسول برحق و پیغمبران حق کا امام
 ازل سے تابہ ابد نور ہے محمد کا
 امین بن کے محمد جہان میں آئے
 ہے میرے ہاتھ میں اپنے رسول کا دامن
 مہربا دیا ہے محمد کا واسطہ جب سے
 کوئی دعا نہیں ترسی مری اثر کے لیے

ہر اک سمت جلوے ہیں نور خدا کے نظر کھو نہ جائے مدینے میں جا کے
 رہا ساری دنیا کے دل جکھا کے جو ابھرا تھا سورج افق سے ترا کے
 صدا دے رہا ہے مدینے میں آ کے اب ارمان نکلیں گے تیرے گدا کے
 کوئی سبز گنبد میں اب سو رہا ہے زمانے کو خواب گراں سے جگا کے
 ہمیں منزل عرش تک لیے پہنچے سارے ملے تھے جو اس نقش پا کے
 معطر ہوا ہے مشامِ دو عالم مدینے سے آئے ہیں جھوٹے ہوا کے
 برس جائیں ہر سمت جنت کے موتی اگر دیکھ لیں شاہ دیں مسکرا کے
 یہ گلہائے جنت ہیں کانٹے نہیں ہیں مدینے کے زائر قدم رکھ جما کے
 لیوں کی تمنائے عظیم یہی ہے لئے جائیں بوسے درِ مصطفیٰ کے
 عمر کا احساں ہے سارے جہاں پر خدا سے ملایا ہے بندہ بنا کے
 جو خورشید و حدت کی پہلی کرن تھی وہ آخر میں آئی ہے پردہ اٹھا کے
 مرے آنسوؤں کو نظر لگ نہ جائے پئے جا رہا ہوں جہاں سے چمپا کے
 جو ہے میرے دل میں وہ سب جانتے ہیں ضروری نہیں لفظ لب پر دعا کے
 بڑے کام آئے ہیں اٹک ندامت کہ فردِ عمل صاف ہے دھل دھلا کے

مبا کون ہے یہ حجاب بشر میں
 ذرا دیکھ لے آج پردہ اٹھا کے



خدا سے اور میں کیا مانگتا بھی بڑی دولت ہے عشقِ مصطفیٰ بھی
 رخ احمد بھی ہے زلفِ دوآ بھی سنہری دھوپ بھی کالی گھٹا بھی
 یہ قبلہ بھی ہیں اور قبلہ نما بھی وہ مل جائیں تو مل جائے خدا بھی
 یہ مٹی بھی نہایت محترم ہے اسی پر تھے نبیؐ کے نقش پا بھی
 بھروسا ہے شفیعِ عامیاں کا غمِ عصیاں نہیں دل میں ذرا بھی
 جدھر سے لوگ جاتے ہیں مدینے وہی ہے زندگی کا راستہ بھی
 نظر حیران ہے اس در پہ جا کر بتِ مشکل ہوا ہے دیکھنا بھی
 جو میرے دل میں تھا وہ جانتے تھے اگر کچھ پوچھتے تو بولا بھی
 تمنا ہے سرِ دربارِ محشر
 غلامانِ نبیؐ میں ہو مبا بھی

گوشتہ سید محمد ابوالخیر کشفی

میری ہلکوں کا گھر آپ سے وابستہ ہے میرا ہر تار نظر آپ سے وابستہ ہے
 وقت کے جبر سے بالا ہوں رسول اکرمؐ میری ہر شام و صبح آپ سے وابستہ ہے
 تاج کسریٰ کو سر راہ کچل ڈالا تھا فقر مومن کا شرر آپ سے وابستہ ہے
 یہ زرد مال جہاں میرا حوالہ ہی نہیں میرا انداز نظر آپ سے وابستہ ہے
 آپ نے اتنا دیا خواہش دنیا نہ رہی بے نیازی کا ہنر آپ سے وابستہ ہے
 سارے اصنام و روایات کا جادو ٹوٹا حسن تقدیر بشر آپ سے وابستہ ہے
 کار امروز ہو یا کار قیامت آقاؐ آج کی کل کی خبر آپ سے وابستہ ہے
 اپنے کشفی پہ نظر سید و آقاؐ جہاں

ان دعاؤں کا اثر آپ سے وابستہ ہے

اس رحمت عالم کی عطا سب کے لیے ہے سرکار کی شفقت کی روا سب کے لیے ہے
 یوکر سے سلمانؑ و اولیں قرآنؑ تک الطاف کی رحمت کی گننا سب کے لیے ہے
 اک عاشق نادیدہ سے ہم ہجرزدوں تک اس چہرہ اقدس کی فیاضی کے لیے ہے
 اس روضہ اطہر سے ابھرتا ہوا سورج مانند نشاناتِ حرا سب کے لیے ہے
 تاریخ کے ایوان میں اجالا ہوا جس سے وہ زندہ و پائندہ نوا سب کے لیے ہے
 ہاں مشرق و مغرب کا تقاطع نہیں کشفی
 دامن رسالت کی ہوا سب کے لیے ہے

ذہن کو اپنے سجالوں تو ترا نام لکھوں اپنے لمحوں کو اجالوں تو ترا نام لکھوں
 شریطہ میں گزاری ہوئی ہر ساعت کی یاد کو دل میں بالوں تو ترا نام لکھوں
 گنبد بزرگے سائے میں وہ صدیوں کا خرام اس کی تصویر بتالوں تو ترا نام لکھوں
 روضہ پاک کے نظارے کو نغمہ کی طرح روح کے ساز پہ گالوں تو ترا نام لکھوں
 میرے مولا! تری کلی سے ابھرتا سورج اس کو آئینہ بتالوں تو ترا نام لکھوں

حضرت سید اکبرؑ کی وفا کا نغمہ.... آج دنیا کو سالوں تو ترا نام لکھوں
 صاحب عدل کہ فاروقؓ بنایا حق نے ان کو الفاظ میں دھالوں تو ترا نام لکھوں
 جامع حرف الہی یہ درود اور سلام اپنے اشکوں کو سنبھالوں تو ترا نام لکھوں
 تیری برکت سے منور ہوئیں جس کی آنکھیں اس کے لہجہ کو نبھالوں تو ترا نام لکھوں
 خواجہ وسعت افلاک و زمیں تجھ پہ سلام تری لو دل میں بڑھالوں تو ترا نام لکھوں



تو حرف دعا ہے مرے مرے مولا آقا
 رحمت کی نوا ہے مرے مرے مولا آقا
 گرداب بلا میں ہے ترا نام سفینہ
 تو موج کشا ہے مرے مرے مولا آقا
 اس حد مکانی سے گزر کر ترا نغمہ
 میں نے بھی سنا ہے مرے مرے مولا آقا
 بکھرے ہوئے لہجوں میں سلامت ہیں دل و جاں
 یہ تیری عطا ہے مرے مرے مولا آقا
 جو لمحہ تری یاد سے آباد ہوا ہے
 اک کج حرا ہے مرے مرے مولا آقا
 تسکین دل و جاں کی ہر اک صورت مطلوب
 طیبہ کی ہوا ہے مرے مرے مولا آقا
 یہ گنبد خضریٰ کے قرس طائر تنہا
 کشفی کی نوا ہے مرے مرے مولا آقا

ہے یاد تری اپنا منز سید عالم
 اور اشک جگر تاب' کمر سید عالم
 امکان مرے' تیری نبوت کا ثمر ہیں
 تو مطلع امکان بشر سید عالم
 آمد تری' انوار کا اعلان جلی ہے
 آفاق میں تو بانگ بحر سید عالم
 عثمان و ابوبکر و علی کی تجھے سوگند
 مل جائے مجھے میری خبر سید عالم
 تابندہ و بے پاک کرے میرے جنوں کو
 فاروق معظم کی نظر سید عالم
 کشفی کے لیوں پر ہے حدیث شب اسی
 اس پر ہو عنایت کی نظر سید عالم



طیبہ کی ہوا مدحت سرکار کی قاصد
 ان کا نہ اشارہ ہو تو ہم کچھ نہیں لکھتے
 ہر سانس عبادت ہے محمدؐ کی نشا سے
 روداد شاں' قصہ جم کچھ نہیں لکھتے
 اک اسم محمدؐ کے سوا لوح ابد پر
 دیوار و درو بام حرم کچھ نہیں لکھتے
 اس شہر محبت کے صحیفوں پہ فرشتے
 میرے لیے جز حرف کرم کچھ نہیں لکھتے
 اک حرف ندامت سے مقدر کو سنوارا
 اس کے سوا یہ دیدہ نم کچھ نہیں لکھتے

فضا میں ان کے ہونٹوں کی صدا ہے
 مدینے کی سحر ہے اور میں ہوں
 حجاب درمیاں کوئی نہیں ہے
 محمدؐ کی نظر ہے اور میں ہوں
 حرا سے سبز گنبد تک مسلسل
 سبز اندر سبز ہے اور میں ہوں
 در دل پر صدائے اسم احمدؐ
 مرا دامن تر ہے اور میں ہوں
 کبھی قدسی کبھی جایی و اقبال
 تماشا ہے ہنر ہے اور میں ہوں
 سکوت و صوت کی منزل سے آگے
 تقاضائے دگر ہے اور میں ہوں
 مرے اشکوں میں تصویرِ بلائے
 محبت کا ہنر ہے اور میں ہوں



لب عینی پہ بشارت کی جو مشعل تھا کبھی
 عہد حاضر کے اندھیروں میں دکھائی دے گا
 جس کے ہونٹوں سے طے لفظ و معانی کو سحر
 "وہ مرے حرف کو اک تازہ نوائی دے گا"
 جب سوا نیزے پہ سورج کی انی چمکے گی
 سایہ دامن احمدؐ ہی دکھائی دے گا
 ہر صدا حشر کے میدان میں پتھر ہوگی
 نغمہ مرسلؐ آخر ہی سنائی دے گا
 میرا دل اسم محمدؐ سے سکوں کا مرکز
 ذہن بے مایہ بھی اب اس ک دہائی دے گا

ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں دین
 اک اسم محمدؐ تو اجالے کے لیے ہے
 درکار نہیں مجھ کو، کوئی سایہ رحمت
 طیبہ کی ہوا غم کے ازالے کے لیے ہے
 خاک در سرکارؐ سے نسبت ہے کچھ ایسی
 عنوان مرے دل کے مقالے کے لیے ہے
 بے چہرہ سہی عالم اسلام کا امروز
 وہ گنبد خضریٰ تو حوالے کے لیے ہے
 میں خواب میں سرکارؐ کو دیکھوں گا کسی دن
 معراج بھی چاہنے والے کے لیے ہے



بشر ہے وہ مگر عکس صفات ایسا ہے
 کہ کائنات میں تنہا دکھائی دیتا ہے
 ہر ایک خلوت جاں میں اسی کی محفل ہے
 ہر ایک شخص کو اپنا دکھائی دیتا ہے
 غبار تشنہ لبی میں نگاہ امت کو
 اسی کی ذات کا دریا دکھائی دیتا ہے
 جہاں میں ذات محمدؐ کے سینکڑوں جلوے
 نگاہ شوق کو کیا کیا دکھائی دیتا ہے
 غرور کج کلی تو مردائے احمدؐ کو
 فساد قلب کا صحرا دکھائی دیتا ہے



قصیدہ بردہ شریف کا ایک نقش

نبی معظم! تیرا گدائے بے نوا کشتی
 بہ چشم ترے دامن کا سایہ ڈھونڈنے آیا
 ہر اک جذبہ ہے میرا شعلہ بے باک کے مانند
 جسے اٹک نہ امت سے ترے دربار میں دھولوں
 مری آنکھیں مرے عجز و ندامت کی گواہی ہیں
 تری عصمت مرے ہر جرم کو سنگیں بناتی ہے
 عبادت کی شب بیدار میں قدموں پہ سو جن تھی
 ادھر میں ہوں کہ اکثر جسم کے جھوٹے تقاضوں پر
 حدود شرع کو توڑا
 محمدؐ سید الکونین! تو ہے آمر و نای
 ترا ہر قول سچا ہے
 شفاعت کی توقع تیرے دامن تک مجھے لائی
 ترا دامن کسی مضبوط رسی کی طرح اب ہاتھ میں آیا
 یہ رستی جاؤں راہ صفا معلوم ہوتی ہے
 حبیب کبریا! رتبہ کسے معلوم ہے تیرا
 تری شفقت نے حیرانی کے ہر گرداب کو ساحل بنا ڈالا
 تری قربت میں دوری کس قدر بے چین رکھتی ہے
 تری دوری میں قربت کی ادا، تسکین جان دیدہ و دل ہے
 ترا غلق مجسم، پر توئے اسمائے حسنیٰ ہے
 شرف میں بدر کامل کی طرح یکسا
 شکونے کی طرح آغوش خوشبو سے
 ترا جو دو کرم دریا کی موجوں کی طرح وافر
 تری ہمت مثال "دہر" ہے گویا
 ترے الفاظ روح نطق انسانی

تبسم جیسے آویزہ ہے گوشِ حسنِ آدم کا
وہ خاکِ جسمِ طاہر، خالقِ خوشبوئے بے پایاں
مشامِ جاںِ معطر ہو گیا جس سے

ولادتِ مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ترے آتے ہی کنگورے گرے ایوانِ کسریٰ کے
ہر اک آتشِ کدہِ افسوس سے بھرنے لگا آپ
یہ کیا انقلاب آیا کہ آتشِ بن گیا پانی
ترے انوارِ اک زندہ شہادت کی طرح روشن
نگاہِ کفر و ظلمت ہو گئی اندھی
نگاہِ کفر نے انوار کی بارش نہیں دیکھی
سماعتِ تحسین لی کفار کی رعدِ ولادت نے
شبابِ سرخ کی مانند شعلوں کی ہوئی بارش
کہ جن کے خوف سے بت گر پڑے بے اختیار ہی میں
شیاطین اس طرح بھاگے کہ جیسے امیرہ کی فوج بھاگی تھی

دعوت

تری دعوت سے پتھر بن گئے انساں
ترے ساتھی تھے ابروِ رحم کے ٹکڑے
جو تیرے ساتھ چلتے تھے
تو ان کا سایہ تھا وہ سائے تھے تیرے
تیرے قلبِ منور سے جو نبتِ تمہی
اسی سے چاند روشن ہے
زمانے نے ستم جب بھی کیا مجھ پر
ترے دامنِ رحمت میں جگہ ڈھونڈھی
ترے دستِ مبارک نے غنی تر کر دیا مجھ کو

زمانہ کیا مجھے دے گا
میں تیرے در کا سا نکل ہوں
ترا قلب مبارک خواب کی وادی میں کب سویا
نبوت کی صداقت کی نشانی خواب تھا تیرا
ہر اک لمحہ تری دعوت کا جیسے آیت کبریٰ
وہ آیت جو سپیدی کو سیاہی سے جدا کر دے

فی ذکر شرف القرآن

کتاب معتبر سب سے بڑا ہے معجزہ تیرا
ہر اک آیت ہے جس کی عدل کے میزان کی مانند
زمانے کی ہر اک گردش نے اس کو اور چمکایا
کتاب معتبر کی آیتیں امواج دریا ہیں
جو نکل راتی ہیں آکر ساحل مقصود انسان سے
اسی "نور میں" سے آنکھ کو ٹھنڈک ہوئی حاصل
یہ وہ پانی ہے جو دوزخ کی آتش کو بجھاتا ہے
یہ آیات کریمہ حوض کوثر ہیں
کنہ گاروں کے منہ دھل کر ہوئے روشن
اسی سے کوئلہ آخر بنا ہیرا

مساوات و اخوت کے سبق اس میں
ظلام عدل کی بنیاد بنتے ہیں

فی ذکر معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہی ذات مبارک آیت معراج انساں ہے
حرم سے بیت اقدس تک

محمد مصطفیٰ معراج آدم کے امیں بن کر
بلندی کے نشاں بن کر

افق پر جھلکاتے ہیں

یہ تارے، کھلشیں، 'جُلم سحر'، خورشید خاور آج تک ہدم
اسی معراج کی انسانہ خوانی کرتے جاتے ہیں

فضائے بے کراں میں ذرہ خاکی
 اسی معراج کے نقش کمن کو ڈھونڈنے نکلا
 گردہ مسلمیں! آگے بڑھو تاروں کو اب چھو لو
 زمیں کی پستیوں کو آسمان کر دو

فی ذکر جہاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حنین و بدر کے میدان شاہد ہیں
 کہ جنت مومنوں کو خون کے قطروں سے ملتی ہے
 حنین و بدر سے اسلام کی قوت بڑھی اتنی
 ہر اک ظلمت کدہ امن و اماں سے ہو گیا روشن
 محمد مصطفیٰ کی فوج کوہ قوت دیں تھی
 جو کافر تھے انہیں کے واسطے اموات کی فعلیں
 اگا کرتی تھیں میدان میں
 وہ نیزوں کے قلم سے خط لکھے کس نے؟
 فساد و ظلم کی کھیتی کے دھتاں کفر کے حامی
 نظام عدل کے بانی رسول اللہ کے ساتھی
 کسی سیسہ پلی دیوار کی مانند لڑتے تھے
 بقائے مرکز ملت کی خاطر جنگ کرتے تھے
 انہیں غزوات کا حاصل ہے امن عالم انساں
 ہوائے نصرت غیبی فتح مندی لئے آئی
 حضور سرور عالم نے ملت کی حفاظت کی
 کہ جیسے شیر بچوں کو نیساں میں چھپاتا ہے
 دعائیہ

کبھی اہل دول کے سامنے دامن کو پھیلایا
 کبھی اپنی ہوس کو پیکر شعرو سخن دے کر
 ستارے عمر ضائع کی

تری توصیف ہے عمر پشمال کی نئی منزل
 تری یادیں مرے داغِ ندامت کو مٹائیں گی
 مجھے داغِ معاصی ناگِ بن کر ڈستے رہتے ہیں
 کہ میں نے دین کی قیمت پہ دنیا کا کیا سودا
 مکر رشتہ مرا تجھ سے کبھی ٹوٹا نہ ٹوٹے گا
 یہ بیانِ محبت قوتِ دل سے
 ترا دستِ کرم گھمائے بخشش سے مرے دامن کو بھر دے گا
 مری توقیر کا ذریعہ ترے دربار سے نسبت
 میں خاکِ خشک ہوں گرمی کا مارا ہوں
 ترے لطف و کرم کی بارشِ عظیم
 مجھے سرسبز یوں سے آشنا کر دے

مناجات

خداوندِ محمدؐ معظیٰ کے ابرِ رحمت کو
 مری ہستی پہ برسا دے
 حدِ خوانی سے رستے سل ہو جائیں
 نسیمِ صبح جب شاخوں کو جھولا دے
 مرے نغمے شفاعت کا وسیلہ ہوں
 مجھے صدقِ ابو بکرؓ و علیؓ دے دے
 عمر فاروقؓ کا جذبہِ عنایت ہو
 دیائے حضرت عثمانؓ لگا ہوں کو بدل ڈالے
 بسیریؓ کی ردائے پاک کا سایا ملے مجھ کو
 میں اپنے دور کی تاریکیوں کو دور کر جاؤں
 قلم کے ساتھ اپنے علم و دانش سے
 محمدؐ معظیٰ کے نور کو نفوس سے پھیلاؤں
 ترے دین میں کو دوستِ عالم میں پھیلاؤں

عمل میرا نشان راہ منزل ہو
مرا بچہ رسول پاکؐ کا نقش بن کر
ہماری ناتمامی کو مٹا ڈالے

نعت

”عرش“

”کرسی اور مکاں“

”کائنات“

کتنے بڑے ہیں..... یہ لفظ

اور ان کے مفایم..... ہمارا اور کائنات کا مقدر ہیں

”ہم“ ”ہیں“..... یہ لفظ بھی ایسے ہی ہیں

مکران کا کوئی مفہوم نہ ہوتا

یہ لفظ..... موتی سے خالی صدف کی طرح ہوتے

اگر محمدؐ نہ ہوتے

محمدؐ..... ان سب لفظوں کا مفہوم ہیں

سلام انؑ پر، درود انؑ پر

ہزار بار برو..... مواجہ شریف میں جیسے یہ آواز سنائی دی ”ہزار بار برو صد ہزار بار بیا“ سر
 زمین حرمین میں اس سے پہلے دو چار شعر کہے تھے، لیکن اس آواز نے یہ لطم عطا کر دی۔
 پہلے حصہ میں یاران مشرق و مغرب کی یاد ہے۔ دوسرے حصے میں حوران امت محمدیہ کی عفت و
 جمال کا ذکر ہے، اور تیسرا حصہ ستون توبہ کے حوالے سے ہر مومن کی تمنا کی مغفرت کا ذکر ہے۔

(۱)

دیار غرب میں آنکھیں کسی کی اشک نشاں
 دیار پاک میں نغمہ کسی زبان پہ ہے
 کسی ضعیف کی بے نور ہوتی آنکھوں میں
 جمال گنبد خضریٰ ابھی منور ہے
 وہ خوش نصیب ہیں جن کو ترا پیام ملے
 ”ہزار بار برو“ صد ہزار بار بیا“

(۲)

کسی نقاب کے دامن میں جگنوؤں کی چمک
 حیا و عصمت و ایمان کی ترجمان بن کر
 فضائے صحن حرم میں دکھائی دیتی ہے
 ان آنسوؤں کی چمک کو یہی پیام ملا
 ”ہزار بار برو“ صد ہزار بار بیا“

(۳)

ستون توبہ پہ ہونٹوں کو رکھ دیا میں نے
 خبر ملی کہ تمنائے سید والا
 مری نجات کا رستہ بھی ہے، وسیلہ بھی
 ستون توبہ کے ہونٹوں سے یہ صدا آئی
 ”ہزار بار برو“ صد ہزار بار بیا“

نعتیہ واکا

(۱)

ترا اسم گرامی جب میرے ہونٹوں پہ آتا ہے
 ندامت مجھ کو ہوتی ہے
 لب و رخسار کے نغمے
 ابھی تک رقص کرتے ہیں
 مرے ہونٹوں کی سرحد پر

(۲)

کبھی بادل کے رنگوں میں
 کبھی پھولوں کی نکلت میں
 کبھی دل کی فضاؤں میں
 کبھی فکر و تامل میں
 نقوشِ سرور کو نین کا جلوہ نظر آیا

واکا ایک جاپانی صنفِ سخن ہے جس میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ جاپانی کلاسیکی شاعری کا بڑا حصہ
 واکا پر مشتمل ہے۔ محمد رئیس علوی نے کلاسیکی واکا شاعری کا اردو میں پہلے پہل ترجمہ کیا۔ "گلِ مد
 برگ" کے تین جے شائع ہو چکے ہیں۔

نعتیہ ہائیک

(۱)

ایک	احساس	نضا	پر	طاری
اور	فیض	نظر	ہے	جاری
اسے	میراث	نبوت	کئے	

(۲)

ترے	قدموں	کی	آہٹ	
اک	عنوان	بلاغت	کا	
ایک	خطبہ	ہے	ہدایت	کا

(۳)

آسمان	خاک	مینہ	کی	سلائی	کے	لیے
مے	د	خورشید	کی	کرنوں	کو	لیے
آسمان	حد	نظر	حد	نظر	حد	نظر

ہائیکو کا لفظ ہائیک ہے۔ جاپانی بہت سے لفظ جب رومن رسم الخط میں لکھتے ہیں تو اختتام معوضہ (Vowel) پر کرتے ہیں۔ اردو میں ہم نے اسی رسم کو اختیار کر لیا ہے۔

یک مصرعی نظم (نخن مختصر)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

"تخلیق کائنات کا فشاویں ﷺ تو ہے"

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

"رفاقت کو نیا مفہوم اس کی ذات نے بنٹا"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

"کل کل زار محمد ﷺ پہ سلام اور درود"

حضرت ابو بکر صدیقؓ

"تاریخ وفا حضرت صدیقؓ پہ نازاں"

حضرت عمر فاروقؓ

"اس کا وجود کلمہ حق ہے اذان ہے"

حضرت عثمان غنیؓ

"خونِ رگ عثمانؓ سے سرخی ہے شفق کی"

حضرت علی مرتضیٰؓ

"علیؓ کے عمل سے روشن ہے چراغِ خانہ کعبہ"

حضرت خالد بن ولیدؓ

"اس کی کموار نے باطل کا جگر کاٹ دیا"

کعبۃ اللہ

"خالدِ رُخِ ایامِ یحییٰ بیتِ خدا ہے"

مدینۃ النبیؐ

"دیباچہ نشاطِ ابد اس کی ہر گلی"

ہمارے بیا

بلقیس شاہین

ٹیلے کی انتہائی بلندی تک پہنچ کر جب میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو حد نظر تک دریا اور ریت کے سوا کچھ نہ تھا دریا دائیں ہاتھ سے بہتا ہوا بائیں جانب ڈیلٹا بنا ہوا سمندر کی جانب رواں تھا ایک لمبی چٹیلی روشن سڑک متحرک تھی جو بعد میں مختلف شاخوں میں بٹ کر آہستہ روی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی یہ دریا جب پہاڑوں سے نکلے ہیں تو تیز روشنائی اور خود سر ہوتے ہیں میدانوں میں ان کی وسعت اور فیض رسانی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے سمندر نزدیک آتا ہے یہ نکلڑوں میں بٹتے جاتے ہیں یہ میرے لڑکپن کا مشاہدہ تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت میرے ذہن میں پہلی مرتبہ اس خیال نے جنم لیا کہ بعض انسانوں کی زندگی میں اور دریاؤں کے سفر میں کتنی مماثلت ہے۔

آج جب میں صبح کے شدید تقاضوں کے بعد بیا یعنی بھائی جمیل نقوی پر لکھنے کے لئے قلم سنبھال کے بیٹھی ہوں وہی تاثر میری ذہن میں جھماکے کر رہا ہے بیا کی زندگی بھی مجھے ایسے ہی روشن چٹیلے فیض رساں دریا کی طرح نظر آ رہی ہے حالانکہ بیا کے مناسب کے لحاظ سے ان کی شخصیت ایک سوڈ بوڈ صاحب بہادر کی نظر آتی چاہیے تھی جسکے ماتھے پہ سولیکریس چہرے پہ خشونت کے آثار گردن میں غور کی اکڑ اور بظاہر عالمانہ مدبرت کی چھاپ کے علاوہ "بیزاری" کا رنگ نمایاں ہونا چاہیے تھا کیونکہ ابتدائی انیسویں صدی کے ایم اے پاس کلکتہ اور لندن کے لائبریری سائنس کے ڈپلوما ہولڈر "جبکہ لائبریری سائنس کی اصطلاح سے بھی کتنے لوگ واقف تھے"۔ مددگار لائبریرین شعبہ علوم مشرقی لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ کتب خانہ جامعہ دہلی۔ مددگار سپرنٹنڈنٹ امپیریل لائبریری حکومت ہند کلکتہ۔ لائبریرین کتب خانہ۔ مشیر معاشیات دائرہ ہند نئی دہلی لائبریرین کمرشل لائبریری حکومت پاکستان کراچی۔ مشیر کتب خانہ سابق ریاست خیر پور سندھ مددگار ڈائریکٹر ادارہ فروغ برآمدات حکومت پاکستان کراچی۔ ریٹائرڈ ۱۹۷۱ء کیسے؟۔ میں نے کچھ ملاحظہ تو نہیں لکھا کہ ان عہدوں پر کام کرنے کے بعد "عام" طور پر لوگ ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسا کہ میں نے لکھا لیکن اس کے بالکل برعکس بیا کا سرخ و سفید شگفتہ چہرہ جس پر معصومیت اور مسکراہٹ ایسی کملی ملی ہیں کہ میں "چپاں" کا لفظ استعمال نہیں کر سکتی کیونکہ بیا کے چہرے اور ان کی شخصیت میں ان کی ذات کی خوبصورتی جھلکتی رہتی ہے ویسے تو خوبصورتی اللہ کی دین ہے بیا کے گورے رنگ اور متوازی ناک نقشہ پر کس کی چھاپ ہے؟ ان کے والد کی یا والدہ کی؟ مجھے نہیں معلوم لیکن ۱۹۷۱ء

مردور جانتی ہوں کے ان کی اس "جھلکنے والی خوبصورتی" کا تعلق خالصتاً ان کے اپنے عمل سے ہے۔ میرا ایمان ہے کہ انسان کے اعمال اس کے مادّی وجود سے ہمیشہ جھلک پڑتے ہیں۔ بچا کا بھی روحانی حسن ان کی ذات سے نکلا پڑتا ہے اور کیوں نہ یہ رنگ جھلکے؟ اس میں تو اللہ اور اس کے رسول کی نسبتیں شامل ہیں جیسا کہ بنانے ایک جگہ خود اظہار کیا تھا کہ

"پہلے یوں ہوتا تھا کہ زندگی، ثقافت اور ادب سے ہمارے تعلقات کی نوعیت اور بہت ہمارے ماحول، گھر کی فضا اور تربیت کے سانچے کی تابع ہوتی تھی۔ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اس میں زندگی کے آداب اور قرینے متعین تھے۔ ان کی جڑیں ماضی کی روایات اور حال کے تقاضوں میں پیوست تھیں اور ان کا مقصد مستقبل کے لئے افراد اور معاشرے کو تیار کرنا تھا۔ اس ماحول نے مجھے دین کی محبت عطا کی، ادبی اظہار سے مسرت کے حصول کو ممکن بنایا دوست داری اور انسان دوستی کو میرا مسلک بنایا اور لکھنا پڑھنا میرا زندگی کا حصہ یوں بن گیا کہ مجھے پوری طرح خبر بھی نہ ہوئی۔" (تقید و تنقید، دہلاچہ)۔

مجھے یقین ہے کہ اب مجھے بات کہنے اور قارئین کو بات سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ با علم کے راستے کے یوں راہی ہو گئے کہ علم ان کے لئے "چلتی ہوا" بن گیا جو ان کی ذات و حیات میں جذب ہو آگیا اللہ سے محبت اور اپنے "جد اعلیٰ" کی عظمت یوں دل میں جا گزیر ہوئی کہ امروز ہے کہ اس گنگا جہنی ماحول میں جبکہ ادب اور علم کے نئے زاویے انسان کو اپنے میں الجھا سکتے تھے با ادب و شعر کے اظہار کے ساتھ نعتوں کے ذریعہ اپنا حال دل بھی کمال سے ساتھ گوش گزار کر رہے تھے ہمارے ایک مشہور نعت خواں نے جب ہوا کے دوش پر بیا کی نعتیں پڑھیں "اس وقت تک وہ خود نظروں سے اوجھل تھیں" تو شہرت کے دروازے ان کے لئے وا ہو گئے بیا کی نعتیں سماعت سے گذر کر دلوں میں کھب گئیں لیکن بہت سوں کے لئے تو ان نعتوں کے "شاعر" نام انجنا ہی تھا۔ ایک دن میں نے اپنی بڑی بیٹی عاکدہ سے کہا وہ والی نعت سناؤ۔ میرے میاں صاحب بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے ایک دم سر اٹھا کر بولے تمہیں معلوم ہے وہ نعت کس کی ہے۔ میں نے گلہ کیا یہ لوگ شاعر کا نام ہی نہیں بتاتے! ہنس کے بولے اپنے بیا کی ہے۔ ارے واقعی؟ مجھے معلوم تھا بیا شاعر ہیں نہ معلوم مجھے حیرت کیوں ہوئی؟ ان کی نزاکت احساس سے بھی میں واقف تھی اس نزاکت احساس کا ایک واقعہ سناؤں ہم لوگ اہل قلم کانفرنس میں گئے ہوئے تھے رات کو سب ہمارے کمرے میں جمع تھے دنیا جہاں کی باتیں ہو رہی تھیں عورتیں تو ناحق بولنے میں بدنام ہیں ویسے یہ مرد حضرات تو چو مکھا کیا ہشت مکھا بولتے اور بولتے بھی کیا کے برست مارتے ہیں "لفظوں کی کلا شکوف کے لئے یہ اصطلاح ایجاد کی ہے" "الفا کلا شکوف" لیکن اس رات ہمارے سب مہمان مہذب لوگ تھے لیکن ڈاکٹر یونس حسن صاحب اپنی زیر لبی شرارت کی وجہ سے کبھی کبھی گفتگو کو "ایہام" اور "ایہام" کے مکہر کے ساتھ خطرناک موڑ تک لے آتے تھے مقصد اکثر ہمارے میاں کو غصہ دلانا ہوتا تھا ان کے

غصے سے جس طرح ڈاکڑ بونس حسنی صاحب لطف اندوز ہوتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ دوران گفتگو کسی نے فارسی کا وہ شعر پڑھا۔

حسنِ یوسفؑ ، دمِ عیسیٰؑ ، یدرِ بیضا داری
آنچہ خواہاں ہمہ دارد تو تنها داری

ایک صاحب بول پڑے نعت کا بے مثال شعر ہے۔ میں نے کہا شعر تو واقعی بہت اچھا ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس میں ”خواہاں“ کا لفظ کھٹکتا ہے بالخصوص نعت کے شعر میں۔ بیا نے میری بات سنی اور مسکراتے ہوئے شعر پڑھا۔

آپؑ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار
حسنِ یوسفؑ ، دمِ عیسیٰؑ ، یدرِ بیضا کے سوا
پھر کچھ نہ پوچھئے سب کا کیا عالم ہوا۔ سبحان اللہ واہ جمیل بھائی واہ۔ اردو فارسی سے بازی لے گئی۔ جزاک اللہ۔

یہ ہوا نہ نعت کا شعر۔ غرض محفل کا رنگ ہی بدل گیا ہر کوئی نعت کے شعر سنانے لگا فضا میں عجیب طرح کا گداز پیدا ہو گیا لوگوں کی نشست بدل گئی۔ آنکھوں میں نمی آواز میں تھراہٹ آگئی۔ یوں لگا کرے کے بلب زیادہ روشن ہو گئے۔ شاید یہ دل کی فضا کا عکس تھا سب کے چہرے نورانی جذبات سے دمک رہے تھے بیا سب کے شعر سنتے رہے کوئی ایک لمحہ کے بعد بیا نے پھر شعر پڑھا آنکھوں میں آنسو چہرے پہ عجیب سی کیفیت ہمارے میاں کو مخاطب کر کے کہا بھیا اگر یہ حال ہو تو۔

اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی
یہ دل ترے خیال کے قابل نہیں رہا

ایک چٹنا کا سا ہوا سب دم بخود ایک گہری خاموشی نے پوری محفل کو گرفت میں لے لیا بیا اٹھے اور آہستہ سے کمرے سے چلے گئے... پھر سب ہی آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے کمرے سے رخصت ہو گئے یوں لگتا تھا سب اپنے اپنے آئینے میں خود کو دیکھنا نہیں چاہ رہے لیکن سب خود کو نظر آ رہے تھے۔ دوسرے دن صبح ڈاکڑ بونس حسنی صاحب ناشتے کی میز پر آئے آنکھوں میں بے خوابی کی سرفخی اور چہرے پہ آنسوؤں کی روانی سے پیدا شدہ بھراہٹ خیریت؟ کشنی صاحب نے پوچھا کیا نیند نہیں آئی؟

ارے صاحب خیند؟ وہ حضرت تو شعر سنا کر رخصت ہو گئے اور ہم سو نہ سکے۔ بے ہودہ کہیں کے! حسنی صاحب نے جواب دیا یہ حسنی صاحب کا انداز کلام ہے وہ بے ہودہ لفظوں کو وہ حرمت عطا کرتے ہیں کہ بس کیا مثال دیں اب یہ ہی مثال سامنے ہے اس بے ہودہ کی قوت کو دیکھیے! (ویسے ایک راز کی بات اور ہمارے میاں کی محبت کی انتہا بھی ایک لفظ یہ بے حد دانت (جب ہوتے تھے) جما کر کہتے تھے یا

بڑے "کینے" ہو۔ اس طرح یہ لفظ "بے ہودہ" حسی صاحب کی انتہائی "ہودی" ہے۔
 بٹا پیدا تو امر ہے میں ہوئے لیکن رنگ سارا علی گڑھ کا ہے میں نے جب بھی دیکھا وہی علی گڑھ کا
 پاجامے اور شیروانی میں بس جب زیادہ گرمی ہوتی تو آتے ہی شیروانی اتار دیتے تھے۔ بٹا اپنے خانہ ان میں
 مجھے یقین ہے کہ سب سے زیادہ اچھے لگتے ہوں گے "ممکن ہے کوئی اور بھی لگتا ہو لیکن میں نہیں جانتی
 مجھے تو یوں لگتا ہے کہ بچپن میں بھی سب سے زیادہ چمکتے دکتے بچے ہوں گے بڑے ہوئے ہوں گے تو
 سعادت مند 'ذہن' حسین نوجوان رہے ہوں گے شادی ہوئی سنا ہے ان کی بیگم ان سے رنگت میں دبی
 ہوئی تھیں نین نقش اور حسنِ میرت میں خوب تھیں بلکہ اتنی ہی اچھی ہوں گی کہ بٹا کے منہ سے جب بھی
 ان کی بیگم کا ذکر سنا رشک ہی آیا۔ کہ اللہ میاں ہم سب بیویوں کو وہ خوبیاں عطا کرے تاکہ بعد ہمارے
 ہمارے میاں بھی ایسا ہی ذکر کیا کریں۔ اولاد اور بہن بھائیوں کے قصے مثالی اور ان کی والدہ کو تو نہیں
 دیکھا لیکن ان کی سعادت مندی ان کے والد صاحب کے ساتھ دیکھی ہے اللہ اکبر اگر ان کی سعادت
 مندی "دیدہ" نہ ہوتی تو ہم بھی اسے کتابوں اور قصے کہانیوں والی سعادت مندی جانتے اور اللہ میاں بھی
 ان کے کیسے مددگار خود بٹا نے سنایا تھا کہ میں جج کر آیا لیکن مسلسل اس شرمندگی میں جھلا کہ جیل خود توج
 کر لیا باپ کو نہ کرایا۔ بس بے قراری لگی رہی یا اللہ کیا کروں زمانہ وہ تھا کہ صرف چھ ہزار میں جج ہو جاتا
 تھا۔ ایک دن اسی کیفیت میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب آئے ایک لفافہ ہاتھ میں دے کر بولے
 نقوی صاحب یہ رقم آپ نے مجھ کو فلاں موقع پر عنایت کی تھی میں اتنے عرصہ شرمندگی سے نہ آسکا اب
 اللہ نے سرخ رو کیا تو حاضر ہوں۔ اور بٹا نے بتایا میں حیران بیٹھا تھا اور ان کے جانے کے بعد میں نے
 دیکھا تو رقم پوری چھ ہزار تھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میرے رب میں اتنی ہی رقم کے لئے
 پریشان تھا واقعی وہ حل مشکلات کیسے دلوں کے کانٹے نکالتا ہے میں نے فوراً ابا کے جج کے انتظامات کئے
 ان کو روانہ کرتے وقت اخراجات کے لئے علیحدہ رقم دی جو انہوں نے جوں کی توں جج سے واپسی پر میرے
 ہاتھ پر رکھ دی میں نے پوچھا ابا یہ کیا کچھ خرچ نہیں کیا؟

کسے لگے میرا خرچ ہی کیا ہوا تمہارے دوستوں نے ہاتھوں چھاؤں رکھا گاڑیوں میں پھرایا گھروں میں
 کھلایا پھر کیوں خرچ کرتا۔ اور میں حیران تھا کہ میرے کون کون سے دوست؟ پھر آسمان کو دیکھا کہ واقعی
 جبر کا تو دست ہو میرے آقا۔ میرے سقا۔ پھر یہ کہ ابا بیمار ہوئے اور کافی عرصے علیل رہے اس زمانے میں
 بٹا ہمارے ہاں بزرگانہ روایت کی پاسداری کے ساتھ آتے تھے ہمیں اور ہماری اولاد کو انتظار رہتا تھا کہ
 بس اب بٹا آنے والے ہوں گے۔ اور وہ روشن دان کو مزید چمکانے آ جاتے۔ میں اور بچے سب ہی خوش
 رہتے ایک مرتبہ بٹا بچوں کے لئے موسم کا کوئی پھل لائے بچوں سے کہا کھاؤ۔ اس زمانے میں شاید نزلہ
 زکام پھیلا ہوا تھا اس کیفیت ہمارے میاں بچوں کو خاصا پرہیز کرا لیتے تھے لہذا بچوں نے کہہ دیا ابونے منع

کیا ہے ہماری طبیعت ٹھیک نہیں اس دن میں نے بتا کو ایک دم غصہ میں سرخ ہوتے دیکھا۔ لیکن برداشت کرتے ہوئے بولے۔ ارے تمہارا باوا زیادہ جانتا ہے یا اللہ میاں؟

ارے بھوج لو سنو یہ کہہ رہے ہیں کہ ابانے منع کیا ہے!۔ اللہ میاں تو اس زمانے منوں منوں یہ پھل پھاڑ رہا ہے کیوں؟۔ اس لئے کہ اس موسم میں اس کے بندوں کو اس کی ضرورت ہے اس لیے! جس موسم میں انسانی جسم کو جس جس جس کی ضرورت ہوتی ہے اماں باوا وہ بعد میں مہیا کرتے ہیں اللہ اپنے بندوں کے لئے پہلے بھیجتا ہے کیوں؟۔ میں نے جلدی سے جی ہاں آپ سچ کہہ رہے ہیں خالق سے زیادہ کون جانے گا کہ اس کی تخلیق کی کیا ضرورتیں ہیں؟۔

ہاں دیکھو نا۔ جاڑوں میں مغزیات روغن کی انسانی جسم کے ایندھن کو ضرورت ہوتی ہے وہ سردیوں میں الفاروں، گرمیوں میں پانی کی زیادہ ضرورت تو خربوزے، تربوز حاضر۔ بدلتے موسم میں وٹامن سی اور جوس کی ضرورت تو مالے، موسمی، سگترے اور جس کی سارا سال ضرورت وہ سارا سال حاضر لو کھاؤ اور پیٹ بھر کے کھاؤ۔ اور بچوں نے فوراً ”بات مان لی۔ خیر یہ بات تو برسبیل تذکرہ آگئی قصہ تھا ستر بہتر سالہ بیٹے کی سعادت مندی اور خدمت کا بتا اپنے والد کی بیماری میں کیسے کیسے پریشان رہے کیسی خدمت کی آج بھی ان کا دکھ ان کا غم ان کی بے قراری یاد آتی ہے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کچھ بس نہیں چلتا تھا کہ بتا اور آپا کے غم کو کیسے دور کریں؟

پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ عمل تو گنبد کی صدا ہوتا ہے! جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!۔ آج کرو کل آگے آئے گا بتا کے منہ سے ہر وقت طاہریہ طاہرہ طاہرنے یہ کیا۔ طاہرنے وہ کیا خوش ہو ہو کہ بتایا کرتے تھے پتہ نہیں آج جب میں بتا سے دور ہوں اور ذہنی سفر بھی زگ زیک کر رہی ہوں نہ جانے کیوں خیال آ رہا ہے کہ بتا کے ساتھ طاہر کا سلوک کیسا ہو گا کیسا ویسا ہی جیسا ڈوبی محبت اور سرشاری والا بتا کا اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ یا کچھ اور۔ کیونکہ آجکل کے گنبدوں کی چھت نہیں ہوتی۔ اور صدا نہ جانے کہاں ہوتی ہے لوٹی ہی نہیں؟۔ خدا کرے کہ میرا اندیشہ بالکل غلط ہو اور ان کا بیٹا اکلوتا بیٹا ویسا ہی بیٹا ہو جیسے وہ اپنے باپ کے لئے تھے؟ جب میں اور یہ ان کے والد کی تعریف کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ہم کو نکلے تھے عاکف میاں ان کے ابو اور میں تینوں بالکل خاموش تھے بتا کی بے قراری اور کیفیت ایسی تھی کہ اس وقت بھی برداشت کرنی مشکل ہو رہی تھی اور آج بھی شاید بیان کرنے میں دشواری ہو کبھی کمرے میں آتے کبھی والد صاحب کے بستر کو دیکھتے کبھی ان کی چیزوں کو کبھی کہتے بھیا اب زندگی خالی ہو گئی کچھ کرنے کو نہیں رہا۔ پھر ہماری کیفیت دیکھی ذرا سٹیلے دروازے پہ جا کر آپا کو آواز لگائی کہ بھئی ذرا چائے بھجواؤ یہ ہمارے کٹنی بھیا آئے ہیں... پھر آئے کرسی پہ بیٹھے بولے۔ بھیا یہ پھڑنے کا غم میں نے اس کا ہر مزہ چکھا ہے بیوی گئیں جواں بھائی گئے۔ جواں بہن گئی.... جواں بیٹی.... اور جلدی سے اٹھ کر

اندر چلے گئے خود کو سنبھال کے پھر واپس آئے.... لیکن بھیا ابا کا جانا.... بس بس.... میں اٹھ کر اندر آپا کے پاس چلی گئی لگتا تھا داغ پھٹ جائے گا بجائے اس کے کہ میں تعزیت کرتی انہوں نے مجھے گلے لگایا.... کیا کروں بس دعا کرو اللہ ان کو ہمت طاقت دے ویسے ان سے زیادہ برداشت اور صبر والا کون رہا.... اللہ کی رضا میں راضی بس اللہ راضی رہے۔ اور واقعی بتانے پھر خود کو سنبھال لیا۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی۔ میں گورے چنے رنگ کو حسن کا معیار تو نہیں سمجھتی پھر بتا کے حسن کا منع کچھ اور بھی ہے اور میرا خیال صبح نکلا بیانے محبتوں کا قرض بھی پوری دیا تندی سے ادا کیا مرزا احمد جمیل بتا کو چھوٹے بھائیوں کی محبت رہی اور میں ہمیشہ ایک بات یہ محسوس کی کہ با میں مرزا احمد جمیل صاحب کے لئے محبت شفقت اور احترام کی ایک تعلیمی کیفیت ہمیشہ موجود رہی خود بیانے تو کبھی نہیں بتایا لیکن ہمارے میاں نے بتایا کہ مرزا صاحب کے والد مرزا نور احمد صاحب نے اپنی زندگی میں کلام مجید کے نو پارے اپنے ہاتھ سے تحریر کئے تھے وہ کلام پاک مکمل نہ کر سکے لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے سعادت آثار بیٹے اور بیٹوں کی طرح چچا مرزا نور احمد کو چاہنے والے بھتیجے یعنی بیانے مل کر ان نو پاروں میں سے سی حروف قطع کر کر کے اور جوڑ جوڑ کر پورا قرآن پاک کمپوز کیا اس کام میں سالہا سال صرف ہوئے۔ تو قارئین کرام جس ایک حرف کی تلاوت پر ۱۰ نیکیاں ملتیں ہوں ان حروف کو نورانی لفظوں میں ڈھالنے والوں کے ہاتھوں 'چروں' اور آنکھوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ اور لوگ بھی بجا جیسے جنکی ذات اپنی ہستی کو بھول کر اپنے رب میں گم اور کام بھی علمی اور علم بھی کون سا...؟ اور جنکا دل اس علم کے لانے والے کی محبت میں سرشار.... اور جن کا مسلک ہی یہ ہو کہ

دلوں میں عشقِ محمدؐ اگر نہ ہو موجود
جمیلِ فعلِ غیث ہیں یہ سب رکوع و سجدہ

مجھے تو جب ان سعادت نصیب لوگوں کے ہاتھوں مکمل کیا ہوا کلام پاک ملا تو سب سے زیادہ رشک مرزا نور احمد صاحب پر آیا اللہ ان کو وہاں بھی اسم بامسی رکھے "خیر جاریہ" ایسے ہی بیٹوں بھتیجیوں کو کہتے ہیں۔

ہماری عزیز دوست شمیم بانو نقوی نے اپنے لڑکپن کا ایک قصہ سنایا تھا کہ بتا کی بیٹی کی شادی تھی وہ بتا کے ہاں رہنے لگی ہوئی تھیں۔ دلہے یا چوتھی کہ دعوت تھی سب جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے یہ بیٹی ہوئی تھیں 'بتا کسی کام سے اندر آئے سب پر نظر ڈالی سب کچھ نہ کچھ کر رہے تھے ان سے پوچھا تم تیاری نہیں کر رہی ہیں انہوں نے کہا میری جوتی ٹوٹ گئی میں تو نہیں جاؤں گی نوراً" بولے ارے بیٹا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہماری بیٹی ضرور جائے گی چاہے جوتی جڑوائی جائے یا پھر نئی آئے ورنہ کوئی بھی نہیں جائے گا۔ لاؤ جلدی سے کدھر ہے وہ جوتی... اور پھر سب سے پہلے ان کی تیاری مکمل ہوئی۔ بہنوں، بیٹیوں،

بھائیوں، بہتیوں سے غیر معمولی محبت و شفقت اور رشتوں کا یہ احساس دینی تربیت اور عشق رسولؐ کا ہی نتیجہ تھا جو باکے خون میں موج زن تھا۔ ہم نے امتداد زمانہ کے ساتھ کیا کچھ کمودیا اب تو ہم لوگ سوچتے تک نہیں۔ اللہ بخشنے ہمارے سمدھی منیر مرزا رزقی صاحب نے اپنے انتقال سے ایک دو دن پہلے اپنے بڑے بھائی کی اس بات پر کہ وہ اپنے بیٹے کا شکر یہ ادا کر رہے تھے کہ انہوں نے بہت عمدہ طریقے پر عمرو کرایا اور یہ کیا وہ کیا... مجھ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ بہن کیسی عجب بات ہے کہ اب ہم لوگ بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنی اولاد نہیں سمجھتے اب ہم خود کو الگ کر کے ان بچوں کو ان کے ماں باپ کی نسبت سے صرف رشتہ دار سمجھتے ہیں جیسی تو ہمارے بھائی صاحب اپنے بیٹے کا شکر یہ ادا کر رہے ہیں حالانکہ یہ ان کا حق تھا اور خدمت اولاد ہونے کے ناتے ہمارے بیٹے کا فرض۔ یہاں فرق آجاتا ہے مغربی و مشرقی تہذیب کا جہاں ہر بات کا اظہار ضروری ہے۔ اور واقعی میں سوچتی ہوں کہ ہمیں تو بچپن میں ٹائی، دھوبی، چوڑی والی کو بھی بغیر ادبی رشتہ لگائے نام لینے کی اجازت نہیں کہ بیاعزت کر د عزت پاؤ.....

باکے ہاں ہر مشرقی روایت اپنی پوری جامعیت کے ساتھ موجود تھی ہمارے میاں ان کے خورد سی لیکن انہوں نے کبھی بھیا لگائے بغیر نام نہیں لیا میں چھوٹی بھانج لیکن ہمیشہ لہجے کے اتار چڑھاؤ اور آواز کی بلندی تک میری موجودگی کا احترام کیا، رشتوں کے بھاؤ میں انفرادیت کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب فرداً فرداً ذاتی دلچسپی ہوتی ہے اور یہ خوبی بھی بیا میں بدرجہ اتم موجود رہی مثلاً ”ہم نے عاکف کی مٹکئی کی چونکہ بڑی تقریب نہیں کی تھی بیا نے مٹائی کھائی مبارکباد دی اور پوچھا ہماری ہونے والی ہو کیسی ہے؟ بس بیا آدمی کا بچہ ہے جیسی یہ گھر کی ہیں ویسی ہی ہے۔ اور بات آئی گئی ہوئی.... پھر سال پیچھے جب بیا عاکف کے دلہے میں آئے تو مہمانوں کی روانگی شروع ہوئی آخر میں پھر ہم سب گھر والے رو گئے دلہن سے سب کا تعارف ہو رہا تھا میں کھڑی ہوئی تھی کہ آپا بیا کو لیے ہوئے آئیں کہ بھئی اپنی ہود کھا دو میں بیا کو لے کر آگے بڑھی انہوں نے اسٹیج پر چڑھنے سے انکار کر دیا اور سامنے کھڑے ہو کر غور سے دیکھتے رہے پھر ہنس کے بولے۔ ماشا اللہ ہاں تو یہ ہے وہ آدمی کا بچہ ارے بھانج تم نے مجھ سے غلط بیانی کیوں کی تھی۔ میں نے کہا... بیا اگر میں کہتی کہ میری ہود حور ہے پری ہے تو آپ کے ذہن میں وی تصور ہوتا اس لحاظ سے اس وقت میری ہود آپ کو داجی سی لگتی لیکن اس وقت کے سرسری اظہار سے اب آپ ماشا اللہ کہنے کے قابل ہیں۔ ہیں نا...؟

اور بیا ہنس پڑے... بھئی خوب ہاں خوب یہ تھی انفرادی دلچسپی کہ انہیں میرا ایک سال پرانا جملہ تک یاد تھا.....

بیا کی گراں گوشتی کی وجہ سے ہمارے ایک استاد محبت اور شرارت سے انہیں ہر علوم کہتے تھے میں نے ان سے کہا تھا کہ واقعی باکے ”بحر العلوم“ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کونا موضوع ہے جس پہ بیا نے

قلم نہیں اٹھایا۔ تنقید ہو، تاریخ ہو، سوانح ہو، یا اشاریہ، غزل ہو، یا قصیدہ، یا مثنوی، نعت ہو یا نظم، عشق مجازی اور عشق حقیقی کے سارے رنگ اپنی واضح حدود اور معیاری شکل و صورت میں انفرادیت کے ساتھ موجود ہیں۔ اور استادانہ مہارت کے ساتھ میں اگر چاہوں بھی تو بآ کی ادبی اور شاعرانہ مرتبے کے متعلق زبان نہیں کھول سکتی کیونکہ من آنم کہ من دانم لیکن جیسا کہ کشفی صاحب نے کہا ہے "بشری خلقت شاعر" جو جوش اور طے میں جوش جیسے قادر الکلام شاعر کے ہم قدم ہیں اور اردوئے اکابرین ادب میں سے ایک "خاموش" "گوشت نشین" ادیب لیکن سب سے مقدس حیثیت بہترین انسان سب کے اپنے بے حد اپنے بآ...

جا کے بآ سے ملے کتنا عرصہ ہو گیا... لگتا ہے صدیاں بیت گئیں لیکن یہ وقت بھی تو صدیوں کی طرح گزرا ہے یہ شہر جو روشنیوں کا شہر تھانی بستیاں آباد کر رہا تھا کتنے عرصے سے بس اب لاشوں کا شہر ہے اور نموش بستیاں آباد کر رہا ہے۔ اب تو انسان کے لیے ویسے ہی صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا اب تو ایک دوسرے کی خوشی غمی کے بھی نہ رہے۔ بس ذہن و دل کے رابطے آزاد ہیں۔ بآ میری دو بچیوں کی شادیوں میں بھی شریک نہ ہوئے ہمارے پوتے اور نواسے کو بھی نہیں دیکھا لیکن وہ ہر خوشی اور محبت کے لحوں میں ہمارے ساتھ ہیں اللہ انہیں سلامت رکھے اب تو وہ ایک حدیث کی روشنی میں "اس زمین پر اللہ کے قیدی ہیں" جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے حکم ہے کہ اپنے لیے ان سے دعا کرو تو بآ آپ سے ہم دعاؤں کے خواستگار ہیں اور ہاں آپ نے بت دن پہلے جب میں نے "اتھم بھائی" پر مضمون لکھا تھا تو فرمائش کی تھی کہ مجھ پر بھی ایک ایسا ہی مضمون لکھ دو میری ہمت افزائی کے لیے یہ بات کسی تھی دل بڑھانا تو بزرگوں کو روایت ہے۔ سو یہ چند سطریں حاضر ہیں۔ حق تو یہ کہ حق ادا نہ ہوا اور اس لڑکے جس کا نام "صبحِ رحمانی" ہے، اس کے لیے بھی دعا کیجئے گا کہ اس کی وجہ سے میرا اپنے سے کیا ہوا ایک وعدہ پورا ہوا۔



لکھیے	نعت	سرور	لکھیے
اُن	کو	و	لکھیے
لکھیے	ان	کو	لکھیے
اُن	کی	راہ	لکھیے

(تیا زبدا یوانی)

محمد میرا بیٹا ہے

شاعر:- ہشام علی حافظ

ترجمہ:- سید محمد ابوالخیر کشنی

نعت رنگ ۲ میں ہشام علی حافظ کی ایک نظم کے ابتدائیہ کا ترجمہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ان کی نظم

لی ابن مثلك اسمہ محمد

کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ترجمہ بڑی حد تک لفظی ہے، ہاں بھائیوں اور بہن کے بچوں (جن کے نام محمد ہیں) کی تفصیلات قدرے بدل گئی ہیں۔ قوسین کے مصرعے اضافہ ہیں۔

(کشنی)

محمد میرا بیٹا ہے

لی ابن مثلك اسمہ محمد

كنت اسير على طريق البحر

استنشق نسيمات البحر

بلا مرافق اور فيق

كنت اسبح في هواء البحر

استرجع مع الخطوة

خطوات الفجر

مشى بتان

قفل ابواب الليل

وفتح للنور الابواب

سندر کے کنارے چل رہا تھا

نسیم بحر میرے ساتھ چلتی تھی

(مری غلوت میں جلوت کا تماشا

عجب کچھ ماجرا تھا)

ہوا کہ تازگی گویا لطافت کا سندر تھی

طلوع فجر کے قدموں کی آہٹ

میرے قدموں کی آہٹ بن گئی تھی

دور پہنچے نلمتوں کے بندہ ہوتے جا رہے تھے

اجالوں کے دور پہنچے کھل رہے تھے

عدت بالذکری لا قنس بقعه

کنت صغیرا

لا اعی... لا افهم

انی اسکن بجوار النبی

وانی امشی علی تراب

مشى علیه رسول الله

وانی اکل تمر امن نخله

اکل منها ابوبکر... وعمر

وانی اشرب من ماء

شرب منه امام المتقین

وانی کنت اعیش

فی احب بلاد عند الله

☆☆☆

کنت اسیر

وکان یسیر امامی

طفل... مثلما کنت صغیرا

اعترض ظریقی وقال

البحر جمیل... البحر کبیر

ثم اخذ یقذف فی البحر الاحجار

سالتہ... ما اسمکد؟

قال... محمد

قلت... لی ابن مثلک اسمہ

طلوع فجر سے پہلے

کتاب عمر کے عنوان نظر کے سامنے آئے

میں بچہ تھا

ہمت چھوٹا، ہمت ناداں

جو ار رحمہ للعالمین میں میرا مسکن تھا

میں جس مٹی پہ چلتا تھا

رسول اللہ ﷺ کے نقش کف پاتے

مطر تھی

منور تھی

ابھی وہ نخل باقی تھا

ابوبکر و عمر نے جس کا پھل کھایا

کعبوریں کتنی شیریں تھیں

میری قسمت میں جو آئیں

جو پانی سرور کو میں پیتے تھے

اسی سے میں بھی اپنی تشنگی کو رفع کرتا تھا

مرے لب اس کو چھوتے تھے

(وہ میرے واسطے کوڑ کا پانی تھا)

بڑی راحت سے میرے دن گزرتے تھے

مدینہ میں

جسے اللہ نے محبوب رکھا ہے

جہاں کے سارے شہروں سے

☆☆☆

انہیں یادوں میں غلطاں جا رہا تھا
اور مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر

ایک بچہ چل رہا تھا

وہ جیسے میرا بچپن تھا

اچانک وہ پلٹ کر میرے پاس آیا

”سمندر کتنا پیارا ہے

سمندر کتنا اچھا ہے“

”مگر تم تو سمندر سے بھی اچھے ہو“

”تم اپنا نام تو بتاؤ“

”محمد“

”مرا بھی ایک بیٹا

موسوم ہے اسم محمد ہے

میرا اک دو سرا بھائی

محمد نام کے بیٹے کا ابو ہے

خدا نے تیرے بھائی کو دو فرزند بخشے ہیں

محمد اور احمد نام ہیں ان کے

میری بہنوں کے بچے بھی محمد ہیں“

☆☆☆

کنارہ بحر

نئے دوست کے لب پر

تبسم کی ضیاء پھیلی

”محمد نام ہے میرا

مرا ابو محمد تھا

مرا دادا محمد تھا

”محمد بن محمد بن محمد نام ہے میرا“

☆☆☆

(نبی محترمؐ)

صدیاں تمہارے نام سے روشن)

مجھے تم سے محبت ہے

مجھے تم سے محبت ہے

مجھے تم سے محبت ہے

یا حبیبی یا رسول اللہ ﷺ

محمد..

واختی سماہابی محمد..

واختی الثانی لہ ابن واحدھو

محمد

واختی الثالث لہ ابنان احدھما..

محمد..

واختی الخامس سمی احد ابنائہ

محمد

واختی الثانیہ سمت انبھا

محمد

اما اختی الثالثہ و فاعطاھا اللہ

احمد و محمد

ا بسم الصغیر و قال

انا محمد ابی محمد و جدی

محمد..

فانا محمد بن محمد بن محمد

قلت... ما اجمل... ما اخی

من اسمہ محمد

ابک یا حبیبی... یا محمد

ابک... ابک... ابک...

واحب من حبک

یا حبیبی یا رسول اللہ ﷺ

ایک شاہکار نعت

ہمارے ایک کرم فرما حضرت مسرت حسین جواد منکا پور سے کراچی تشریف لائے تو ایک ملاقات میں انہوں نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی ایک شاہکار نعت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی۔ جناب صبیح رحمانی نے محترم پروفیسر سحر انصاری سے ایک فارسی نعت کا ترجمہ کرنے کی درخواست کی اور یوں چند لکھوں میں انہوں نے عمد مظہری (بارہویں صدی ہجری۔ اٹھارہویں صدی عیسوی) کی مروجہ زبان میں ترجمہ کر دیا۔

اب اصل نعت مع ترجمہ قارئین ”نعت رنگ“ کے ذوق نعت کی نذر ہے۔

عزیز احسن

نعت رسول مقبولؐ

از مرزا مظہر جان جاناں

خدا در انتظار حمد مانیت	محمدؐ چشم بردار ثنائیت
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس	محمدؐ حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد	بہ بیچ ہم قناعت ی تو اں کرد
محمدؐ از توی خواہم خدارا	الہی از تو حب مصطفیٰ را
دگر لب واکن	مظہر فضولیت
خن از حاجت افزوں تر	فضولیت

ترجمہ سحر انصاری

ہماری حمد کا طالب خدا نہیں	محمدؐ چشم بردار ثنائیں
خدا ہے محو حمد مصطفیٰ بس	محمدؐ حامد حمد خدا بس
دعا کی ہو اگر خواہش ہی ایسی	قناعت چاہیے اس شعر پر ہی
رہوں خواہاں محمدؐ سے خدا کا	خدا سے وصف حب مصطفیٰ کا
نہیں مظہر مناسب	بالارادہ
خن کرنا ضرورت سے زیادہ	

مدحِ ت

سرور بارہ بنگوی

سرور حرف دعا کیا مستجاب ہوا زباں کو حوصلہ مدح آنجناب ہوا
 نہ ہوسکا ہے نہ ہوگا ازل سے تابہ ابد جواب اس کا جو آپ اپنا خود جواب ہوا
 اسی کے فیض سے ارض و سما عبارت ہیں اسی کے نور سے ظلمت کا سدباب ہوا
 زفرش تابہ فلک کون ایسا ذرہ ہے جو آفتاب کرم سے نہ فیض یاب ہوا
 وہی ہے نکتہ آغاز علم و حکمت کا وہ اسم پاک جہاں داخل نصاب ہوا
 اب ایسی ذات گرامی کی مدح کیا ہوگی
 کہ جس کے نام سے قرآن کا انتساب ہوا

تابش دہلوی

جذبات نگاہیں ہیں اور دل مری آنکھیں ہیں کیا واقعی طیبہ کے قابل مری آنکھیں ہیں
 طیبہ ہے نظر میں بھی، اور حسن نظر میں بھی ایک ایک تجلی میں شامل مری آنکھیں ہیں
 نظریں بھی دھڑکتی ہیں طیبہ میں بہ شکل دل آنکھیں مری آنکھیں ہیں یا دل میری آنکھیں ہیں
 آغوش میں رحمت کے یوں ٹھہرے ہیں پلوں پر اشکوں کے سینوں کو ساحل میری آنکھیں ہیں
 خیرات تجلی کی اے پیکر محبوبی کشکول نگاہیں ہیں سائل مری آنکھیں ہیں
 اک نور سفر میں ہے نظروں ہی سے نظروں تک راہیں مری آنکھیں ہیں منزل مری آنکھیں ہیں
 کیوں حل نہیں ہو پاتیں انوار مدینہ میں میرے لیے کس درجہ مشکل مری آنکھیں ہیں
 اک نقشِ تجرّ ہے ایک ایک نظر تابش
 ہر منظر طیبہ کا حاصل مری آنکھیں ہیں

احمد ندیم قاسمی

عرش کے آخری پیام تجھ پہ درود اور سلام
 راہنمائے خامن و عام تجھ پہ درود اور سلام
 دل میں قیام ہے ترا' روح مقام ہے ترا
 لب پہ مدام تیرا نام تجھ پہ درود اور سلام
 عرش کے ان گنت چراغ' فرش کے کوہ و باغ و راغ
 بھیج رہے ہیں صبح و شام تجھ پہ درود اور سلام
 اپنی فقط ہے تجھ سے بات تو کہ ہے محسن حیات
 ہم کو ہے صرف تجھ سے کام تجھ پر درود اور سلام
 رات سے ہم کو کیا خطر تو ہے جب اپنا راہبر
 مہر جیوں' ستارہ قام تجھ پہ درود اور سلام
 سلطنتیں بگڑ گئیں، ملکیتیں اجڑ گئیں
 زندہ ہے اک ترا نظام تجھ پہ درود اور سلام
 شعر ندیم کو ملے نور حضور کی جھلک
 ایسا بھی ہو کچھ اہتمام تجھ پہ درود اور سلام

نذا خالدي دلاوي

میرے دل کی طلب مدینہ ہے
 ذہن میں روز و شب مدینہ ہے
 جس میں دکھیا سکون پاتے ہیں
 وہ جان طرب مدینہ ہے
 کیوں نہ جنت ثار ہو جائے
 شر محبوب رب مدینہ ہے
 داغ عسیاں یہیں تو دھلتے ہیں
 رمتوں کا سبب مدینہ ہے
 جن نگاہوں میں پہلے دنیا تھی
 ان نگاہوں میں اب مدینہ ہے
 رات دے دیا تصور نے
 اب نذا دور کب مدینہ ہے

افسراہ پوری

وجہ تنگیں نہ زمیں ہے نہ زماں ہے ہم کو
 جلوہ گر آپ ہوئے رمت عالم بن کر
 جس کی رمت ہے یہاں اس کی شفا ت وہاں
 ہم تو اس حسن تصور کے ہزاروں صدقے
 نذر نعت نبی راحت جاں ہے ہم کو
 ایک کتبے کی طرح سارا جہاں ہے ہم کو
 فکر اپنی ہے یہاں اور نہ وہاں ہے ہم کو
 ریک طیبہ میں ستاروں کا سماں ہے ہم کو
 شعر کیا کیا ادب شاعری کیسی افسر
 تذکرہ آپ کا معراج یہاں ہے ہم کو

حیف اسدی

طالب و مطلوب رب میرے حضور
 سرور و سالار و سرخیل و امیر
 نور حق نور ضمیر کائنات
 وجہ تخلیق و بنائے جزو کل
 سر بر مستغنی و مولا صفات
 آپ کی مدحت سرائی کے لیے
 آپ کی نسبت سے بالا ہو گیا
 مجھ کو کیا ساری خدائی سے غرض
 وجہ دوری موجب آرزوگی
 دار رس رحمت لقب میرے حضور
 سید والا لب میرے حضور
 روشنی روز و شب میرے حضور
 ہر سبب کا سبب میرے حضور
 بے نیاز و بے طلب میرے حضور
 کیا زباں کیا نطق و لب میرے حضور
 اپنا بھی ٹام و لب میرے حضور
 مجھ کو بس ہے میرا رب میرے حضور
 آپ پر روشن ہے سب میرے حضور

عمر آخر چاہتی ہے حاضری
 اب نہیں تو اور کب میرے حضور

نعیم صدیقی

حب رسول پائی ہے رب وود سے
 ذوق نظر عطا ہوا ذرات ریگ کو
 اسراء کی رات دہر نے دیکھا یہ مجرہ
 کیا کیا قیامتیں نہ اٹھائیں قریش نے
 انسانیت کو تو نے مقام یقین دیا
 کیا کیا تھیں موشگافیاں، فتویٰ تراشیاں
 تو نے مثال دی ہے خلیل و مسیح کی
 اپنے تو خیر ہو گئے سیراب و شاد کام
 تیرے فدائیوں کی نگاہیں تھیں نور نور
 کیا تیرے ذکر کے لیے لفظوں کے جوڑ توڑ
 جاتی ہے بات آگے بیاں کی حدود سے

اے اولین وجود اے پیمبرِ آخر!

عبدالعزیز خالد

کہتا ہے مُسِیّر کی جگہ تجھ کو مُذکر
برحق ہے یہ قول اے تُم! اے رحمتِ عالم!
بے حد و نہایت ترے انفال و فضائل
جو عالم بالا پہ دکمائے گئے تجھ کو
ہے قربِ الہی کا سرِ لامتناہی
اسرارِ دروں کارِ کُن فیکوں کے
تو خبرِ صادق ہے اسی کشفِ غلا سے
بدلے گئے دستورِ خلا اور ملا کے
معراج کی نسبت سے لقبِ تیرا ہے ”مساح“!
بدایا کی انجیل کسے تجھ کو ”مسیّا“
اترے گا وہ جب چرخِ چارم سے زمیں پر
کی تجھ پہ خداوند نے تکمیلِ نبوت
ہے زیرِ نگیں تیرے ہر اک گوشہٴ نکوئیں
تجھ سا کوئی ہوگا، نہ کوئی ہے، نہ کوئی تھا
تیرے رخِ رخشندہ سے آفاقِ منور
نکلا جو بحرِ بن کے شہستانِ حرا سے
رکھا ترے سینے میں دلِ روشن و بیدار
وہ ذاتِ ہمیشہ سے جو ہے مبداءِ فیاض
ناتوے ناموں میں سے جس پاک واحد کا
اس نورِ علی نور کا تو نورِ جبین ہے

جو صاحبِ مصحف ہے وہ ربِّ منکبر
بے شک تو مُسَبِّر سے زیادہ ہے مُسَبِّر
ہو حق سے ادراک نہ کیونکر مُتَعَذِّر؟
دیکھے کسی انساں نے کہاں ایسے مناظر!
جز تیرے نہ پہنچا کوئی تاملِ آخر
تجھ پر دمِ دیدارِ الہی ہوئے ظاہر
اور اس کی بدولت ہی ہمہ ہنگ و بصائر
تبدیل ہوا وقت کا دھارا تری خاطر
اس شان کا اس آن کا کون اور مسافر؟
تھا مِیسیٰ مریم تیرا متاد و مہتر
دیں دہر کا بن جائے گا دیں تیرا بالآخر
مگر جو ترے ختمِ نبوت کا وہ کافر
ہر ثابت و سیار کا تو ہادی و منذر
کہتا ہے ابوبکرؓ تجھے زینِ معاشرا
پر تو سے اسی کے ہے ضیاءِ پاشیٰ نذر
کودے اٹھے یکدم حرم و بیت و مشاعر
اس نے کہ عیاں جس پہ ہے مکنونِ منار
جو ظاہر و باطن ہے جو ہے اول و آخر
اک نامِ مقدّم ہے اور اک نامِ مؤخر
در پردہ و بے پردہ ہے جو حاضر و ناظر

شیطان نہ کبھی بن سکے تیرا متمش
صف تیرے صحابہ کی ہے از روئے محاسن
دیکھے نہ مہ و خور نے کہیں روئے زمیں پر
تجھ پر تری ناموس پہ قرباں دل و جاں سے
تجھ خاک پہ مَس ہو کے بنے تجھ سے وہ اکسیر
کرتے ہیں عدم میں بھی ادا حق رفاقت
اے بذرقہ قافلہ دین و سیاست!
برگشتہ ترے مسلک برحق سے وہی ہو
ہے خاک قدمگاہ تری سرمہ بینش
اور اس کا اک ادنیٰ سا کرشمہ یہ کہ اس سے
اک بات ہے زرقائے یمامہ کی بصارت
حالات کبھی کر سکے تجھ کو نہ ہراساں
فائقے میں بھی لوٹائے سوالی کو نہ خالی
تجھ سا نہ کوئی مستعد و منضبط اوقات
مشرَب ہی ترا پاک ہر اک لوٹ و کدور سے
اُئی ہے مگر بہرہ ور علم لدنی
دیتا ہے خبر غیب کی باتوں کی اگرچہ
ہاجی ترے آخر کو بنے تیرے شاکر
دنیا ہے ترے حلم ترے غنو پہ حیراں
کتا ہے ”ولا فخر“ تو ہر عز و علا پر
خواہاں کسی شے کا نہیں اپنے لیے لیکن
طواف ہے گنبد کا ترے گنبد گرداں
ہے ذوق حضوری میں کشش ایسی کہ دن رات
میزان ہے قرآن ترا باطل و حق کی

ہے حفظ تعوذ میں تن طیب و ظاہر
اک مجمع مسننہ ایمان و الابرار
پھر ایسے بشر۔۔۔ بدو مہر و حیر
انصار مدینہ ہوں کہ کے کے مہاجر
عقلمت کے منافع وہ مکارم کے مصادر
بو بکڑ و ابو منسف ہیں قدرت کے مظاہر
جو تجھ سے چلا کٹ کے ہوا خائب و خاسر
جو شخص ہو پیدائشی سرگشتہ وقار
تحفیل چلا جس سے کرے کل جواہر
ہو دیدہ دل دیدہ پس چہرہ پہ قادر
سر تیری بعیرت پہ دھنیں اہل بصر
دیکھا نہ کوئی تجھ سا ستم دیدہ صابر
مسکین کوئی تجھ سا نہ کوئی تجھ سا غیر
تجھ سا نہ کوئی محرک آرا و مدبر
تجھ سا نہ ملہر نہ کوئی تجھ سا ملہر
ہے کون سا اعجاز تو جس پر نہیں قادر؟
کاہن ہے نہ عرف نہ شاعر ہے نہ ساحر
کایا پلٹ ایسی تو ہے اک مظهر نادر
اے صاحب اضراب و اساطین و عسا کر!
ہے دور زماں کس تری پانے سے قاصر
امت کے لیے بیٹھے اٹھتے شکر
اس جاہ و جلالت پہ دو عالم متحیر
اطراف زمین سے چلے آئیں کھنچے زائر
آیات ہیں جس کی ابداً زاہر و باہر

مطبوع و مدلل خرد افروز و مؤثر
ایسے تو کسی کان میں ہوں گے نہ جواہر
آخاتمہ دار فنا..... دائر و سائر
لائے کہیں سے ڈھونڈ کے اشیاء و نظائر
ہر دور کے اپنائے زماں تیرے معاصر
عظمت نہیں ہوتی حقدّم، ستار
تو فخر اواکل، شرف و زین اواخر
بے ساختہ دل ہوتے ہیں جس سے متاثر
شامل ترے کنبے میں تمام اہل مفاخر
اے جان جہاں! تیرے عمل سے قیاد
دوں مایہ ہے جو صنع خدا کا ہے مختار
باغی تری اقدار کا ہر جاہل و جاہل
ہوں ارض و سما ایسے شقی سے متفر
ہیں نور منارے ترے آثار و آثار
اللہ کی زمیں پر ہوئے اللہ کے شعائر
نت گو نجیں ترے نام سے محراب و مناہر
ہے یاد تری موجب جمعیت خاطر
محسوس کو محفوظ بنانے سے ہوں قاصر
کیا مور و مگس سے بھی فرد تر ہے یہ شاعر؟
تقدیر ہے اک امر مقدر، حقدّر
نازاد بنے جب وہ بیان زن عاقر
ہر طرز بیاں پر جو فلکار ہیں قادر
ترقیم کریں جدّت و جودت کے دفاتر
باندھیں کوئی مضمون نہ مکرّر مکرّر

ہے خاطر الہام موارد کا ہر ارشاد
کلمے میں ترے لو لوئے ایجاز و جزالت
سرچشے دوائی حکم و رشد و ہدیٰ کے
یکسا نہ سمجھتا ہو انہیں جو مشکک
جو قرن بھی ہے دہر کا وہ قرن ہے تیرا
تاریخ ولادت تو بس اک شے ہے اضافی
تقدیم سے کیا نفع ہے، تاخیر سے کیا ضرر؟
صحت ہے تری مصلح طمّائی و دونی
کتا ہے تو آل اپنی ہر اک مرد تقی کو
ہے زینت مساوات و مواسات و مدارا
کم ظرف ہے کرتا ہے نسب پر جو تقاخر
بد خواہ ترے دین کا ہر تفرقہ پرداز
ادروں کے لیے باعث آزار ہو جو شخص
تو رحمتِ مُداۃ ہے اس تخت رواں پر
تیری کد و کاوش سے نئی شان سے قائم
حاشانہ ادا حق ہو بیاں کا ترے گرچہ
ہے ذکر ترا باعث آسودگی دل
منا نہیں اظہار کا پیرا یہ موزوں
کیوں ان کی طرح اس کی طرف آتی نہیں وحی؟
کو تابی قسمت کا گلہ سوءِ ادب ہے
ہر صاحب تخلیق پہ وقت ایسا بھی آئے
مجھ سا شاعر کرے رشک ان پہ نہ کیوں کر
الفاظ و مناہیم میں بانی نئے پن کے
ہے جن کا سخن حشو و زواید سے مبرا

قدرت نے عطا کی ہو جنہیں قوت ابداء ہو حق امانت سے وہی مہدہ برآ ہو فنکار وہی زندہ و پابندہ رہے جو جذبات و خیالات کو لفظوں میں اتارے دریا چہ پایاب ہوں میں جوئے تک آب ہیں بے عدد کرمحت و توصیف کے مضمون مقدور کی حد تک ہوں مگر پھر بھی نواسخ دل میرا ہلاک ہوں سیر و تماشا لینے دیں کہاں مجھ کو مزے ذوق نظر کے ہیں بیسیوں منصوبے پہ توفیق ندارد انسان کا باطن ہے سرا پرہ ظلمات مثبت ہے یہی مجھ میں کہ ہوں تیرا ثنا خواں ہوتا ہے پلک مارتے میں حال دگرگوں عبرت کدے پندار حیات گزراں کے ملتے ہیں یہاں ڈانڈے فنا اور بقا کے؟ یہ ریکڈر زیت ہے یا جادہ عدم کا؟ چھوڑے نہ کسی کام کا بھی حرص نکاڑ ہے تیرا تصور ہی مرا مونس و یاور قرآن کا شعروں میں کیا ترجمہ میں نے ہوں دم بخود اس اپنی جسارت پہ میں خود بھی جاتی ہے مرے حق میں کوئی بات تو بس یہ رکھتی ہی مگر خوف زدہ پرسش محشر ہے فرد عمل دفتر زلات و معاصی گو مدی پیروی اسوہ ہوں لیکن

وہ اہل طریقت نہ ہوں قبروں کے مجاور
مُسرف ہو نہ مُسک ہو نہ غافل نہ متعجب
ہوش کا مصائب نہ مدلس نہ مہزور
ایسے کہ بنے پیکر تصویر مصور
تو اک یم موانج ہے اک قلم زاخر
تغز جاتے ہیں اس راہ میں لفظوں کے ذخائر
ہو بے سروساماں کا خدا حامی و ناصر
حیران تماشا کہ اسرار و سرائر
کاندھوں پہ جو دونوں مرے بیٹھے ہیں خرد
خوشحال اگر چہ نظر آتا ہوں بظاہر
اکثر تو ہوں برعکس حقائق کے ظواہر
اور اپنے اس اعزاز پہ ہوں ناخر و شاکر
ہے رنگ زمانے کا دمام خنجر
مرقد ہوں فقیروں کے کہ شاہوں کے مقابلہ
گم درطہ حیرت میں ہیں سب وارد و صادر
دیکھو جسے اس راہ میں وہ حائر و بائر
ہے کثرت مال آفت جاں اے متاثر!
جینے کا جو دے حوصلہ مجھ کو متواتر
ہے جذبہ اظہار بھی کیا جاہر و قاہر!
میں جو کسی بھی مدہنر میں نہیں ماہر
مامور بہرطور ہو فرماں بردار
وہ روز مکافات کہ ہے حاشر و ناشر
بجہل ہے ماضی ہی کی صورت مرا حاضر
ناظر نہ نواہی سے نہ غافل نہ ادھر

ہوں بے سروبرگی کے سبب تنگ خلافت
آوازے کیس طرز سخن پر مرے کیا کیا!
سمجھیں یونہی اپنے کو وہ خوش فہم سنداں
ڈھانچے وہ دھواں بن کے تپ شعلہ جاں کو
کیا فائدہ عرض ہنر بے ہنروں میں
کرتے نہیں وہ بات کو اپنی کبھی کھونا
بستی نہیں دینائے ادب بے ادبوں کی
ہو عشق کتابوں سے سخن سنج کو یونہی
کیا نیک لگے گی مری آشفستہ نوائی؟
بے سود ہی جائے گی مری ریزہ سرائی؟
ہے ذہن پر اگندہ خیالوں کی جلوگاہ
کچھ کام نہ آئی مرے زور آوری طبع
مقبول طبائع نہ ہوئی شاعری میری
مجنون سے سمجھینے ۶ موفورِ نعم سے
آہنگ نفس ہے کہ ہے نقارہ رحلت
ہو دم ہمہ دم اے کلس گنبد خضر!!
پرش مری چشم کرم کا متکبرا

مظفر وارثی

قدم قدم پہ خدا کی مدد پہنچتی ہے
یہ آسمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا
کسے زباں ازل جب بھی تذکرہ ان کا
سر اپنا پائے رسالتاب پر رکھ دوں
جلوس مشتقی کا ہو جس طرف سے گذر
کبھی یہاں چلے آتے ہیں بے سزا آقا
درد کا دیا جاتا ہے جب ثواب مجھے
سلام و نعت مظفر یہاں میں پڑھتا ہوں
قبولیت کی حرم سے سند پہنچتی ہے

تمایلت علی شاعر

وہ ذات شہر علم تو ہم طالبان علم
ہم کیا ہیں ایک لفظ، معانی سے بے خبر
سوچا تو ہم ہیں کب سے اساطیر کے اسیر
قرآن ہے اس کے نطق کا اک زندہ معجزہ
اسرار کائنات کا عقدہ کشا وہی
ہم جتوئے حق میں رواں، اس کے سائے سائے
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آسمان علم
ہم کیا سمجھ سکیں گے رموز جہان علم
کب سے ہے اپنے جمل پہ ہم کو گمان علم
اقراء سے تابہ آیت آخر، زبان علم
وہ راز دان وسعت کون و مکان علم
ہم کو اسی کے نقش کف پا، نشان علم
انور سدید

رات کو خواب میں کعبہ کی زیارت کی ہے
اپنے سر کو نہ جھکاؤں گا کسی کے آگے
ادب پر ہے مری قسمت یہ کرم آپ کا ہے
یوں لگا میں سوئے افلاک اڑا جاتا ہوں
در اقدس کو جو چوما تو یہ محسوس ہوا
اپنی آنکھوں سے کبھی دیکھا مدینہ میں نے
صبح کو مسجد نبویؐ میں عبارت کی ہے
میں نے سرکار مدینہ کی اطاعت کی ہے
آپ نے خاک کے ذرے پہ عنایت کی ہے
روضہ پاک کی جب میں نے زیارت کی ہے
کس بلندی پہ مری آپ نے قسمت کی ہے
پھر انھیں آنکھوں سے مکہ کی مساحت کی ہے
اس پہ بے پایاں عنایات ہوئی ہیں نازل
نعت کہنے کی جو انور نے جسارت کی ہے

وقار صدیقی

یہ اعتراف ہے لازم مگر اذنا کی طرح
فضائے گنبد خضرا کلام کرتی ہے
یہ جانتے ہیں محمدؐ کو دیکھنے والے
نبیؐ کا حرف صداقت ہے اب بھی گرم سُر
جوان کے قرب کی خوشبو کا دے گیا احساس
حدیں وہ حفظ مراتب نے کھینچ رکھی ہیں
بہال فن کو ملا نعت مصطفیٰ سے وقار
نبیؐ سے ربط ہمارا ہے جسم و جاں کی طرح
سکوت محو سخن ہے یہاں زبان کی طرح
جمال ذات مکاں میں ہے لامکاں کی طرح
محیط وقت میں اک موج بیکراں کی طرح
وہ لمحہ پھیل گیا عمر جاوداں کی طرح
دلوں میں عشق محمدؐ ہے امتقاں کی طرح
کبھی بیاں تو کبھی مقصد بیاں کی طرح

زادراہ

سرشار صدیقی

حضور

انور مسعود

جب بلائے مرارب

جب ہو دربار مدینہ سے طلب

لب پہ لبیک

زباں پر صلوة

سر میں سوائے جود

دل میں آہنگ درود

قابل رشک نظر آتا ہے

مجھے خود اپنا وجود

ایک شے اور مجھے کچھ نہیں ہے

یہ کشش ہے مرے آبا کالو

یہ کشش

ثانی اشینہ کے خوں کی خوشبو

جس کی نکت مری روح

جس سے اب تک ہے معطر

مرا منی کا لباس

یہ کشش ہے مری بنیاد و اساس

خدمت اقدس میں اذن باریابی چاہیے

میرے دو ہدم بھی میرے ساتھ ہیں

چشم گریاں اور قلب نا صبور

اے فردغ بزم اعصار و ظہور

الاماں یہ فتنہ ہائے افتراق

یہ ہوائے زہر آکین فراق

کتنے فرقوں میں غی ہے آپ کی امت حضور

کوئی اسم ایسا نہیں دنیا میں آقا جس قدر

اتحاد آموز ہے اسم گرامی آپ کا

ہونٹ بھی آپس میں مل جاتے ہیں جس کے وردے

کیوں نہیں آپس میں ملتے نام لیا آپ کے

آپ کے قدموں کو فرش ککشاں بخشا گیا
 خاک طیبہ کو فراز آساں بخشا گیا
 ہم انہی کے سایہ رحمت کے ہیں امیدوار
 جن کو سائے کے لیے ابر رواں بخشا گیا
 ان کے در پر ہر تہی داماں سمجھتا ہے، اسے
 جو بھی ہے ارض و سما کے درمیاں بخشا گیا
 فکر کی کب ہے رسائی، لفظ کی کیا قدرت
 نعت کہنے کے لیے حسن بیاں بخشا گیا
 کیا یہ کم اعجاز ہے محسن درود پاک کا
 ورد جو کرتا رہا وہ بے گماں بخشا گیا

محسن بھوپالی

ریاض مجید

تیری مدحت کے لیے وقف زباں ہو میری ترے ہی واسطے تاثیر بیاں ہو میری
 موسمِ حبِ نبیٰ میں پھلیں غنچے میرے ذکرِ سنِ سن کے ترا، نسلِ جواں ہو میری
 تیری مدحت کے لیے، فخرِ ہمہ موجودات دلِ ہر ذرہ میں اسے کاش زباں ہو میری
 ہے یقینِ حشر میں اٹھوں گا ترے قدموں سے کیا غرض اس سے کہ تدفین کہاں ہو میری
 دہر ہو، قبر ہو، عقیقی ہو، کوئی منزل ہو نعتِ آمادہ یونہی طبعِ رواں ہو میری
 کم سوادوں سے کوں ”حی علی النعت“ ریاض
 حرمِ شاعری میں نعتِ ازاں ہو میری

والی آسی (بھارت)

میت سے تنہا ہے دل میں یوں نعت شہ ابرار لکھیں
سو بار درود پڑھیں ان پر جب نام ان کا اک بار لکھیں

بستی بستی صحرا صحرا تسکین کی خاطر کیوں بھٹکیں!
واللیل پڑھیں والشمس پڑھیں اور زلف و لب و رخسار لکھیں

دکھ دینے والوں کے گھر میں جاروب کشی کرنے والے
کیا لفظ تری توصیف کریں کیا اہل قلم کردار لکھیں

پتھر برسانے والوں کو جو پھول دعاؤں کے بھجیں
ان پاکیزہ ہونٹوں کی ثناء بیگانے لکھیں اغیار لکھیں

جب عرصہ محشر میں میرے اعمال کی پریش ہوتی ہو
اے کاش کہ خط غلامی پر تصدیق مرے سرکار لکھیں

سچائی، عدالت، حلم و حیا اور علم و شجاعت کے قصے
صدیق لکھیں فاروق لکھیں عثمان لکھیں کرارہ لکھیں

کیا جانے ہمیں کیوں اے والی معراج کی شب یاد آتی ہے
جب چاند پہ جانے والوں کے افسانے یہ اخبار لکھیں



واصل عثمانی (سعودی عرب)

جب فزوں حد سے رنج و الم ہو گیا ذکر طیبہ کیا درد کم ہو گیا
 ان کے در کی گدائی جسے مل گئی وہ خدا کی قسم مجرم ہو گیا
 پھر در مصطفیٰ تک رسائی ہوئی ختم میرا ہر اک رنج و غم ہو گیا
 دین و دنیا کی دولت مجھے مل گئی میرا سران کا نقش قدم ہو گیا
 خاک طیبہ نگاہوں کا سرمہ بنی مجھ پہ واللہ ان کا کرم ہو گیا
 ان کی چشم کرم اور مرے حال پر دامن اشکِ ندامت سے غم ہو گیا
 سر کے بل جھکے آتا تھا واصلِ یساں
 کیا تراشوق اور ذوق کم ہو گیا

وسیم بریلوی (بھارت)

میں نے حاضری دینے کا یہ معیار ہو جائے وہی جائے کہ جس کو لوٹا دشوار ہو جائے
 ہنسا پھر رہا ہے دل کناروں کی تمنا میں تمہارے عشق میں ڈوبے تو بیڑا پار ہو جائے
 مارے چاہے جانے کی حدیں تجویز کرتی ہے کہیں ایسا نہ ہو دنیا سے دل ہزار ہو جائے
 مل میں لاکے دکھاؤ پیام سرور عالم کہ یہ سوئی ہوئی انسانیت بیدار ہو جائے
 سے معلوم ہو جائے سبب دنیا میں آنے کا زیارت آپ کے درہ کی جسے اک بار ہو جائے
 مرنے جانے والوں کو میں دیکھوں اور بس ترسوں
 وسیم ایسا نہ ہو جینا مرا بیکار ہو جائے

راجا رشید محمود

آب و بادِ شہرِ آقا تک رسا رخسِ خیال
 لطفِ آقا، فضل و اکرامِ خدا رخسِ خیال
 ایک لمحے میں مجھے پہنچا دیا طیبہ ملک
 رہا ہوا اس درجہ سرعت سے مرا رخسِ خیال
 آ رہا ہے اک سرور و کیف میرے قلب کو
 دے رہا ہے شہرِ سرور کا پتا رخسِ خیال
 طوفِ کعبہ میں رہا معروف پہلے، پھر ہوا
 کوچہ ہائے شہرِ آقا پر نذا رخسِ خیال
 روز اس کے بل پہ کرتا ہوں سعادت کا سفر
 میرا طیبہ تک بنا ہے واسطہ رخسِ خیال
 گھومتا پھرتا ہے طیبہ کے گلی کوچوں میں خوب
 ڈھونڈتا رہتا ہے کوئی نقشِ پا رخسِ خیال
 لے گیا عرشِ خدا تک راہِ طیبہ سے مجھے
 پا گیا فضلِ خدا سے حوصلہ رخسِ خیال
 یہ عیاماتِ محبت، یہ کرم کے سلسلے
 ہے میری آفرِ رسا، یکِ صبا، رخسِ خیال
 دیکھتا ہی رہ گیا ہوں روضہِ اقدس کو میں
 مجھ سے پہلے ہو گیا ہے بجہ سا رخسِ خیال
 یہ ہزاروں مرتبہ طیبہ میں پہنچ بار
 لایا ہزاروں بار مجھ سے بدھ گیا رخسِ خیال
 کہ نہ پھر سوجھا اسے محمود خود رفتہ تھا یہ
 طیبہ ہی کے آنے جانے میں رہا رخسِ خیال

ریاض حسین چودھری

عذاب میں ہے مسلسل جہان جاں آقا
 بڑی ہی تلخ کسی کی ہے داستان آقا
 غبارِ شر ہوس کی گرفت میں ہے ابھی
 نصابِ عشق کی تعبیر کفشاں آقا
 اگی ہوئی ہیں حروفِ عناد کی فصلیں
 کسی بھی ذکر کے قابل نہیں زباں آقا
 نئے شعور کے سورج کے ساتھ صدیوں سے
 بلائے ریگِ قدامت بھی ہے رواں آقا
 فضا میں ایک بھی جگنو نہیں کہاں جاؤں
 تمام منظر شب ہے دھواں دھواں آقا
 میں کب سے زیرِ حراست ہوں زردلموں کے
 ہوائے جبرِ مسلسل ہے پُرفشاں آقا
 رواں ازل سے سفر پر ہے قسطِ حیرت سے
 زمانہ تیری ہی جانب کشاں کشاں آقا
 طے غریب پرندوں کو عافیت کی نوید
 لرز رہا ہے سرشاخِ آشیانہ آقا
 سفرِ طویل ہے اور پیڑ کٹ چکے ہیں تمام
 برہنہ سر مرے بچوں کو سائباں آقا
 شعورِ طوقِ غلامی مرا اٹا ہے
 ہنر کوئی مرے دامن میں ہے کہاں آقا
 وہاں وہاں مری آنکھوں کے ہیں دیوے روشن

جہاں جہاں ترے قدموں کے ہیں نشان آقا
 نفاذِ جبر کے مقتل میں ہے قلم کا شباب
 غریقِ حرفِ ندامت ہے لوحِ جاں آقا
 ہجومِ تشنہ لبوں جاں بلب ہے صحرا میں
 جوارِ گنبدِ خضرا سے چھا گھاں آقا
 خمارِ عشق کا سودا چکانے نکلے ہیں
 مرے بدن کے مجاور سرِ جہاں آقا
 تلاشِ رزق سے پہلے تلاشتا ہے ریاض
 ترے نقوشِ کفِ پاکی کھکشاں آقا

تحسینِ فراقی

زمانے کی جبین پر جب بھی گمراہی کاہل آیا
 فرازِ عرش سے نورِ ہدایت کا کنول آیا
 بھیجی فارس کی آگ اور قصرِ کسریٰ میں خلل آیا
 وہ آیا اور اس محفل میں کیا بر محل آیا
 زمیں پر نوریانِ آسمان پرواز گاتے تھے
 نہ حسنِ اتم آیا، نہ نورِ ازل آیا
 ہزاروں مردہ نصیبیں جی انھیں اعجاز سے اس کے
 نبوت کا سہیل آیا، رسالت کا کنول آیا
 خدائے عزوجل کی شانِ رحمانی ذرا دیکھو
 ہوئی جب انتہائے تیرگی سورج نکل آیا

بڑی مدت سے غرقِ قمر دریائے طغلات تھا
 سفینہ نوعِ انساں کا معاً باہر اچھل آیا
 جہان تشنہ لب صدیوں سے بچ و تاب کھاتا تھا
 اچانک جوش پر اک تہہ بہ تہہ بادل کا دل آیا
 ادھر بے برگ شاخوں کی تھی بانہوں پہ پور آیا
 ادھر چھکی پلک اور ان پہ بے اندازہ پھل آیا
 ادھر ذاتِ خدا کے ایک ہونے کا رجز گونجا
 ادھر یومِ حسابِ لات و عزّی دہل آیا
 زمیں کی ٹاف ٹٹنے کی نہیں اب روزِ محشر تک
 حکیم وقت نسخہ لے کے آیا بر عمل آیا
 زبانیں حشر تک قاصر ہیں اس کے شکر سے تمہیں
 کہ ہم پر رحمتِ داریں کا سورج نکل آیا

نقوی احمد پوری

اے	سید	والا	کرم	آقا	کرم
غم	کی	سُلّتی	دھوپ	میں	کرم
میں	ہوں	کہ	سر تپا	خطا	کرم
تو	رحمۃ	للعلیں			کرم
وہ	ذره	ریشک	مہر	تھا	کرم
سینے	منور	کر	دیئے		کرم
تو	نے	کیا	حق	آشنا	کرم
علمت	سحر	میں	دھل	مہنی	کرم
طاغوت	ہے	خنجر	بکھ		کرم
جلتے	ہیں	کمر	کٹتے	ہیں	کرم
فریاد	رس	فریاد	سن		کرم
نقوی	کو	بھی	خیرات	دے	کرم

عرض حالات بحضور سرور کائنات ﷺ

پروفیسر عرفان بجنوری (بھارت)

امت ہے بت آج گریبان دریدہ
 اس سمت بھی اک جنبش ابروئے خیدہ
 اس سمت بھی کچھ جود کرم پیکر رحمت
 اس سمت بھی کچھ میوہ شاداب درسیدہ
 ہم پر بھی کوئی بارش انوار خدا را
 ہم کو بھی کوئی نکت گلہائے دمیدہ
 اے فائز معراج رفعتالک ذکرک
 اے وہ کہ ترا خل نہ دیدہ نہ شیدہ
 تو وہ کہ ترے اسم مبارک سے اجالا
 اور ہم کہ سراپد و حیران و پریدہ
 ہر لوح و قلم کا ہے فقط تو ہی مخاطب
 منسوب بھی سے ہے غزل ہو کہ قصیدہ
 امت کی یہ فریاد کہ اے عرش کے مالک
 ہے عرض کہ اے مرہم شہنائے نلیدہ
 ہر بخش و سکوں سایہ امواج گریزاں
 ہر امن و اماں صورت آہوئے رمیدہ
 مجرد زسرتا بقدم ارض فطیس
 پوسینیا غلطاں صفت اشک پکیدہ
 خونریزی بے وجہ سے افغان سرمرگ
 بغداد پر دشمن کی کانیں ہیں کشیدہ

مغرب میں عتال کیر ہالوں سے ملیں
 مشرق میں ندا یان حرم مار گزیدہ
 لگتا ہے سراپائے لہو خاور ثانی
 تنہا لڑے جاتا ہے شہیدوں کا جریہ
 اسلاف مزین تھے بھد انفر شای
 اخلاف مگر جام حکومت نہ چشیدہ
 کل جن سے الٹ جاتے تھے تاریخ کے اوراق
 خاموش ہیں کیوں اب وہ مہائے وزیدہ
 سرسبز دوبارہ ہو فقط تیری نظر سے
 یہ نفل بہاراں ہے کہ اک شاخ بریدہ
 ہم گرچہ سزا وار کرم تو نہیں لیکن
 امید بداریم ز اخلاق حمیدہ
 ہم یعنی کے میخانہ عرفاں کے رجز خواں
 باسافر شکستہ دیاجام کبیدہ
 ہریک رسن طمع زمانہ را کستم
 دربار کہ جو دو سخامت ہشتم

انجم نیازی

افکار ہاتھ لوگوں میں دعائیں بانٹ دیتا ہے وہ سورن کی طرح اپنی شعائیں بانٹ دیتا ہے
 اتر جاتی ہے جب لفظوں کے سر سے نور کی چادر وہ خوشبو سے دھلی ان میں روحائیں بانٹ دیتا ہے
 کسی ہستی کے اندر جب اندھیرے سر اٹھاتے ہیں وہ اس ہستی میں کتنی ہی نیائیں بانٹ دیتا ہے
 بچا کر شام تک کچھ بھی نہیں رکھتا خزانوں میں وہ دونوں ہاتھ سے اپنی عطائیں بانٹ دیتا ہے
 زیادہ فخر رکھتا نہیں صحرا نشینوں کو وہ لعلی اور جاں پرور ہوائیں بانٹ دیتا ہے
 زمیں کے بایں میں عرش سے اتری ہوئی انجم
 کلمے دل سے وہ بنت کی نقائیں بانٹ دیتا ہے

عبدالنعیم عزیری (بھارت)

نور والشمس لاتی ہے سنہری جالی بوئے واللیل سٹھاتی ہے سنہری جالی
 شمع امید جلاتی ہے سنہری جالی سوئی تقدیر جگاتی ہے سنہری جالی
 کتنا رنگین ہے دلکش ہے تصور اس کا دل کو فردوس بناتی ہے سنہری جالی
 ان کے پیاسوں کے لیے باب کرم کھولتی ہے دید کا جام پلاتی ہے سنہری جالی
 کتنی خوش بخت ہے قدموں میں کھڑی ہے ان کے عید ہر لمحہ مناتی ہے سنہری جالی
 در سرکار سے ہائے وہ جدائی کی گھڑی خون کے اشک رلاتی ہے سنہری جالی
 ایک بوے کے لیے آہ ترپتا ہے نعیم
 دیکھو کب پیاس بجھاتی ہے سنہری جالی

اعجاز رحمانی

اور	دل	یہ	کیا	لکھئے	نام	مصطفیٰ	لکھئے
ادج				لکھئے	عرش	زیر پا	لکھئے
ذکر	سرور	دیں	کو	لکھئے	روح	کی غذا	لکھئے
فہم	سے	جو	بالا	ہو	اس	کی شان	کیا
عظمت		مدینہ	کو	لکھئے	خلد	سے	سوا
آنسوؤں	سے	طیبہ	میں	لکھئے	دل	کا	مدعا
بدر	اور	طائف	کو	لکھئے	عرصہ	دعا	لکھئے
ان	کی	یاد	کے	مدتے	قلب	کو	حرا
	بعد	حمد	رب	اعجاز			
	نعت	مصطفیٰ	لکھئے				

امیر الاسلام ہاشمی

کوئی حد ہو تو بتلائیں کہاں سے اور کہاں تک ہے
 جہاں تک بھی جہاں ہیں ان کی سلطانی وہاں تک ہے
 قر دو نیم ہو جاتا ہے ان کے اک اشارے سے
 وہ شاہِ دو جہاں ہیں حکمرانی لامکاں تک ہے
 بتا سکتے نہیں یہ حضرت جبریل بھی ہم کو
 نیاز و ناز کی آئینہ سامانی کہاں تک ہے
 دعائے خیر کر کے آپ نے سمجھا دیا سب کو
 سلوکِ ناروا پر خندہ پیشانی کہاں تک ہے
 گماں کو آپ نے آ کر یقین بے گماں بنایا
 یقین کی آخری حد بھی یقین بے گماں تک ہے
 جو قرآن کو سمجھنا ہے سمجھ لو وہ ہی قرآن ہیں
 ہماری سوچ کا مرکز حدیث دیگران تک ہے
 کبھی تھا ذکر اپنا قید و کسرئی کے ایوان میں
 اب اپنی داستان تو صرف زیب داستان تک ہو

احسن زیدی

یہ گنبد خضرا ہے، اسے جاں میں سولے دل کھول کے اے دیدہ پُر غم میاں رولے
 سب کچھ ہے اسی کا یہ ہوائیں، یہ فضا میں کھولے مدح شہِ والا میں کوئی ہونٹ تو کھولے
 طیبہ کی گھٹا ٹوٹ کے برے مرے مولا جب تک یہ زمیں روح کی سیراب نہ ہو لے
 وارفتگی شوق کی اک اپنی ادا ہے کانٹے رو محبوب کے پلکوں میں پرو لے
 شاید تری قسمت میں حضوری کی گھڑی ہو اے دیدہ بے دار ذرا دیر کو سولے
 یہ اشکِ ندامت بھی بڑی چیز ہیں احسن
 دربارِ رسالت میں زباں بولے نہ بولے

حاصل مراد آبادی

چراغ راہ ملا رہنا اصول ملے
دم ظہور فلک سے وہ رمتیں برسیں
کلام پاک اٹل ہے امر ہے صادق ہے
غم رسول کی رفعت کسی کو کیا معلوم
نشاط روح بھی ہے اور سکون بھی ان کا خیال
میں رشک غاذہ سمجھ کر ملوں اسے رخ پر
شعور حق تھا نہ عرفان ذات اے حاصل
یہ مرتبے تو ہمیں باعث رسول ملے
خدا کو پالیا بندوں نے جب رسول ملے
خزاں رسیدہ چمن کو کھلتے پھول ملے
کسی کتاب میں ہم کو نہ یہ اصول ملے
میں چاہتا ہوں مری چاہتوں کو طول ملے
مرے نبی کا پرستار کیوں ملوں ملے
کہیں جو آپ کے قدموں کی مجھ کو دھول ملے
یہ مرتبے تو ہمیں باعث رسول ملے

شفیق الدین شارق

واللہ کے مقصود مشیت ہیں محمدؐ
اک مصحف الہام کی صورت ہیں محمدؐ
دنیا میں محبت ہی محبت ہیں محمدؐ
بندوں کے لیے لائے ہیں قرآن کا تحفہ
اب کوئی نہیں کوئی نہیں کوئی نہیں ہے
کس مرحلہ زیت کو آساں نہ بنایا
سرچشمہ توحید سے نکلا ہوا دریا
باطل کے پرستار بھی جھٹلائیں کہاں تک
پیشانی دوراں پہ چمکتا ہی رہے گا
وہ کل بھی جہاں کے لیے مبعوث ہوئے تھے
شارق ہو کوئی سست بھی افلاک کے نیچے
بروئے زمیں سایہ رحمت ہیں محمدؐ

اشتیاق طالب

رحمت دو جہاں آپ سا کون ہے فخر کون و مکاں آپ سا کون ہے
 جن کی آمد پہ رقصاں ہوئی کھکشاں اے زمیں آسمان آپ سا کون ہے
 بے نواؤں کو بخش نوا آپ نے حامی بیکساں آپ سا کون ہے
 آپ نبیوں رسولوں کے سرخیل ہیں رہبر کارواں آپ سا کون ہے
 کون ہے آپ جیسا کریم و رحیم مشفق و مہرباں آپ سا کون ہے
 کس نے ظلمت کدوں کو منور کیا صبح نو کی ازاں آپ سا کون ہے
 اپنے دامن میں مجھ سے گنہگار کو دینے والا اماں آپ سا کون ہے
 ایک طالب ہی کیا آپ کی شان میں
 سب ہی ہیں مدح خواں آپ سا کون ہے

اقبال حیدر

ازل ابد آشنا محمدؐ تجلیؐ کبریا محمدؐ
 وہ جس سے کون و مکاں ہیں روشن وہ جلوۂ حق نما محمدؐ
 تمام تاریک دور کے بت لرز لرز کر گرے نہیں پر
 اندھیری شب میں کچھ ایسے چکا وہ آفتاب ہدیٰ محمدؐ
 یہ دنیا بھر میں جو دلکشی ہے جو نغمیؐ ہے جو روشنی ہے
 ہر ایک لب پر صدا یہی ہے جمال ارض و سما محمدؐ
 بہت دنوں سے کشاکش زندگی کے ہاتھوں نجل تھے لیکن
 سکون سا دل کویل گیا ہے کہا جو صلّ اللہ محمدؐ
 اگر نہ منزل کی سمت جائیں تو یہ ہماری ہے بد نصیبی
 بہت ہی سیدھا بہت ہی سچا دکھا گئے راستہ محمدؐ

غالب عرفان

ہم روح کائنات کی جانب سفر کریں
 میرت کے ہر ورق پر جو فکر و نظر کریں
 منکس ہو گی اسوہ منہ کی روشنی
 ہر شیشہ حیات کو مقل اگر کریں
 نقش قدم پہ آپ کے تہذیب ہو رواں
 تاریخ کے شعور کو مگر معتبر کریں
 آواز انکی تفسیر سماعت میں پہنچ کر
 سوزدروں سے اپنی نوا با اثر کریں
 دیکھیں کہ کیا سلوک تھا خلقت سے آپ کا
 سوچیں کہ کس طرح سے ہر اک دل میں گھر کریں
 دیکھیں تمام جہتیں مقدس حیات کی
 سوچیں کہ اپنی زندگی کیسے بسر کریں
 عرفان نور احمد مرسل کو اوڑھ کر
 بے چہرگی کے سامنے سینہ سپر کریں

نعت رحمت اللعالمین

احمد صغیر مدنی

وہ کہ خوشبو کا گولا تھا
ہواؤں کے پروں پر رقصاں
ایسی خوشبو کہ جو پہلے کبھی پھیلی بھی نہ تھی
وہ کہ اک سیل صدا تھا سر محرائے بیٹ
رات کے بچ ابھرتے ہوئے سورج کی طرح
اس کا وجود

اور یہ خوشبو نکھرتی رہی قریہ قریہ
اور افق تابہ افق
سیل صدا، موج مباہن کے بڑھا
اس کے ہونٹوں سے کھلے لفظ
شعاعوں جیسے
جاگتی بولتی زندہ سوچیں
ذہن انساں میں اٹھانے لگیں طوفان نئے
ایسے طوفان
کہ بت سارے زمیں بوس ہوئے

اسی سورج
اسی خوشبو
اسی آواز کا دامن تھا
روشنی دشت و دامن میں اتری
روح احساس کے تن میں اتری
آنکھ رنگوں کے بدن میں اتری
شوق ہنگام و فائیک پہنچا
آدی اپنے خدا تک پہنچا

میلاد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پانچ حرف کی فضیلت

رشید وارثی

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان اللہ وتر یحب الوتر یعنی اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)۔ ۱۹۹۰ء میں ”جلد حضرت حسان ایوارڈ ۸۹-۱۹۸۸ء“ میں مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی سندس در فضیلت چار حرف اسم احمد پڑھی تو محولہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں یہ خیال ارادہ میں ڈھل گیا کہ اسماء النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے سے کسی طاق عدد کی فضیلت کو لقم کیا جائے۔ حسن اتفاق سے یہ ربیع الاول ۱۴۱۲ء کا مہینہ تھا۔ لہذا ”میلاد مصطفیٰ“ کے پانچ حرف کی فضیلت کو عنوان بنا کر درج ذیل لقم کی گئی ہے قارئین کرام کی خدمت میں یہ صراحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ فن بدیع میں الفاظ کے حرف شمار کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک بہ اعتبار ظاہر یعنی مکتوبی اور دوسرا بہ اعتبار حقیقی یعنی ملفوظی۔ علمائے نحو، حق تعالیٰ جلّ سبحانہ کے اسم ذات ”اللہ“ اور محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی نام ”محمد“ کے مکتوبی حرف چار اور ملفوظی حرف پانچ شمار کرتے ہیں۔ البتہ یہ لقم عرف عام کے مطابق مکتوبی حروف کی بنیاد پر ہی کی گئی ہے۔ (رشید وارثی)

کس ناز آفریں کا جہاں میں درود ہے عرش بریں سے بارشِ عطر درود ہے
دنیا میں عام رحمت رب درود ہے ہر چیز کائنات کی محو سجود ہے
آمد ہے آج سرورِ خیر الانام کی
خوشبو مہک رہی ہے درود و سلام کی
میلاد مصطفیٰ کی بشارت کے پانچ حرف مخلوق پہ خدا کی عنایت کے پانچ حرف
بلکے پڑے نظر میں قیامت کے پانچ حرف ابھرے دلوں میں لفظ شفاعت کے پانچ حرف
صلی علی ہے آمد سلطان دو سرا
لازم ہے بزمِ نعت میں پڑھنا درود کا

ہیں مصطفیٰؐ میں اور رسالت میں پانچ حرف اور مرتضیٰؑ میں پانچ نیابت میں پانچ حرف
ہیں فاطمہؑ میں اور طہارت میں پانچ حرف حسینؑ میں ہیں پانچ سیادت میں پانچ حرف
یہ پانچ نام کیسے جمع الصفات ہیں
عز و شرف میں حاصل کل کائنات میں

بوکر میں ہیں پانچ صداقت میں حرف پانچ فاروقؓ میں ہیں پانچ عدالت میں حرف پانچ
عثمانؓ میں ہیں پانچ سخاوت میں حرف پانچ ہیں مرتضیٰؑ میں پانچ شجاعت میں حرف پانچ
اصحابؓ میں ہیں پانچ خلافت میں پانچ حرف
آل نبیؐ میں پانچ امامت میں پانچ حرف

امّ نبیؐ کے پانچ مہینہ کے حرف پانچ اور سعدیہ کے والی علیہؑ کے حرف پانچ
ہیں عائشہؑ کے پانچ خدیجہؑ کے حرف پانچ اور فاطمہؑ کے پانچ سیکڑہ کے حرف پانچ
حوروں کے حرف پانچ تو غلام کے پانچ حرف
فردوس کے ہیں پانچ تو رضواں کے پانچ حرف

اجداد مصطفیٰؐ میں نجات میں پانچ حرف آل عباسؑ میں اور فضیلت میں پانچ حرف
ازواج میں ہیں پانچ رفاقت میں پانچ حرف اولاد مجتبیٰؑ میں ولایت میں پانچ حرف
اسلام میں ہیں پانچ شریعت میں پانچ ہیں
حرف اولیاء میں اور طریقت میں پانچ ہیں

اسلام کے ہیں پانچ تو کردار کے ہیں پانچ اخلاق کے ہیں پانچ تو کوار کے ہیں پانچ
ہیں قافلہ کے پانچ تو سالار کے ہیں پانچ کل انبیاء کے پانچ تو سرکار کے ہیں پانچ
جبرئیلؑ میں ہیں پانچ صحائف میں پانچ حرف

اوراد میں ہیں پانچ وظائف میں پانچ حرف
ہیں کیا کے پانچ عناصر کے پانچ حرف سرکار کے ہیں پانچ معاصر کے پانچ حرف
انصار کے ہیں پانچ مساجر کے پانچ حرف ہیں راہ حق میں سارے مظاہر کے پانچ حرف
سبطین و نیرن و امامت میں حرف پانچ

تینوں عدد میں پانچ ہیں قرات میں حرف پانچ
سب طاعتوں میں بہتر و برتر نماز ہے گلزار عبدیت کا کل تر نماز ہے
مہراج مومنوں کی سراسر نماز ہے اور دین کا ستون مقرر نماز ہے

مومن پہ صرف پانچ نمازیں ہی فرض ہیں
 بندہ پہ تاحیات جو خالق کا قرض ہیں
 کل پانچ ہی حواس وسیلہ ہیں علم کا
 تشریق کے ہیں پانچ ہی دن ماجرا ہے کیا
 وحدت، صلوة و صوم زکوٰۃ اور ادائے حج
 اسلام کے ہیں پانچ ہی ارکان اور پنج
 ایمان کے ہیں پانچ تو ایقان کے حرف پانچ
 الطاف کے ہیں پانچ تو احسان کے حرف پانچ
 عرفان کے حرف پانچ ہیں اور پانچ ہی عدد
 اور پانچ پانچ حرف ہیں یا غوث الدد
 اکرام کے ہیں پانچ تو حکم کے ہیں پانچ تقدیس کے ہیں پانچ تو تقسیم کے ہیں پانچ
 مختار کے ہیں پانچ تو اقلیم کے ہیں پانچ خیرات کے ہیں پانچ تو تقسیم کے ہیں پانچ
 ملکا کے حرف پانچ ہیں اور وارث کے پانچ
 حب نبیؐ کے پانچ ہیں اور زندگی کے پانچ
 بزم رسول پاک الہی بھی رہے ہر دل میں مصطفیٰؐ کی محبت بسی رہے
 صلّ علیٰ کی دھوم جہاں میں مچی رہے نعت نبیؐ سے یونہی فضا گونجتی رہے
 گھر گھر نبیؐ کا جشن ولادت ہوتا ابد
 ان کے ہر امتی کی غلامی ہو مستند

ممتاز محقق اور ادیب نور احمد میرٹھی کا مرتب کردہ

بہر زمان بہر زبان

(غیر مسلم نعت گو شعراء و شاعرات کا ضخیم عالمی تذکرہ)

جلد شائع ہو رہا ہے

اس تذکرے میں سو سے زائد غیر مسلم نعت گو شعراء کی مختلف زبانوں میں کسی مٹی لیتیں اور شعراء کے حالات زندگی نمائت جامع اور مستند انداز میں شائع کئے جا رہے ہیں

ناشر۔ ادارہ مکرمہ نو ۳۵۔ بی۔ ۸/۷۸ کورنگی کراچی۔ ۷۴۹۰۰

قمر زیدی

قلم چراغِ سیاهی کو نور ہو جانا
 کمال ہے کہ ادھر نعت کا خیال آئے
 یہ معجزہ تری رحمت کا تیرے نام کا ہے
 اسے مال نہ سمجھوں تو اور کیا سمجھوں
 یہی تو ایک نشانی ہے پیار کی آقا
 تجھے امین پیام وفا بنایا ہے
 یقین ہے کہ خدا کو پسند آئے گا
 قمر کے واسطے اوج کمال ہے زیدی
 غبارِ راہ دیار حضور ہو جانا
 مقامِ مصطفوی کا شعور ہو جانا
 ادھر زباں کا زباں پر میور ہو جانا
 درود پڑھتے ہی ہر غم کا دور ہو جانا
 ملال و کرب بدل کر سرور ہو جانا
 نگاہ شوق میں غم کا دفور ہو جانا
 مہا ادھر سے بھی امشب ضرور ہو جانا
 بشر کو تیری عطا پر غرور ہو جانا

قمر دارنی

چراغِ ذکر و فکر مصطفیٰ سے کیا نہیں روشن
 عجب دیکھی فضا وابستہ یادِ نبی ہو کر
 دہستے ماورائے چشمِ حیرت ہیں جو ہوتے ہیں
 پہنچتا تھا خیالِ جنبش لب ہائے آقا تک
 سز کرتی ہے کیا کیا روحِ پیرائی کی آنکھوں تک
 مہینے سے عجب ہوتا ہے عالم آنے والوں کا
 اجالے رقص کرتے ہیں قمر فانوسِ رحمت کے
 دیئے نعتِ نبی کے جب بھی ہوتے ہیں کہیں روشن
 زباں روشن بیاں روشن مکاں روشن کہیں روشن
 نگاہ بھی دل میں ہوتا ہے یہ اندازِ یقین روشن
 فیضِ اتباعِ رحمت للعالَمین روشن
 سماعت میں ہوئیں آیاتِ قرآن میں روشن
 کہ جب پیشِ نظر ہوتی ہے طیبہ کی زمیں روشن
 زباں خاموش آنکھیں نم بدنِ خوشبو جیں روشن

جب یورشِ الم سے پریشان ہو گیا ذکرِ نبیؐ سکون کا سامان ہو گیا
جو تیرے روئے پاک پر قربان ہو گیا خلدِ بریں کا خیر سے مسمان ہو گیا
قربتِ ملی حضورؐ کی پہنچا خدا کے پاس خود جس کو اپنی ذات کا عرفان ہو گیا
کام آئی روزِ حشرِ محبت حضورؐ کی پیدا مری نجات کا سامان ہو گیا
پھرتا ہوں دل میں دردِ جہاں کا لئے ہوئے فیضِ رسولؐ پاک سے انسان ہو گیا
کیا شان ہے کہ ان کے غلاموں کا ہر غلام سلطان ہونا چاہیے سلطان ہو گیا
الہام ان کے قلب کی جنبش کا نام ہے جو لفظِ منہ سے نکلا وہ قرآن ہو گیا
جاتی کیا ہے دردِ زباں جب سے ان کا نام ہر کام میرے واسطے آسان ہو گیا
سید معراج جانی

عرشِ ہاشمی

پھر آج لب پہ جو مدحت حضورؐ آپ کی ہے کرمِ خدا کا، عنایت حضورؐ آپ کی ہے
یہ میری زیت کا حاصل ہے میرے دین کی روح جو میرے قلب میں الفت حضورؐ آپ کی ہے
حضورؐ آپ پہ ہے آشکارِ حال اس کا کرم، کرم کہ یہ امت حضورؐ آپ کی ہے
اطاعت آپ کی ہر لحظہ فرض ہے گویا یہ زندگی بھی امانت حضورؐ آپ کی ہے
گنہ زیادہ ہیں دامن میں نیکیاں کم ہیں مگر یہ کم ہے؟ کہ نسبت حضورؐ آپ کی ہے
ما تک آتے ہیں مہج و مسلائی کو وہ شان و عظمت و رفعت حضورؐ آپ کی ہے
جو ایک بندے کو محبوب اپنے رب کا بنائے خدا گواہ وہ طاعت حضورؐ آپ کی ہے
حضورؐ عرش کو بھی حاضری کا اذن ملے
کہ اس کے دل میں بھی چاہت حضورؐ آپ کی ہے

نعتیہ سانیٹ

منصور ملکانی

آپؐ آئے تو ہوا عمد خزاں عمد ہمار
 آپؐ ہیں خلق مجسم آپؐ سب پر مہراں
 آپؐ کی نسبت سے ہی روشن ہے میرا شر جاں
 آپؐ جیسا ہو نہیں سکا کوئی بھی شر یار

آپؐ ختم المرسلین ہیں آپؐ ہیں نور ازل
 تابد روشن رہے گی آپؐ ہی سے ہر نظر
 آپؐ ہیں قرآن مطلق عامل خیر العمل
 ہو بشر کیونکر نہ نازاں آپؐ ہیں خیر البشر

آپؐ ہی شرے فصیح جن پہ نازاں ہے کلام
 آپؐ سا صادق امیں کوئی نہیں ہے بالیقین
 آپؐ سا جواد ہو کوئی کبھی ممکن نہیں
 آپؐ ہی خیر الوریٰ ہیں آپؐ ہی خیر الانام

نور سے لکھی ہیں رب نے آپؐ کی ساری صفات
 آپؐ آئے تو جہاں سے چھٹ گئی صدیوں کی رات

کبھی جب سفر کو نکلتی ہیں آنکھیں
 مدینے کی جانب ہی چلتی ہیں آنکھیں!
 عجب دھوپ ہے دوریوں کی کہ جس میں
 غلاموں کی ہر دم کھلتی ہیں آنکھیں
 جو ہیں جالیاں روضہ مصطفیٰ کی!
 انہیں چونے کو پھلتی ہیں آنکھیں
 جنہیں ہر گھڑی دید کی آرزو ہو
 سنبالے سے کب وہ سنبھلتی ہیں آنکھیں
 تعلق سے ان کے یہ دل پر سکوں ہے
 تصور سے ان کے بہتی ہیں آنکھیں
 نکل جائیں طیبہ کی جانب جو اک بار!
 کہاں اپنا رستہ بدلتی ہیں آنکھیں
 نظر آئے روضہ محمدؐ کا جب جب
 فصیح اشک موتی اگلتی ہیں آنکھیں
 شاہین فصیح ربانی

جو طمع سید مختار کو منظور ہو جائے
 وہی قانون حق ٹھہرے وہی دستور ہو جائے
 جو زرہ چشم احمد کی توجہ سے مشرف ہو
 وہ سر و ماہ سے بڑھ جائے رشک طور ہو جائے
 اگر عکس کف پائے محمدؐ نقش ہو دل پر
 بشر کا پیکر خاکی منار نور ہو جائے
 وہ ایسے میں "جیہی یا نبیؐ" کہہ کر ذرا دیکھے
 کوئی اندر سے جب نوٹے غموں سے چور ہو جائے
 نشان منزل مقصود بھی وہ پا نہیں سکا
 محمدؐ مصطفیٰؐ کے در سے جو بھی دور ہو جائے
 اگر عشق محمدؐ راہبر ہو دین و دنیا میں
 رکاوٹ ہر طرح کی دور غم کافور ہو جائے

افضال احمد انور

عزیز الدینؒ

خوشبا نصیب کہ دل میں کیوں ہے یادِ حضورؐ وہ دل ہی کیا ہے کہ جس میں نہیں ہے یادِ حضورؐ
 خزاں رسیدہ گلستانِ زندگی کے لیے بہارِ گلشنِ خلدِ بریں ہے یادِ حضورؐ
 انہی کے نور سے روشن ہیں میرے شام و سحر سکون و فرحتِ قلبِ حزیں ہے یادِ حضورؐ
 اسی سے مطلعِ انوار بن گیا ہے دل جمالِ عیش و قمر سے حسیں ہے یادِ حضورؐ
 رہے بھی پرش محشر کا خوف کیوں دل میں شفیعِ حشر پئے نہ نہیں ہے یادِ حضورؐ
 یہی کرامتِ عشقِ نبیؐ ہے ابے خاکی
 دل و نگاہ میں اب جاگزیں ہے یادِ حضورؐ

نعتیہ کجریاں:- ظافر علی خاں تشنہ

(کجری:- میت کی ایک قسم جو عموماً ہولی میں گاتے ہیں)

وجہ کائنات

آپ کی چاہت میں تو پیدا ہوئی کونین آپ کی باتیں ہی پھیلی ہیں طرفین
آپ کے ہی نعلین عرش نے چوے ہیں

گنبد خضرا

اس گنبد کی بات کیا جس کا سبز ہے رنگ قدس میں یہ آفاق بھی ہے جس کے پاسنگ
جب ہو جگ سے تنگ اس کی جانب دیکھ لے

واقعہ طائف

دونوں جہانوں کو دیں رونق جس کے پاؤں جس کی کھلی میں ہے کون و مکاں کی چھاؤں
طائف کے گاؤں میں وہ زخموں سے تھا چور

معراج

رات انوکھی تھی کہ سوتا رہا سنار جم ہی گئی ہر چیز بند ہوئے سب کار
دنیا کے اس پار اترتا رہا براق

رئیس احمد رئیس

جمال احمد مرسل ہے باکمال بہت
 جسے خدا نے بنایا ہے بے مثال بہت
 خوشا نصیب کہ لب پر ہے نام پاک ان کا
 گناہگاروں کا رکھتے ہیں جو خیال بہت
 نظر نواز ہوں جلوے حرم نبوی کے
 گذر گئے ہیں یہاں یوں ہی ماہِ سال بہت
 وہ جن کو سوچ کر آسودگی نصیب ہوئی
 انہی کے ذکر سے روشن ہیں خط و خال بہت
 حضور! آپ ہی لطف و کرم سے لاج رکھیں
 حضور! آپ کی امت ہے خستہ حال بہت
 بس اک نگاہ کرم ازمنہ حسین و حسن
 کیا ہے گردشِ دوراں نے پائمال بہت
 اسی لیے مجھے دنیا رئیس کہتی ہے۔!
 میں ان کے ذکر کے زر سے ہوں مالا مال بہت

صبحِ رحمان

مکان ہے نور سے معمور لا مکان روشن چراغِ ذکرِ نبی ہے کہاں کہاں روش
 یقیناً 'عدل' 'دقا' 'علم' 'مہر' سچائی کیے نبی نے چراغوں کے کارواں روش
 اُسی نے تلخ نوائی کی تیرگی میں کیا زمینِ دل پہ محبت کا آسماں روش
 تمام رات مری فکرِ نعت میں گذری تمام رات رہا ہے مرا مکان روش
 صبحِ ارضِ وطن پر ہو نور کی بارش
 صدائے نعت سے ہوں ساری بستیوں روش

نعتیہ ہائیکو

بیکل اتساہی (بھارت)

اقرء کی تصویر	بولے بڑی کتاب
غار حرا کی مٹی چمکی	کائنات کو نور بانٹنا
دنیا کی تقدیر	طیبہ کا مستاب

جینے کا احساس	قرآن کی آیات
روئے تنہا جگمگ جگمگ	دل سے پڑھے تو لگتی ہیں
ذکر نبی کی آس	پیارے نبی کی نعت

تقلید حسان۔
عشق نبیؐ کی دولت دیدے
چمک اٹھے ایمان

محسن بھوپالی

مولا کا احسان	ہر ذرہ تارہ
آئی قرآن سے پہلے	کا کہناں سے بڑھ کر ہے
تفسیر قرآن	طیبہ کا رستہ

شاہد ہیں جذبات	سو کی سید می بات
چودہ صدیوں پر حاوی	بندے اور خالق کے بیچ
طیبہ کی اک رات	ہے اک ان کی ذات

اقبال حیدر

صل علی ان پر
ہینا مرنا سکھایا
صل علی ان پر

خوف نہ کوئی غم
در نمی پہ عقیدت سے
آنکھیں ہیں پر غم

سنور گیا جیون
روضہ اقدس کے مددے
بھیک گیا دامن

عزیز احسن

دشمن جاں پہنچا
آقا کے دربار میں تو
پھول بنا مہکا

طیبہ کا موسم
جب جب مجھ کو یاد آئے
ہوتی ہے رم جہم

سعدی کے مددے
آقا میرے شعروں کی
خوشبو بھی مٹکے

سہیل غازی پوری

ملین و طہ
ذات احمد ہے لوگو
رب کا آئینہ

اُمی ہو کر بھی
منہج ہیں علم و فن کے
شانِ قدرت ہے

یہ بھی ہے عظمت
سارے عالم پر پھیلا
دامانِ رحمت

محبوبِ داور
اک لمحے میں پہنچے ہیں
عرشِ اعظم پر

رونق حیات

وہ سب کے سرور
ان کے در پر شاہوں کے
جھک جاتے ہیں سر

پھیلی ہریالی
آنحضرت کے کاندھوں پر
کلی ہے کالی

طیبہ کی راتیں
ذکرِ احمد کرتے ہیں
پڑھتے ہیں نعتیں

نکمت کی بارش
طیبہ میں تو ہوتی ہے
رحمت کی بارش

معراج حسن عامر

رحمت ہے ہر بل
دل میں ان کی چاہت کی
روشن ہے مشعل

زخمی ہو کر بھی
ان کے ہر اک موسم نے
خوشبو ہی لکھی

اللہ کے مہمان
جن کی مدحت میں اتریں
آیاتِ قرآن

طیبہ کی یہ خاک
میرے جسم پہ جیسے ہے
پھولوں کی پوشاک

آفتاب مضطر

خاص پیہر آپؐ
شافعِ محشر کوئی نہیں
شافعِ محشر آپؐ

باعثِ رحمت ہے
آپ کا نام نامی ہی
وجہِ شفاعت ہے

حسنِ مکمل ہے
حسنِ محمد صلی اللہ
کامل و اکمل ہے

خطوط

ڈاکٹر جمیل جالبی.... کراچی

آپ نے جس سلیقے اور عمدگی سے نعت رنگ مرتب و شائع کیا ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ معیار اور حسن طباعت کے اعتبار سے بھی ایسا کوئی دو سرا رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ آپ نے نعت گو شعراء کے انداز نظر کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا ہے وہ بھی یقیناً قابل تعریف ہے۔ شرک ہر صورت میں روح اسلام کے منافی ہے۔ رسالے کے معیار اور طباعت کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ کا رسالہ نہ صرف کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔ بلکہ بہت مقبول بھی ہوگا۔ جادو رحمت کی شاعری بھی دل پذیر اور پراثر ہے۔ آپ کے اندر شعر گوئی کی بہت اچھی صلاحیت ہے۔ امید ہے آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو۔ بھارت

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی وساطت سے نعت رنگ کے دو خصوصی شمارے اور جادو رحمت کا ایک نسخہ موصول ہوا ممنون ہوں

رات ہی سرسری طور پر تینوں کتابیں دیکھ گیا۔ صرف نعت گوئی کے موضوع پر اتنے ضخیم نمبر نکالنا اور مفید اور قیمتی مضامین شائع کرنا آسان کام نہیں۔ آپ نے بڑی ہمت کی ہے۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے۔

جلاؤ رحمت کے اشعار پسند آئے اور کچھ تو ایسے شعر پڑھنے کو ملے جو بہت دنوں تک یاد رہیں گے۔ اللہ یہ سلسلہ شوق دراز کرے امید ہے آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق.... بھارت

آپ کا ارسال کردہ علمی و تحقیقی کتابی سلسلہ نمبراً "نعت رنگ" وصول ہوا آپ حضرات کے خلوص کا احسان مند ہوں جسے محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتا ہوں۔ جو علمی و ادبی ماحول میں نے پاکستان میں پایا اس سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ جی تو چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے طور پر آپ حضرات کی خدمت میں حاضری دوں مگر غالب کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے اور اپنے حال پر اس کے مفہوم کو قیاس کر کے سفر کی ہمت نہیں کر سکتا۔

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ بریلی بھارت

کرن کرن نیک تمنائیں، بھرن بھرن پاک دعائیں! کچھ نہ کہنے اور نہ لکھنے کے باوجود بھی آپ نے نعت رنگ کے دو شماروں کی شکل میں ماہ مبارک اور عید سعید کی برکتوں اور مسرتوں کی پر خلوص مبارک باد اور حسین تحفہ عطا کیا۔ شکریہ بہت بہت شکریہ!

عید الفطر سے چند روز قبل نعت رنگ کے دو شمارے موصول ہوئے۔ سراپائے ظاہری خوب بہت خوب، بہت سندر اور بہت ہی منوہر۔ باطنی روپ بھی نکھر نکھر، نورانی نورانی ادارت میں آپ کا نام دیکھ کر نگاہوں کو نعت رنگ کا رنگ اور تاباں اور حسن مزید درخشاں نظر آنے لگا اور دل مطمئن ہو گیا کہ اس کا باطنی رنگ اور نورانیت اور بھی اجالا بخشنے گی۔

کچھ مسروریاں اور کچھ الجھنوں کے سبب گو دونوں شمارے ورق ورق اور سطر سطر تو نہیں پڑھ سکا پھر بھی پڑھا ضرور ہے نئی اور منجھی ہوئی اردو میں محبت اور محنت سے لکھے گئے مضامین و مقالات اور منظومات، علمی، تحقیقی، ادبی، باوقار، گرانقدر اور وقیع!

ہر مقالہ کے تمام پایاؤں سے مدنی صد اتفاق تو نہیں کر سکتا۔ تاہم کافی حد تک اتفاق ضرور ہے۔ محترم سید آل احمد رضوی صاحب کا مقالہ بانداں بھی ہے اور شاندار بھی۔ عاصی کرنالی صاحب نے اپنے مقالہ "منوعات نعت" (شمارہ نمبراً تنقید نمبر) میں "نماز کے استعمال میں واحد غائب کے لئے وہ اور واحد حاضر کے لئے تو کیا استعمال مناسب ہے یا نہیں" کے بحث میں بہت ہی اچھا انداز اختیار کیا ہے۔ اس طرح حافظ محمد افضل فقیر صاحب نے اپنے مقالہ "نعت کا مثالی اسلوب لکھ" میں اس بحث میں

نامی کرنا صاحب کی طرح انداز اختیار کیا ہے۔ دونوں صاحبان کی باتیں دل کو لگتی ہیں اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ مدینہ کو شرب کئے جانے کے سلسلے میں ان دونوں مقالہ نگاروں نے ایک ہی ساند از اختیار کیا ہے۔ یقیناً ”یہ لازمی ہے کہ نعت گو یوں کو اس طرح کی ہدایات دی جائیں اور انہیں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر شرعی باتوں سے اجتناب کے ساتھ ساتھ ادبی و فنی درنگی کا بھرپور خیال رکھنے اور لفظ کے استعمال، واقعہ یا کسی طرح کی روایت وغیرہ کے بیان میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تحقیر کی جائے اور دنیائے نعت نگاری میں قدم رکھنے والے نے نوجوان شعراء کی رسائل و جرائد کے ذریعے تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ نعت سے منسوب انجمن، اکادمی یا ادارہ وغیرہ کے ذریعے تعلیم و تربیت کا انتظام بھی کیا جائے۔ یوں تو یہ نعت کا دور ہے لیکن ارض پاک میں موجود دور نعت کے فروغ کا زریں دور ہے۔

واجب احترام ادیب رائے پوری صاحب کا مقالہ ”نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کا جود“ بھی سچائی سے بھرپور پر فکر اور پر مغز مقالہ ہے۔ انہوں نے نظم طباطبائی اور دہلوی کوثری کے اشعار کی مثال دیتے ہوئے دونوں کے غیر محتاط رویے کی جو گرفت کی ہے وہ بالکل درست ہے کوئی غیر مسلم علمی، ادبی، فنی یا کسی اور اعتبار سے کتنا بھی بلند پایہ کیوں نہ ہو ایک عام مومن کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا ہے کجا صحابی رسول پاک کوئی غوث و قطب بھی جن کے سائے کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔

طباطبائی نے جو غلطی کی وہ دہلوی کوثری کی غلطی سے بہت بڑی ہے کیونکہ ایک غیر مسلم غلوئے عقیدت، جوش محبت میں سدا ”یا قصدا“ اس طرح کی غلطی کر جائے تو اس پر شرعی حکم نازل نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اخلاقی طور سے اسے روکا اور سنبھایا ضرور جاسکتا ہے۔ مگر ایک مسلم پر شرعی حکم ہر حال میں نافذ ہوتا ہے طباطبائی صاحب کا یہ شعر یقیناً ”قابل گرفت ہے اور گستاخی پر محمول ہے۔

کہاں ہے کعب سیکھے ہم سے آداب ثناء خوانی
کہ نعت مصطفیٰ اور ذکر شمشیر مہمند کا

بہر حال اس سلسلے میں زیادہ نہ لکھ کر یہ عرض کروں گا کہ ادیب صاحب نے اپنے مقالہ کے آخر میں جو بات لکھ دی ہے۔ قطعاً ”درست ہے اور ہم سب کو اس طرف پورا پورا دھیان دینا چاہئے۔“ ”نعتیہ شاعری کے لئے بھی ضروری ہے کہ تنقید کا عمل جاری و ساری رہے اور اس کے نتائج سامنے آئیں تاکہ تنقید اپنے ارتقا کی منزلیں طے کرے۔“

محترم حفیظ آتب کی نعت گوئی پر سید رفیع الدین اشفاق صاحب کا جائزہ بھی اچھا ہے اشفاق صاحب محقق نعت، قابل، مخلص اور خوردنوا ہیں۔

رشید وارثی صاحب، محمد الحق قریشی صاحب، عزیز احسن اور دیگر صاحبان کے مضامین و مقالات بھی کافی حد تک اچھے اور بہت اچھے ہیں۔

پیارے بھائی! آپ کے اشعار تو ۹۲ء میں کراچی میں سے تھے جتنا خوبصورت آپ کہتے ہیں اتنی اچھا پڑھتے بھی ہیں۔ میں نے آپ کی نعتیں سن کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ بہت جلد میرا صبحِ رحمانی مندوپاک کے ممتاز نعت گوئیوں کی بزمِ نورانی میں ایک بادقار مقام حاصل کرے گا اور آج وہ دن آیا۔ میرے لئے یہ ایسی آفتِ خوشی کی بات ہے جیسے میرے اپنے چھوٹے بھائی نے جوانی کی اس منزل میں وہ بڑا مقام حاصل کر لیا کہ جس منزل میں جوان صرف جوانی دیوانی کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں اور اس عشق و عقیدت اور علم و ادب کی دولت کے حصول سے بہت دور رہتے ہیں۔ جو دنیا اور آخرت دونوں کی کامرانی اور عزت و وقار کی ثنات ہے۔

یقیناً "وہ صبحِ برا خوش نصیب ہے جو اس قدر حسین نعتیں لکھتا ہے کہ عصر حاضر کے نعتیہ ادب کے جہان کے بڑے بڑے قد آور جس کی شاعری پر تاثرات پیش فرمائیں جناب سعید بدر نے آپ کو روشنی اور خوشبو کا نعت گو شاعر کہہ کر حق گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ انہوں نے آپ کے جو اشعار پیش فرمائے ہیں۔ ان میں کچھ تو سن اور پڑھ چکے تھے۔ بقیہ جن سے کان اور آنکھ نا آشنا تھے۔ انہیں سعید بدر کے مقالہ میں پڑھ کر مزید مسرت ہوئی۔ خدا کرے آپ اپنی شاعری میں اسی طرح بلکہ اور بھی زیادہ "بہت زیادہ" جمالیات و امیجری کے جلوے دکھاتے ہوئے مطہر و مطہر جذبہ و فکر کے ساتھ منزل کی سمت رواں دواں رہیں۔

خوش اخلاق "خوش مزاج" خوش کلام "خوش گلو اور محبت و محنت والے صبحِ رحمانی کے لئے نعیم عزیزی کی اسی کے ایک شعر میں قافیہ کی ذرا سی تبدیلی یعنی نون غنہ بنا کر یہی دعا ہے۔

جبینِ وقت پر حسان و جائی کی طرح چکو
صبحِ ان کی غلامی کو متاعِ زندگی لکھو

نثر بھی آپ بہت خوب لکھتے ہیں۔ مطہر سطر ایسا لگتا ہے جیسے فضاؤں میں راج ہنس پرواز کر رہے ہوں۔ میرے بھائی! مجھے یقین ہے کہ پروف ریڈنگ میں آپ یا دوسرے مدیران و معاونین توجہ دیتے ہوں گے مگر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

کچھ مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا لفظ نبی رسول وغیرہ پر پورا درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم لکھا گیا ہے۔ بہت اچھی بات ہے اور یہ دیکھ کر آنکھوں کو نور و سرور حاصل ہوا لیکن اکثر جگہوں پر " " " " وغیرہ دیکھ کر برا بھی لگا اور تکلیف بھی ہوئی۔ علمائے کرام نے پورا درود شریف لکھنے کا حکم دیا ہے اور "۴" "۳" "۲" پر سخت گرفت کی ہے اور ایسا کرنے سے سختی سے روکا ہے اور اس پر وعید بھی سنائی ہے۔ نہ صرف سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے بلکہ صحابہ کرام اور اولیاء و صلحا کے لئے بھی "۵" " " " " وغیرہ لکھنے سے منع کیا ہے اور پورا رضی اللہ عنہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ لکھنے کا حکم دیا ہے کوئی اور یا کچھ اور لوگ اس طرح کی بے احتیاطی کریں تو غلط وہ بھی ہے لیکن فروغِ نعت کے لئے کام کرنے والے

مخلصین ایسا غیر محتاط رویہ اختیار کریں تو غلط ہی نہیں، بہت غلط اور دوسروں کے لئے بے احتیاطی کا باب
دا کرنے اور راستہ ہم دار کرنے کے مترادف ہے آپ اور آپ کے رفقاء و معاونین اور سرپرست
حضرات خوش نصیب اور لائق حکم ہیں کہ فروغِ نعت کے لئے خود کو وقف کئے ہوئے ہیں۔

نعت لکھنا، نعت پڑھنا، نعت سننا نعت کی مغلل آراستہ کرنا نعت کی تحقیق، تنقید کا فریضہ انجام دینا اور
علم، قلم، قدم اور رقم سے نعت کے فروغ کے لئے کوشاں رہنا بہت ہی خوش نصیبی اور شرف و سعادت
کی بات ہے۔ نعت شہ کوئین صلی اللہ علیہ وسلم آزگی ایمان، سکون قلب، یالیدگی روح اور معبود کی
سردی سرشاری نیز شخصیت کی تعمیر و تطہیر اور آگے بڑھ کر قوم و ملت کی تنظیم و بحالی اور غلبہ اسلام کا
ایک خوبصورت وسیلہ ہے اگر نعت کو اس کے انوی اور ادبی مفہوم و معنی کے محدود دائرہ سے نکال کر اس
کے وسیع معنوں میں برتا جائے۔

ارض پاک میں فروغِ نعت کے لئے کی جانے والی مساعی اپنا رنگ لاپچی ہے اور اس کے لئے بعض
ساتویں دہائی میں بھٹاری گئی مبارک تحریک کامیابی کی منزل سے کافی حد تک قریب ہے۔ آج نعت کا سب
سے بڑا ذخیرہ اردو ہی میں موجود ہے اور تقسیم ملک کے بعد اس میں اضافہ کرنے کا سہرا ارض پاک ہی کے
سر ہے۔ نعت نگارانِ پاک، انگریزی، چٹانی، پنجابی وغیرہ شاعری کے اصناف اور بیستوں میں جو تجربات کر
رہے ہیں وہ بھی خوش آمد ہے۔ بھارت میں بھی بانگلو اور سائنٹ وغیرہ میں نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ مگر
پاک کی یہ نسبت کم تیزی اور کم جوش سے، بیکل اور نقلی مارہروی جیسے شعرا ہندی بحور و داذان اور
اصناف میں نعت کہنے کا تجربہ کر رہے ہیں اور کافی حد تک کامیاب ہیں۔

نظمی صاحب نے تو شکر ت زبان میں کئی نعتیں کہی ہیں۔ سید آل رسول حسنین نظمی مارہروی امام احمد
رضا بریلوی قدس سرہ کے مرکز عقیدت اور مرشد خانہ خانوا لاہور کا تہ مارحہ مطہرہ کے چشم و چراغ ہیں۔
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے اور مرکزی حکومت کے بجٹکے سنر میں بمبئی میں ایک بڑے عہدے
پر فائز ہیں۔ عالم بھی ہیں۔ اردو فارسی زبان و ادب کے باوصف عربی اور انگریزی میں بھی مہارت حاصل
ہے ہندی اور شکر ت سے بچہ خاصی واقفیت ہے۔

محترم ادیب رائے پوری صاحب کے نعت اکیڈمی کی کانفرنس سے ۶۲ء میں واپسی لوٹنے کے بعد ادیب
صاحب اور سعید وارثی، شہزاد احمد صاحبان کو خطوط لکھے تھے۔ مگر ادھر سے جواب نہ ملنے پر رابطہ نہ رہ
سکا۔ سرور کٹنی صاحب کی نعت گوئی پر کراچی ہی میں ان کے سامنے انہیں کے قلم پر تبصرہ، (قلم برداشت)
لکھ کر دے آیا تھا۔ پتا نہیں، کس شائع ہوا یا نہیں بھارت آکر حفیظ تائب، راجا رشید محمود، حافظ
لدھیانوی اور وسیم بریلوی صاحبان کی نعت گوئی پر بھی بہت کچھ لکھ کر راجا صاحب کو ماحنامہ "نعت" میں
اشاعت کے لئے بھیجا مگر ان کی اشاعت کی بھی کوئی اطلاع نہ ملی۔ البتہ جناب ستار وارثی مرحوم کی نعت
گوئی کا جائزہ میری کراچی موجودگی میں ماہنامہ نعت لاہور میں شائع ہو گیا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں فقیر راقم السطور

نے بیکل اتاسی نعتیہ مجموعہ ’الغنی‘ بھی ادیب رائے پوری ڈاکٹر ریاض مجید، راجا رشید محمود صاحبان اور دوسرے حضرات کو بھیجا لیکن وصولی کی کوئی رسید نہیں ملی جلد ہی انشاء المولیٰ الکریم ’الغنی‘ اور اس پر تبصرہ پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی تحقیقی کتاب ”اردو نعتیہ شاعری“ پر تبصرہ جو ہند کے ایک رسالہ میں شائع ہو چکا ہے بھیجوں گا۔

بہت کچھ لکھ دیا ہے شاید اس لیے کہ بہت دنوں بعد آپ کو کچھ لکھنے یا آپ سے گفتگو کرنے کا موقع میسر آیا ہے۔ مختصر سے مختصر سی جواب کی امید رکھتا ہوں۔

پروفیسر عاصی کرنالی۔ ملتان

آپ کے خط پر خط ملے، کسی صاحب نے فون بھی کیا لیکن ہماری شان بے نیازی دیکھنے کے بس سے مٹ نہ ہوئے۔ تاہم بہت سی فحالت، ندامت اور انفعال کے ساتھ، حاضر خدمت ہوں۔ اس آخر کے بہت سے اسباب ہیں جن کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ شرمندہ نگہوں آئندہ محتاط رہوں گا۔

موجودہ نعت رنگ، پہلے شمارے ہی کی طرح آپ اور آپ کے رفقا کی محنت، ریاضت اور ذاتی لگن کا ثمر شیریں ہے۔ اس میں مضامین و مقالات کا تنوع اور تحریروں کا غلی مزاج اس کے معیار کی بلندی کا ضامن ہے۔ ایک قاری جب اسے پڑھ لیتا ہے تو وہ یقیناً ”اپنے شعور و بصیرت میں اضافہ محسوس کرتا ہے اور اس کا دامن طلب علم و تحقیق کے قیمتی جواہر پاروں سے معمور ہوتا ہے۔ آپ نے نعت رنگ میں ’نہضت‘ اچھوتے موضوعات پر لکھ کر یا لکھوا کر اس کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے۔ اللہ آپ کی توفیقات قائم رکھے اور ہم نوادرات نو سے مالا مال ہوتے رہیں۔

رشید وارثی صاحب نے استخفاف الوہیت کے عنوان کے تحت میرے بعض اشعار کا محاکمہ کیا ہے اور ان میں خدا کی ذات و صفات میں تحقیف تلاش کی ہے۔ ہر شخص کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ تاہم انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ان کی نیک نیتی، اخلاص خیر خواہی نیز راہ نمائی کی کوشش پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ مجھے توفیق عطا کرے کہ میں آئندہ زیادہ محتاط ہو کر شعر کہوں۔ اس مخلصانہ کاوش پر ان کا میری جانب سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

پروفیسر حفیظ تائب... لاہور

آپ کے فون کی کچھ قلیل کر رہا ہوں... اپنی تازہ حمد اور محترم احمد ندیم قاسمی کی پرانی مکر غیر مطبوعہ نعت پیش خدمت ہے۔ یہ نعت خود ندیم صاحب کے ریکارڈ میں نہیں۔ تاج کپنی لاہور نے ایک زمانے

میں ایک بہت بڑا نعتیہ مشاعرہ بیرون باغ موچی دروازہ میں منعقد کیا تھا۔ یہ نعت مجھے اس مشاعرہ کے ریکارڈ سے ملی تھی۔ نعت میں نے احتیاطاً ”ندیم صاحب کو فن پر سنا بھی دی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ میں نعت آپ کو بھیج رہا ہوں۔ نعت خوان و نعت نگار کے سلسلے کا پہلا مضمون بھی حاضر ہے۔ انشاء اللہ اگلے شمارے کے لیے سکندر لکھنوی مرحوم کے بارے میں مضمون لکھوں گا۔ محترم میرزا ادیب نے دونوں شماروں کے بارے میں کچھ لکھنے کی بجائے سلسلہ نمبر ۱ پر مضمون لکھ دیا تھا اور ان کی یہ خواہش تھی کہ اگر آپ کو مضمون پسند آئے تو نوائے وقت لاہور میں اشاعت کے لیے عمران نقوی صاحب کو بھیج دیں۔ یہ مضمون بھی آپ کو اسی لفافے میں ملے گا۔

نعت رنگ کے سلسلہ ۲ کی خبریں لاہور کے جنگ اور نوائے وقت کے ادبی صفحات میں چمپ تنی تھیں اور غالباً ”آپ کی نظر سے گزر چکی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو رفقاء و اہل خانہ سمیت محفوظ و مامون رکھے اور توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ ”نعت رنگ“ سے بہت سی توقعات وابستہ ہوتی جا رہی ہیں۔ خدا کرے انہیں آپ کا حقہ پوری کرتے چلے جائیں۔

ڈاکٹر انور سدید.... لاہور

نادم ہوں کہ میں ”نعت رنگ“ کے لیے اپنی پُر خلوص خواہش کے باوجود مضمون پیش نہیں کر سکا۔ اول بڑھاپا غالب ہے۔ دوم، صحافت کی مصروفیت دماغ چاٹ جاتی ہے۔ درخواست ہے کہ فی الحال میری معذرت قبول فرمائیں۔

حسب ارشاد دو نعتیں ارسال خدمت ہیں۔ اسے مدحت نہیں جسارت تصور کیجئے۔ آپ خیر و برکت کا کام کر رہے ہیں، آپ بھی لائق تحسین ہیں اور آپ کا کام بھی داد کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق مزید دے۔

ڈاکٹر تحسین فراقی.... لاہور

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ اور آپ کے معاون احباب لائق مبارک باد ہیں کہ آپ ”نعت رنگ“ جیسا معیاری اور انقلابی پرچہ نکال رہے ہیں۔ آپ کی عنایت سے دوسرا پرچہ مل گیا تھا۔ اسی پرچے کے حوالے سے چند باتیں گزارش کر رہا ہوں اگرچہ بڑی تاخیر سے!

آپ کا ”ابتدائیہ“ اور ”نئے دکھ“ دونوں دعوت فکر دیتے ہیں۔ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ واقعی اس قابل ہیں کہ اہل علم اور مؤرخان ادب اردو کو ان پر غور کرنا چاہئے۔ دراصل بات یہ ہے کہ

بڑی شاعری کی طرح بڑی مذہبی شاعری بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خبر نظر کا 'علم عین کا اور گوش آغوش کا روپ نہ دھار لے۔ ہمارے نقادوں کے صنف نعت سے اعراض کا ایک سبب شاید یہ بھی رہا ہو کہ اس کا بڑا حصہ محض رسمی اور رواجی رہا ہے اور جذبات عشق، محض بیان کی حد تک مطلوب رہے ہیں بالعموم عشق سرور کو نین شاعر کے لیے Fivine Presence نہیں بن سکا۔

نعت میں کن امور کا خیال رکھنا چاہیے اس باب میں حضرت حافظ افضل فقیر اور رشید وارثی کے مضامین قابل توجہ ہیں۔ مرحوم حافظ افضل فقیر کا 'مضمون جو دراصل "وسلمو انسلیم" (حفظ تائب) کا زندہ اوز نہایت درجہ فکر افروز دیباچہ تھا، پہلے بھی میری نظر سے گزر چکا تھا مگر آپ کے پرچے میں اس کی موجودگی نے قدر کر کا مزہ دیا، حافظ صاحب کو اللہ نے جو غیر معمولی بصیرت اور بیان کا جو حیران کن سلیقہ عطا کیا تھا وہ اس دیباچے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے شعر و شاعر کے ضمن میں جن چار مقدمات کا ذکر کرنے کے بعد کمال وسعت نظر کے ساتھ ان کی جو توضیح کی ہے اس سے خود میرے بعض اشکالات رفع ہوئے۔ البتہ مضمون کے آخر میں عربی شیرازی کے نعتیہ قصیدے کے جو دو شعر انہوں نے درج فرمائے ان میں سے پہلے میں عربی وہ احتیاط ملحوظ نہ رکھ سکا جس کی اس جیسے عالی دماغ شاعر سے توقع تھی۔ عربی بعض اور مقامات پر بھی ایسا پیرایہ بیان اختیار کرتا ہے مثلاً "اس کے ایک اور نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے:

عیسیٰ نکس تکلم تو حلوائے دکان آفرینش

اب آپ غور فرمائیے کہ کیا اس شعر سے حضرت عیسیٰ کی تخفیف کا پہلو صاف نمایاں نہیں؟ بہر حال کہنا یہ ہے کہ حقد میں خواہ وہ فارسی ادب سے متعلق ہوں خواہ اردو سے، ان امور پر وہ توجہ نہیں دے سکے جس کا تقاضا نعت گوئی کرتی ہے۔ اس تمام ترکے باوجود اردو اور فارسی کا کلاسیکی نعتیہ ادب اس کا مستحق ہے کہ اس کے قابل لحاظ حصہ کو ادب عالیہ میں شمار کیا جائے۔

رشید وارثی صاحب کا 'مضمون بھی بحیثیت مجموعی فکر افروز ہے اور نعت گوئی کے باب میں ایک عمدہ منشور کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ صفحہ ۵۲ پر انہوں نے جس شعر کا انتساب حافظ شیرازی سے کیا ہے وہ سعدی شیرازی کا ہے۔ شعر یہ ہے۔

دفتر تمام کشت و پیا یے رسید عمر ما پیمناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اس 'مضمون میں رشید وارثی صاحب نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ دو مختلف حقائق ہیں۔ ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے۔

خاصی کر ثانی صاحب کے 'مضمون کے عنوان سے جو امید بندھی تھی وہ 'مضمون کے مضمولات سے پوری نہ ہو سکی۔ سوال یہ ہے کہ فارسی شعری روایت نے اردو نعت اور حمد پر صرف بحور و اوزان کی حد تک تو اثرات مرتب نہیں کئے۔ محالی، مضامین، تراکیب، تلمیحات اور بیان و بدیع کی بیسیوں صورتیں

ہیں جن سے ہمارا حمیہ و نعتیہ شعری ادب متاثر ہوا ہے۔ عاصی صاحب کو ان امور سے بھی اہتمام کرنا چاہیے تھا۔ حواشی میں ایک جگہ انہوں نے ایک شعر مستغرق گناہیم، ہر چند نذر خواہیم درج کر کے اس معین الدین چشتیؒ سے منسوب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معین الدین چشتی کے نام سے جس دیوان فارسی کا ہمارے یہاں چلن ہے وہ ان کا نہیں معین الدین ہر دی کا ہے اور اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو حافظہ محمود شیرانی نے اپنے مقالات میں ایک جگہ اس کے معین الدین چشتی سے انتساب کو بہ دلائل قاطعہ قرار دیا ہے۔ بہر حال اپنے مخصوص دائرے میں عاصی صاحب کا یہ مضمون مفید اور معلومات افزا ہے۔

باقی مضمولات ابھی پوری طرح نہیں پڑھ پایا اس لیے ان کے بارے میں رائے نہیں دے سکتا۔

ڈاکٹر احسان الحق.... کراچی

آپ کے مجتہد بنو ان "نعت رنگ" کے دونوں شمارے موصول ہوئے جو آپ نے شیخ زائد اسلامک سینٹر کی لائبریری کو بطور حدیث دیئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پر تنقید کے حوالے سے اور شاعری کی اسی صنف کے بارے میں معلومات کے لحاظ سے یہ بے حد مفید لائق تحسین قابل قدر اور انتہائی جامع رسالہ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دے اور آپ سیرت طیبہ کے حوالے سے اپنے اس مشن کو کامیابی کے ساتھ پورا کریں اور ترقی کریں۔ آپ کے صبیحے کا بے حد شکریہ امید ہے کہ آپ آئندہ شمارے بھی ارسال کرتے رہیں گے۔

پروفیسر وسیم بریلوی (بھارت)

آپ کا نوازش نامہ بھی ملا۔ اور نعت رنگ کا تحفہ بھی۔ اس سلسلے پر آپ کی مخلصانہ کوشش قابل ستائش بھی ہے لائق تقلید بھی۔ جس علی ذمہ داری سے آپ داد عقیدت دے رہے ہیں اس کا صلہ آپ کو دوبار رسالت سے ہی ملے گا۔ ہم تو بس آپ کے جذبہ کی صداقت کو سلام کرتے ہوئے اپنا ایک نذر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں

نہ . ثوتے سلسلہ دور جام اے ساقی

یہ رات اس طرح گزیرے کہ غم کو دم نہ ملے

حکم کی قیمل میں چند نعتیں بھیج رہا ہوں اگر ایک نقطہ بھی ان کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو عاقبت سنور جائے۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔

عبدالقیوم لطفی - سعودی عرب

"نعت رنگ" - یہ بطور جناب عبدالستار شیخ سے مجھے ملا۔ اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ میری دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین)

در اصل بیچن ہی سے مجھے نعت سننے اور سنانے کا شوق رہا ہے۔ کسی زمانے میں جب ریڈیو تک نام دسترس سے باہر تھے، ذکر الہی اور میلاد النبی کی محفلیں بڑے ہی ذوق و شوق سے سجائی جاتیں جن میں نعت خوانی کا خاص اہتمام ہوتا۔ جنگ عظیم جس زمانے میں اپنے آخری مراحل میں تھی مجھے رسالہ "تاج" جو نعتوں سے خاصا مرصع ہوتا تھا۔ پڑھنے کا بڑا شوق تھا، لیکن اپنے عہد جوانی تک نعتوں کو شرعی نقطہ نظر سے جانچنے کا کبھی شعور حاصل نہ ہوا کہ جس ماحول میں ہم عموماً رہتے بیٹے ہیں وہ اس فکر و سوچ میں بیش عاری رہا ہے۔

ہوں جن قرآن اور سنت کے مطالعہ سے آگاہی کا رنگ پختہ ہو آیا اپنی گزشتہ تافہی پر پچھتاوا سنا آتا، اب نعتیہ کام احتیاط اور بڑے غور سے پڑھتا ہوں کہ کیس اللہ اور رسول کی شان میں کوئی ایسی گستاخی نہ ہو جائے جس کا کوئی کفارہ نہ بن پڑے یعنی:- "ان الشکر لعلم عظیم" (حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے) (لقمان آیت ۱۳) اور بیش بھی دعا کرتا رہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر مسلمان کو شرک سے بچائے (آمین) میری بیش سے یہ دلی تمنا اور دعا رہی کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ اس موضوع پر بھی قلم اور آواز اٹھائے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اپنے بے پناہ والہانہ جذبہ محبت میں سرشار ہو کر شرک کا شکار نہ ہوا کریں۔ اللہ رب العزت نے یقیناً "میری یہ دعا سنی کہ جب میری نظر سے آپ کی یہ عظیم کاوش گزری اور جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو نئی معلومات حاصل ہونے کے علاوہ میری آنکھیں جذبہ تشکر سے بھی اشکبار ہو گئیں اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اس نوجوان عاشق رسول کی یہ سعی بارگاہ رب العزت میں قبولیت کے عظیم درجہ پر فائز ہو کہ جس نے تحقیق و تنقید کے بعد نہ صرف نعت گوئی کی تاریخ اسلوب و فکر اور اس کے فن سے ہمیں آگاہ کیا بلکہ معیاری اور غیر معیاری کلام کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ شرعی فکر و عمل کی طرف بھی عاشقان رسول کی توجہ مبذول کرائی۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ آئندہ بھی آپ کے قلم سے ایسے شہ پارے تخلیق ہوں جو ہماری بے راہ روی اور غفلت پر ہمیں تنبیہ و ذکر کر کے دیں (آمین)۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محسن بھوپالی۔ کراچی

نعت رنگ کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مستقبل میں یہ مجلہ نعتیہ ادب کی تحقیق کے سلسلے میں یقیناً ”کتاب حوالہ“ کا کام دے گا۔
مختلف ذیلی موضوعات کے تحت تخلیقی اور تحقیقی مواد کے حصول اور ترتیب و تدوین کے لئے قلمی اور رفقاء کا رکو میری جانب سے مبارک باد قبول ہو۔
دست بدعا ہوں کہ حضورؐ کے دربار میں تمہاری یہ کاوش قبولیت کا درجہ حاصل کرے۔ (آمین)

نقوی احمد پوری۔ احمد پور شرقیہ

نعت رنگ کا کتابی سلسلہ نمبر ۲ نظر نواز ہوا۔ سرورق دیکھا تو دیکھتا ہی رو گیا۔ دل میں کیا نیا جذبات مقیدت بھڑکے ذہن میں کیا کیا الفاظ محبت کو بٹے روح نے کس کس طرح سرمستی میں رقص کیا۔ دلی آملی والے کے تصور میں میساخہ سرورق کو چوم لیا۔ سرورق۔۔۔ انوار و تجلیات کی بارش۔۔۔ اس بارش میں ذات باری کی طرف سے اعان کرتی ہوئی ٹھنڈ۔۔۔ مٹی خوشگوار و مشکبار ہوا۔۔۔ ہوا کا اعلان۔۔۔ ذات بے نیاز کے انداز مخاطب کے والہانہ پن کا ترہمان و دفعنا لک ذکر کی چمکتا دکھتا ارفع و اعلیٰ فضاؤں میں نور چمکتا ہوا مینار، خوشبو لٹاتی ہوئی فصل بہار، علامت دل نشیں رحمتہ للعالمین درود و سلام ہو اس رحمتوں کے تاج والے معراج والے نبی طاہر و مطہر پر اس کی آل پر اس کے اصحاب پر اور اس کی ازواج پر۔
سوچا کہ جس سلسلے کے سرورق نے سرور و کیف کی موجوں میں ڈبو دیا اب اس کے مندرجات کیسے ہوں گے۔ مندرجات کا خیال آتے ہی ”ان مندرجات کو یکجا کرنے والے کی طرف دھیان پلٹنا“ اے صبیحِ رحمانی! آپ سے گو تعارف نہیں تھا لیکن آپ نے نعت رنگ کے ذریعے ایسا تعارف کرایا ہے کہ آپ کے اس کارنامے پر مجھے رشک آنے لگا ہے۔ آپ کو آپ کے معاونوں کو اور آپ کے مشیروں کو جو سعادت حاصل ہوئی ہے، یہ سعادت ہر ایک کو کہاں حاصل ہوتی ہے۔ ع

تانا تھنہ خدائے بخشندہ۔۔۔ میں آپ سب لوگوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں
آپ کا ابتدائی کھلی دعوت ہے۔ خدائے کریم ہم اہل قلم کو اپنے فیوضات و برکات سے مستمع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ کچھ تو ایسا لکھ جائیں جو ہمارے لئے توبہ آخرت ہو حافظ محمد افضل فقیر صاحب کا ”نعت کا مثالی اسلوب نظم“ بہت دلچسپ اور معلومات آفریں ہے۔ انہوں نے جس انداز میں ”بائٹہ و شیار“ والی باتیں کہی ہیں وہ نعت کو شعراء کو محتاط راہیں دکھاتی ہیں۔

عاصی کرنا بی صاحب نے "اردو حمد و نعت پر فارسی شمری روایات کے اثرات" پر مدلل مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ عروض نظام کے تحت بحر اور اوزان کے ساتھ اشعار پیش کرنا ایک وقت طلب کام تھا۔ جو انہوں نے بطریق احسن سرانجام دیا ہے۔

رشید وارثی صاحب کا مضمون "اردو نعت میں شان الوہیت کا استغناء" متنازعہ جتنوں کا حامل ہے۔ دل تو کہتا ہے کہ اس پر کھل کر غامہ فرمائی کروں لیکن اس کے نتیجے میں خطا طویل ہو جائے گا اور پھر بحث کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ ان کی کچھ باتیں صحیح ہیں لیکن کچھ باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بعض اشعار میں جو باریک نکتے ہیں وہ انہیں سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ میں مثال کے طور پر یہاں صرف ایک شعر کے بارے میں لکھوں گا۔ وہ شعر یہ ہے۔

(تخلص) آپ کی مدحت خاص کو۔ کم سے کم حق کا طرز بیاں چاہئے

رشید وارثی صاحب نے شاعر کا تخلص حذف کر کے اپنے اندرونی خوف کا مظاہرہ کیا ہے۔ باوجود خوف کے رقعہ طراز ہیں۔ "اس شعر میں ذات حق تعالیٰ جلی جلالہ کے طرز بیاں کو "کم سے کم" کہنے سے قادر مطلق کی صفت کا کام دینی مکتوا اور غیر مکتو (قرآن و حدیث) کی تنقیص ہوتی ہے۔ ".... ذرا سوچئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ثناء رکھا جائے کہ (انفوا باللہ) اس کا طرز بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت خاص کے لئے کم سے کم حیثیت رکھتا ہے تو پھر آپ کی کامل مدحت سرائی کے لئے ذات قادر مطلق کو بھی مجبور ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے محبوب کی کمادقتہ مدحت بیاں کرنے پر قادر نہیں۔ لہذا اس قسم کی مدحت سرائی سے اجتناب کرنا بلکہ تائب ہونا نعت گوئی کیا ایمان کا بھی تقاضا ہے۔" دراصل اس شعر میں جو لطیف نکتہ ہے رشید وارثی صاحب اسے سمجھ ہی نہیں سکے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ شعر کس کا ہے لیکن اتنا نہیں شعر کہنے پر میں تو داد دیتا رہا۔ میری دانست میں اس شعر کی تشریح یوں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ارشاد و اعلیٰ ہے اسی طرح اس کا کلام بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس نے اپنے محبوب کے ذکر کو رفعت بخشی اور فرمایا۔ "ان اللہ فعلکنتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اللہ تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں۔ اس درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی مجبوری ظاہر نہیں ہوئی بلکہ یہ مقصود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ان پر درود بھیج رہا ہے۔ حضور کے مقام کو جس طرح اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے اسے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ جس طرح وہ اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے کہ سرکارِ دو عالم کی شان بہت اونچی ہے اور اے شاعر (تخلص) تم صدق دل سے چاہے کتنی ہی آپ کی تعریف و توصیف کرو ان کی تعریف و توصیف کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حضور کے شایان شان تو اللہ تعالیٰ کا طرز بیان ہے۔ ان کی "مدحت خاص" کا تو تقاضا بھی یہی ہے کہ کم سے کم وہی طرز بیان اختیار کیا جائے جو طرز بیان کہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ چونکہ تمہارا طرز بیان وہ نہیں ہو سکتا جو کہ اللہ تعالیٰ کا ہے لہذا تم ان کی مدحت خاص کا حق ادا

نہیں کر سکتے۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و کلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ادبی است

عزیز احسن صاحب نے ”نعت اور شعریت“ میں فی لحاظ سے نعتیہ اشعار کا بڑی محنت سے جائزہ لیا ہے اور نچے تلے انداز میں محاسن و معائب پر روشنی ڈالی ہے۔ تنقید کا یہ انداز اب تک دیگر اصناف سخن کو تو اپنی پلیٹ میں لیتا رہا ہے۔ لیکن احراماؒ کسی نے نعت کو نہیں چھیڑا، میں اس بات کا قائل ہوں کہ نعت کو نظریاتی تنقید کا ہدف نہ بنایا جائے، کیونکہ ہمارے شعراء مختلف مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور ہر شاعر اپنے مسلک کے مطابق نعت کہتا ہے۔ معتمد سب کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گل ہائے عقیدت پیش کرنا ہوتا ہے۔ ہاں اشعار میں فنی خامی ہو تو اس کی طرف اشارہ ضرور کیا جائے، یا پھر ایسے اشعار جن میں شاعر نے اپنے تئیں تو حضورؐ کی تعریف کی ہو لیکن جو الفاظ استعمال کئے ہوں۔ ان سے ذمہ کا پہلو نکلا ہو تو شاعر کی توجہ ان اشعار کی طرف ضرور دلائی جائے تاکہ وہ اپنے شعروں کی اصلاح کر سکے۔

پروفیسر سحر انصاری صاحب نے ”کلمین نعت“ پر بہت سی مختصر تبصرہ کیا ہے۔ بطور نمونہ کلام زہنب بی بی محبوب کے دو چار اشعار درج کر کے انہوں نے ہم تشنہ لیوں کی کچھ اور پیاس بھڑکا دی ہے۔ یہ مضمون متقاضی تھا کہ اس میں مختلف انداز کے نعتیہ اشعار شامل کئے جاتے۔

شبیر احمد قادری صاحب کا مضمون ”جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ نبوتؐ میں استمداد، استعاذہ و فریاد جامع اور اثر آفریں ہے۔ انہوں نے عنوان سے انصاف کیا ہے اور بطور حوالہ بہت اچھے موزوں اشعار شامل مضمون کئے ہیں۔

شفیق الدین شارق صاحب کے مضمون ”عصر حاضر میں نعت نگاری“ کا عنوان جس وسعت کا تقاضا کرتا ہے وہ اس مضمون میں نہیں ہے اپنے مضمون میں جن نعت گو شعراء کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے۔ صرف یہی چند شعراء تو دور حاضر کے نعت گو نہیں ہیں۔ اگر شارق صاحب کی نظر سے بہاولپور ڈویژن کے مرحوم شاعر حیات میرٹھی کی تالیف ”خیابان عقیدت“ گزر چکی ہوتی تو انہیں اندازہ ہو جاتا کہ صرف بہاولپور ڈویژن میں کتنے نعت گو شعراء ہیں، اور ان شعراء میں سے کتنے تو ملک گیر شہرت کے مالک ہیں لیکن اس مضمون میں ان کا نام تک نہیں لیا گیا۔

منہج رحمانی صاحب کا مضمون ”دستان کراچی کی نعتیہ شاعری“ میرے لئے بہت سے انکشافات لایا ہے۔ بزرگ اور معروف شعراء کے نام کو تو میں جانتا تھا اور ایسے شعراء کے نام کے اسمائے گرامی بھی میرے سامنے تھے جن کا کلام میری نظر سے گزرا تھا۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جن کے بارے میں میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ان کا تعلق کراچی سے ہے۔ ان کے مضمون ہی سے مجھ پر منکشف ہوا کہ وہ کراچی کے باسی ہیں۔ کچھ ایسے نوجوان شعراء کے نام بھی میری نظر سے گزرے ہیں جن کے بارے میں میری

معلومات صفر کے برابر تھیں۔ اس مضمون نے مجھ پر یہ حقیقت آشکار کی کہ ان میں سے کچھ کی تنسیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔ یوں اس مضمون کی وجہ سے اب بہت سے اجنبی چہرے مجھے آشنا لگیں گے لیکن کچھ اجنبیت تو برقرار رہے گی۔ کیونکہ ان کے کلام کے مجموعے میرے پاس نہیں ہیں۔

میں نے سوچا تھا کہ خط میں اختصار سے کام لوں گا لیکن یہ خط طویل ہوتا جا رہا ہے۔ میں اسے یہیں ختم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر محمد اسلم فرنی صاحب اور خبثہ رومانی صاحب نے آنکھیں دکھانا شروع کر دیں۔ ان کی آنکھوں کا ہر گوشہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ہمارا گوشہ تو خصوصی گوشہ ہے۔ ہمارے معاملے میں بگل سے کیوں کام لیتے ہو اور اکتھار خیال کیوں نہیں کرتے ہو؟ اب انہیں کیسے ناراض کروں۔ ان کی نعتوں پر تبصرے سے پہلے مرتبین سے شکوہ کروں گا کہ اس خصوصی گوشے کی طرف انہوں نے خصوصی توجہ نہیں کی ورنہ کتابت کی اتنی غلطیاں نہ ہوتیں۔ مثلاً ”مندرجہ ذیل اشعار کو دیکھیے۔“

۱۔ بے نفس و آفاق میں رونق تیرے دم سے اے صاحب طہل و علم اے سرور کونین (اسلم فرنی)

اس شعر میں لفظ ”انفس“ کے الف کی کتابت نہیں ہوئی جس سے شعر وزن سے گر گیا ہے۔

۲۔ فاصلہ کوئی مدینے میں نہیں ہے باقی تھم گئی وقت رفتار مبارک باشد

(اسلم فرنی)

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ”وقت“ اور ”رفتار“ کے درمیان لفظ ”کی“ ہو گا جو عائب ہے اور یوں شعر بے وزن ہو گیا ہے۔

۳۔ یہی جی میں تھا اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں پڑھا میں نے سلام آخری آہستہ آہستہ

(اسلم فرنی)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں شاعر کا تخلص ”اسلم“ ہو گا۔ جو کتابت ہونے سے رو گیا ہے اور یوں یہ

مصرع بے وزن ہو گیا ہے۔ اصل مصرع یوں ہو گا۔ ع

یہی جی میں تھا اسلم اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں

اسلم کہ ترے در کا غلام ازلی ہے اے سید والا حشم اے سید کونین

(اسلم فرنی)

مندرجہ بالا شعر کو پڑھ کر احساس میں تسلی رہ جاتی ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ ”کہ“ کسی عرض مدعا کا

تقاضا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ ”کہ“ کی بجائے لفظ ”تو“ ہوتا تو یہ غای نہ رہتی۔

۴۔ روز اول بیان ہوئے تھے تمام اسم روشن کیا جہاں کو محمدؐ کے نام نے

(اسلم فرنی)

مصرع اولیٰ میں لفظ "اول" کتابت کی غلطی معلوم ہوتا ہے۔ یہ "ازل" ہوگا۔ اگر فرخی صاحب نے "اول" لکھا ہے تو انہیں اس پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔

۵۷۱ اک حیات ہے میرے نبی کا نام صحرا میں ایک باغ ہو جیسے کجور کا

(خبنم رومانی)

پہلے مصرع میں کوئی لفظ کتابت ہیمنے سے رو کیا ہے جس کی وجہ سے مصرع وزن سے گزریا ہے اور شعر بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

۵۷۲ ادھر عرش پر مہمان خصوصی ادھر فرش پر میزبان ہیں محمد

(خبنم رومانی)

مصرع اولیٰ میں لفظ "مہمان" کی بجائے "میسماں" ہوگا۔ پہلی میم کے بعد "سی" کے دو نقطے کتابت ہونے سے رو گئے ہیں اس خالی کی وجہ سے شعر وزن سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۵۷۳ گر یہ جو میں نے صبح و سار روز و شب کیا آخر مرے حضور نے مجھ سے طلب کیا

(خبنم رومانی)

دوسرے مصرع میں "مجھ سے طلب کیا" مجھے اچھا نہیں لگا۔ حضور نے کیا طلب کیا؟ وہی گر یہ جو صبح و سار کیا گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے مصرع میں کتابت کی کوئی غلطی ہے یا کچھ اور ہے۔

ماہ گیتی آسماں کا پھول رجت کا نزل
جسم تھا صحرا کا لیکن روح صحرائی نہ تھی

(خبنم رومانی)

مندرجہ بالا شعر کا یہ ٹکڑا "جسم تھا صحرا کا" میرزوق عقیدت کو بھلا نہیں لگا۔ میں خبنم رومانی صاحب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ میری تنصیح کے لئے وہ اس ٹکڑے کی وضاحت فرمادیں۔ ہو سکتا ہے کہ

۱۔ سو کتابت ۲۔ سو کتابت ۳۔ سو کتابت ۴۔ سو کتابت ۵۔ سو کتابت

۶۔ سو کتابت ۷۔ سو کتابت ۸۔ سو کتابت ۹۔ سو کتابت ۱۰۔ سو کتابت

گر یہ جو میں نے صبح و سار روز و شب کیا

آخر مرے حضور نے مجھ کو طلب کیا

ادارہ آپ کی نشاندہی پر ممنون ہے اور شعراء سے معذرت خواہ (م ر)

مجھے غلط فہمی ہو رہی ہو۔

ان گوشوں کو اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو یہ کامیاب گوشے ہیں۔ ان گوشوں میں جو لغتیں شامل ہیں۔ ان کے کچھ اشعار پڑھ کر دل کو نور اور روح کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ فنی لحاظ سے ان میں پہنچل بھی ہے اور گفتگنی بھی ہے۔ تاثراتی لحاظ سے انہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ نعت میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

حصہ ”مدحت“ میں بھی کتابت کی غلطیاں ہیں۔ پروف ریڈنگ پر زیادہ دھیان دیں۔ ورنہ بہت سے شعرائے کرام آپ کو شکایتی خطوط لکھیں گے اور یہ معاملہ آپ کے لئے درد سر بن جائے گا۔

”نعت رنگ“ میں ”حیات مصطفوی“ پر کوئی مضمون شامل کر دیا کریں تو دلچسپی میں اضافہ ہوگا۔

اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ خدا کریم آپ کو اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ لاہور

”نعت رنگ“ کا تازہ ایڈیشن ملے دو پختے ہو گئے ہیں۔ میں کثرت کار اور رمضان المبارک کی مصروفیات کی وجہ سے آپ کے مجلہ پر نہ ہدیہ تحریک پیش کر سکا۔ نہ اپنے تاثرات حوالہ قلم کر سکا۔ البتہ رمضان کی مبارک راتوں میں ”نعت رنگ“ کے صفحات پر بکھرے ہوئے گلہائے رنگا رنگ کے مطالعہ سے دل و دماغ کو محفوظ کیا۔ آپ نے سنہری اور دو پہلی سرورق کے خوبصورت مجلہ کو دیدہ زیب بھی بنایا ہے اور گراں قدر مضامین سے علمی شاہکار کی حیثیت سے سجا کر اہل نظر کو دعوت مطالعہ دی ہے۔

اگرچہ میں پہلے ایڈیشن کے مطالعہ سے محروم رہا ہوں مگر موجودہ ایڈیشن نے قد مکر کی بجائے ”لطف تازہ“ کا حصہ بخشا ہے۔ مجھے حافظ محمد افضل فقیر رحمۃ اللہ کے مضمون ”نعت کا مثالی اسلوب قلم“ نے بہت کچھ دیا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے قدیم نعت گوئی کے مختلف ادوار کو جس عالمانہ اور محققانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سے بہت سی علمی شخصیات سانسے آئی ہیں۔ فقیر مرحوم اردو ادب کے علاوہ عربی اور فارسی پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے نعت کے میدان میں جن قادر الکلام شعراء کے انداز سخن کو سامنے لا کر دل و دماغ کو درخشاں کیا ہے۔ وہ گلبن مصطفوی کے ہونے چھل ہیں۔ مجھے اس مضمون کو اس نسبت سے بھی لفظ بلفظ پڑھنا پڑا کہ حافظ محمد افضل فقیر مرحوم ایم اے فارسی میں میرے ہم سبق تھے۔ پنجاب یونیورسٹی اور۔ نیٹل کالج لاہور کی کلاس روم میں میرے دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے۔

اس طرح مجھے ان کی سرکوشیوں کی لس اب تک محسوس ہوتی ہے۔ میں دینی مدارس میں پڑھ کر اور۔ نیٹل کالج تک پہنچا تھا اور ایم اے میں داخلہ لے کر فقیر کا ہم سبق بنا۔ حافظ محمد افضل فقیر (جو عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے) اسباق سے فارغ ہوتے تو کالج کے صحن میں جا بیٹھتے۔ مجھے اس زمانہ میں جانی

رومی، حافظ اور سعدی کے اشعار یاد تھے۔ میں انہیں کوئی شعر یاد دلاتا تو افضل فقیر کا چشمہ زبان اہل پڑتا۔ پھر ان کی زبان سے نامور شہداء ان فارس کے اشعار کے دریا بہہ نکلے۔ میرے علاوہ ہمارے دوسرے کلاس فیلوز اپنے ذوق کے مطابق فقیر محمد افضل نے اشعار سنتے بعض اوقات کلاس روم میں اپنے اساتذہ کے سامنے فارسی اشعار سنانے کا موقع ملتا۔ تو ہم ان کی زبان کی حلاوت اور یادداشت پر ہدیہ تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکتے۔ وہ زندگی کے مختلف ادوار میں ملتے رہتے۔ تو اپنے علمی خزانوں سے مجھے کچھ نہ کچھ عطا فرماتے۔ ایک دور آیا جب انہیں ”بیدل“ نے بڑا متاثر کیا وہ اکثر ان کے اشعار سناتے اور ساتھ ساتھ ان کی تشریح کر کے میرے لئے آسانیاں بہم پہنچاتے۔

مجھے ان کا مضمون پڑھ کر ان کے قلم کی روانی، اور بلند پایہ نعت گو شعراء سے تعارف کا جو موقع ملا ہے وہ میرے مطالعہ کا ایک خوشگوار حصہ ہے۔

علامہ رشید وارثی صاحب کا مقالہ ”اردو نعت میں شان الوہیت کا استحفاف“ پڑھ کر ان کی باریک بینی نگاہ تنقید پر داد دینے کو جی چاہا۔ انہوں نے بڑی روشن خیالی سے ایسی لطیف باتیں بیان کی ہیں۔ جن پر واقعی وہ ہدیہ تحسین کے مستحق ہیں۔ بایں تحقیق و خوبی وہ بعض مقامات پر اپنے منطقی اور فلسفیانہ استدلال سے اہل سخن کو نشانہ تنقید بناتے چلے جاتے ہیں تو بات اٹھانے کو بھی لگا ہوتا ہے۔ بعض مقامات پر بات کرنے کو جی چاہتا ہے مگر

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زبان مری!

ان کی تنقید سے الفاظ و بیان کی پروانہ کرنے والے ارباب سخن کو لکھنے سے پہلے صد بار سوچنے کا موقع ملے گا۔ ورنہ ہم خیابان نعت میں بیٹھے جس سرمستی سے جموٹے چلے جاتے ہیں وہاں ذہن و فکر کی رکاوٹیں بھی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید تحقیق کی توفیق عطا فرمائے ان کی کاوش نے مجھ جیسے پیہ پروا قاری کو بے حد محظوظ فرمایا ہے۔

عاصی کرنالی صاحب کا کلام پڑھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ وہ مختلف انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مگر آپ نے ”نعت رنگ“ کے صفحات پر جس انداز میں اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ وہ قابل مد ستائش ہے۔ اگرچہ عروض و قوافی اور اوزان و بحر کا دور بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اور اب یہ تمام بیٹا نے شعری دنیا میں ایک ایک کر کے ٹوٹ کر قدیم شعری اسکرپ کی منڈی میں چلے گئے ہیں۔ تاہم کرنالی صاحب نے کپیڈٹرز کے اس دور میں مقیاس نگر لے کر جس انداز سے اپنے مقالے کو سنوارا ہے اس سے کم لوگ استفادہ کریں گے۔ مگر علم آخر علم ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے ”گا ہے گا ہے باز خواں ایس دفتر پار نیہ را“ کی رسم سخن شناسی اور روایت شعر سنجی کو تازہ کر دیا ہے۔ یہ مضمون میرے حلقہ کے اوزان شناسان سنوڑی کو یقیناً ”پسند آئے گا۔“

"دستاں کراچی کی نعتیہ شاعری" آپ کے کاوش فکر کا نتیجہ ہے آپ نے کراچی کے اکثر نعت نویس اور نعت خواں حضرات سے "ملاقات" کروائی ہے اور ان کے شعری انداز کی مثالیں دے کر اپنے مضمون کو دلکش اور دقیق بنا دیا ہے۔ ماشاء اللہ "نعت رنگ" کے تازہ ایڈیشن میں یوں تو تمام مضامین قابل مد ستائش ہیں اور میں نے اکثر مضامین کو پڑھ کر مضمون نگار حضرات کے زور قلم اور بلند تخیل کے لئے دعائیں کیں۔ مگر آپ نے آخر میں بعض "گوشتے" سامنے لا کر ایک نہایت ہی عمدہ کام کیا ہے۔ مجھے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سید آفتاب احمد صاحب نقوی مرحوم کے گوشتے نے بڑا متاثر کیا ہے۔ آپ نے اس آفتاب نعت و عقیدت کو ہدیہ تحسین پیش کر کے بہت عمدہ کام کیا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ڈاکٹر آفتاب نقوی مرحوم نے ہی مجھے آپ سے متعارف کرایا تھا غالباً وہ آپ کے سامنے وہ کلمات نہیں کہنا چاہتے تھے۔ جو انہوں نے آپ کے بعد بیان کئے انہوں نے مجھے تاکید فرمائی کہ "صبحِ رحمانی" سے مرکزی مجلس رضا کی مطبوعات کی زبان میں مسلسل رابطہ رکھنا مجھے کیا معلوم کہ ان کی یہ باتیں نصیحت تھیں یا وصیت آپ نے ایک عاشقِ رسول دوست کو جو

چہ خوش رہے بنا کردند بہ خاک و خون فلیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

کا خطر بنا۔ ہدیہ تحسین پیش کرنے کا اہتمام کر کے مرحوم کی روح کو خوش کر دیا اور ہم ایسے واماں دگان محبت کو خوش کام کر دیا ہے فجزاک اللہ خیراً "ہندوستان میں میرے بعض علم دوست اور سخن شناس احباب ہیں جن میں ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ یونیورسٹی، ڈاکٹر عبدالنیم عزیزی، بریلی شریف، ڈاکٹر وسیم بیلوی اور دوسرے احباب اس نعت رنگ کی ضرورت محسوس کریں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ان کے لیے چند نئے عنایت کئے جائیں۔ تو انہیں آپ کا یہ جملہ مل جائے۔

اشتقاقِ طالب۔ کراچی

"نعت رنگ" کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ آپ نے جس محنت اور لگن سے تحقیق، تخلیق اور تنقیدی مضامین پر مبنی نعت رنگ شائع کیا ہے وہ نہ صرف نعتیہ ادب بلکہ مجموعی طور پر اردو ادب میں بھی ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مختلف ادیبوں، تنقید نگاروں اور مضمون نگاروں نے نعت کے فنی، تخلیقی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کر کے نعتیہ ادب کی اہمیت ہی کو واضح نہیں کیا بلکہ اس کے دامن کو بھی وسیع کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ ان مضامین کے مطالعے سے مجھے تو ایسا لگا کہ "نعت رنگ" حتیٰ و صوب میں ایک مہربان سایہ ہے، "جس" میں ایک تازہ ہوا کا جھونکا ہے اور یہ سب آپ کی محنت شادہ کی بدولت

جوں جوں ہمارے معاشرے میں بہمت، سفاکی، بے حیائی، بد اخلاقی فاشی اور رقص و سرور کا رتجان بڑھ رہا ہے۔ اردو شاعری میں نعت گوئی کا رتجان بھی ترقی کر رہا ہے۔ موضوع اور تکنیکی اعتبار سے بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو میں نعت گوئی پر خاصے مضامین لکھے گئے ہیں نمبر بھی شائع ہوئے ہیں نعت کے فی پادوں کو اجاگر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی ایسا رسالہ دیکھنے میں نہیں آیا جو صرف اور صرف نعت اور نعتیہ ادب سے متعلق ہو۔ آپ نے اس بیڑہ کو اٹھایا ہے خدا آپ کی اسی طرح مدد کرتا رہے اور آپ اسی ذوق و شوق سے اس کے خدو خال نکھار کر جذب و کشش پیدا کرتے رہیں۔

میں نے نعت رنگ کے ہر شمارے کا مطالعہ کیا ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ آپ نے ہر شمارے کو مختلف موضوعات پر مبنی مضامین سے سجا کر اس کو اہم بنایا ہے۔ آپ وہ واحد نوجوان شاعر ہیں جنہوں نے نعت کو اپنے لئے منتخب کیا اور اس میں اپنے تخلیقی جوہر دکھائے ہیں اسی باعث آپ اس میدان میں ایسے تمام حضرات کو جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنی محنت و کاوش سے نعت کے فروغ میں اہم خدمات انجام دی ہیں اور خود آپ بھی جس خشوع و خضوع سے محنت کر رہے ہیں۔ رنگ رنگ پھولوں سے اس باغ کو سجانے کی شعوری کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کے ذوق و شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس زمانے میں رسالہ نکالنا کوئی آسان کام نہیں ہے، محام رسالوں کا اجراحی مشکل نظر آتا ہے، ایک آپ ہیں کہ ہر مرتبہ نعت رنگ نئی آب و تاب سے جلوہ افروز ہو رہا ہے۔ میری تو یہی دعا ہے، ”اللہ کرے آپ کا شوق نہ ہو کم۔“

وامق عدنان۔ لندن

راقم کو بچپن سے مذہبی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے۔ اس مرتبہ رمضان المبارک میں چھٹیاں گزارنے کراچی آیا ہوا ہوں۔ میرے دوست فیضان دانش نے نعت رنگ بطور تحفہ عنایت فرمایا ہے۔ سرورق کے ساتھ پرنٹنگ کا معیار بھی اچھا ہے۔ اب تک اپنی چوائس سے حافظ محمد افضل فقیر صاحب کا مضمون ”نعت کا مثالی اسلوب نظم“ جناب عاصی کرنالی کا مضمون اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات ”جناب رشید وارثی کا مضمون“ اردو نعت میں شان الوہیت کا استحضار، جناب عزیز احسن کا طویل مضمون جس میں اگرچہ تنقید کا حصہ بہت تھوڑا ہے لیکن بہتر ہے اور محترمہ بلیس شاہین کی خوبصورت تحریر ”محبت کی گواہی“ کا مطالعہ کیا ہے۔ تمام مقالہ جات بہت عمدہ ہیں خاص طور پر جناب رشید وارثی کے تحقیقی مضمون کا ناقدانہ انداز بہت اثر انگیز ہے۔ پھر چونکا دینے والے موضوعات پر خاصہ فرسائی کی گئی ہے۔ عام طور پر چونکا دینے والی تحریروں کا اثر زیادہ دیرپا نہیں ہوتا۔ میں بھی نارمل انداز

میں مزے لے کر پڑھتا تھا۔ لیکن مضمون کے آخر میں ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی تحریر کا اقتباس پڑھ کر مضمون کا دوبارہ مطالعہ کیا تو کتنی ہی مقامات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا پڑا۔ خدا جانے یہ اس بزرگ کی روحانیت کا اثر ہے یا محسوس دلائل کا اعجاز کہ جتنی بار اس تحریر کو پڑھا جاتا ہے۔ اسے دوبارہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محترم مقالہ نگار نے کسی نیچی خوردبین کے سارے اردو نعت کا مطالعہ کیا ہے۔ ورنہ ان سامنے کی باتوں کو اب تک پردہ اٹھا میں رہنے یا اس جانب توجہ نہ کرنے کو بھی ایک ایسے ہی کہا جاسکتا ہے۔ خدا تو فیق دے تو یہ بہت اہم باتیں ہیں۔ امید ہے نعت گو شاعر صاحبان ان باتوں پر ضرور توجہ دیں گے۔

ایک تجویز یہ بھی تحریر کر دیتا ہوں کہ آپ مضمون لکھنے والوں کے ڈاک کے پتے بھی شائع کریں تاکہ پڑھنے والوں کو ضروری باتوں پر رائٹر سے تبادلہ خیال کی سہولت میسر ہو۔ عام اخبارات تو مضمون یا مراسلہ نگاروں کی حفاظت کے پیش نظر ان کے لیے شائع نہیں کرتے لیکن آپ کے مقالہ نگاروں کے ساتھ تو یہ معاملہ نہیں ہے۔ لہذا آپ ضرور ان کے پتے شائع کریں۔ خدا آپ کو اس عظیم کام کا اجر عطا فرمائے۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

”نعت رنگ“ کا دوسرا شمارہ لکھل عادل زادہ صاحب کے پاس دیکھا تھا۔ دوسرے ہی دن برادرم معراج جانی نے اسے مجھے پڑھنے کے لئے لا کر دیا۔

رفضان کے مہینے میں مطالعے کے لیے یہ ایک بہترین کتاب ثابت ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مجھے امید نہ تھی کہ یہ ایک اتنی عمدہ کتاب ہوگی۔

سات مضامین میں چار تو معرکہ آرا کئے جاسکتے ہیں۔ خصوصیت سے عزیز احسن صاحب کے مضمون ”نعت اور شعریت“ نے بہت متاثر کیا۔ ان کے علم اور مطالعے اور ذوق نے مجھ پر گہرے اثرات ڈالے۔ عزیز احسن کے تنقیدی مضامین میں نے ادبی جریدوں میں پہلے نہیں دیکھے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بچے اور بہترین ناقد ہیں اور یہ جو ہمارے پاس ڈیڑھ سو ”پروفیسر“ اور ڈاکٹر قسم کے ناقد بھرے ہوئے ہیں ان سے دور رہتے ہیں کہیں افضل نظر آئے۔ کچھ ایسا ہی میں نے رشید وارثی صاحب کے مضمون کو پایا۔ کیا یہ عمدہ باتیں لکھی ہیں۔ اور کیا خبر اسی سے انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف برتا اس کی داد نہ دینا نا انسانی ہوگی۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ اس قسم کی نشاندہی شعرائے کرام کو اتنی ہی ملتی ہے کہ ان کے دہانوں سے کف نکلنے لگتا ہے۔

فکرو فن کے عنوان کے تحت دیے گئے جائزے میں مجھے اقبال جاوید کی کاوش بہت اچھی لگی۔ نذیر

قیصر کی نعتوں سے انہوں نے جو کچھ سیکھا کیا اس کے پیش نظر اگر میں کیوں کہ یہ شاعر واقعی سچا نعت گو ہے تو غلط ہو گا۔ اس کا ہر شعر شعریت سے معمور تھا اور احترام رسول خدا سے روشن حرف در حرف نور نکھرا ہے میں سیاحی کے ساتھ کیا لکھوں میرے زخموں پر بھی رکھ دے اپنے ہاتھ شفاعت والے ایک ہاتھ پہ سورج رکھا ایک پہ چاند تیری پاؤں کی دھول کے آگے دونوں پڑ گئے ماند اور یہ شعر

منہ شب خالی تھا تیرے ہاتھوں نے حرف ستارہ لکھا اور اچھا لیا

بہر حال آپ کا مرتب کردہ یہ سلسلہ خوب ہی نہیں بہت خوب ہے۔ میں آپ کے احتساب سے بھی بہت محفوظ ہوا ہوں لیکن بوجہ زیادہ تعریف سے احتراز کر رہا ہوں۔ ورنہ اس شعر سے کون صرف نظر کر سکتا ہے۔

ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر بنو آ ورنہ ملتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم میں اتنا زیادہ ”مشہور و محزون“ نہیں ہوں کہ ہر ایک سے توقع رکھوں کہ وہ مجھے جانتا ہو گا۔ تاہم آپ حرف و تحریر کی دنیا کے آدمی ہیں ہو سکتا ہے۔ اس حقیر کے نام سے آگاہ ہوں۔ میرے بارے میں کچھ باتیں آپ کو بھائی گلگیر عادل زادہ سے معلوم ہو جائیں گی ہم دونوں کا ساتھ کوئی تیس برس کا ہے۔ آپ جیسے نوجوانوں سے ملنے کا بہت شوق رہا ہے۔ ملنا چاہوں گا۔ رابطہ کریں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔

شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

چند روز ہوئے عمران نقوی کی عیادت کے لئے لاہور گیا۔ (جو سڑک کے ایک حادثے میں لیگ پلنگ کر دیا چکے ہیں)۔ میرا مطلب ہے کہ باقاعدہ فریکچر ہو گیا ہے اور ڈیڑھ دو مہینے سے بستر پر ہیں۔ ارادہ تھا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چوبی اپنے بھائی جان پر و فیشر بشیر احمد قادری (جو گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ اردو میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ایم اے کے لئے ۷۶-۷۷ء میں ”مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری“ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ چکے ہیں) کے ہاں پہنچ جاؤں گا مگر عمران نقوی کی شدت اخلاص آڑے آئی اور رات وہیں گزارنا پڑی۔ صبح اجازت چاہنے کو تھا کہ محترم حفیظ تائب صاحب بھی آگئے۔ خوب نشست رہی واپسی پر حفیظ تائب صاحب اور میں اکٹھے مینار پاکستان تک آئے۔ عمران نقوی اور حفیظ تائب سے آپ کے ”نعت رنگ“ اور سب کے صبیح رحمانی کے حوالے سے باتیں ہوتی رہیں۔ ہر کوئی بشمول میرے آپ کے حسن کارکردگی کا مداح ہے۔ میں تو کہوں گا کہ ادھر آفتاب (نقوی) غروب ہوا ادھر آفتاب (صبیح رحمانی) طلوع ہو گیا خدائی وعدہ یاد آ رہا ہے۔ ورنہ غنا لک ذکر کر

ڈاکٹر محمد اسحق قریشی صاحب بھی خوش تھے۔ حافظ لدھیانوی بھی نعت رنگ دیکھ کر مسرور تھے اور ریاض مجید صاحب بھی شکر یہ ادا کر رہے تھے۔ کوثر علی، قمر عباس، قمر، انضال اور انور، حمید شاکر، محمد ثناء اللہ ظہیر غرض جس کسی نے بھی نعت رنگ دیکھا نعت رنگ میں رنگ دکھائی دے رہا ہے۔ حافظ لدھیانوی صاحب ان دنوں علیل ہیں اور بڑھاپے کی کمزوری کے باعث چلنے پھرنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے لئے دعا کیجئے گا۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔

سجاد سخن کراچی

"نعت رنگ" دیکھا پڑھا اور دعائیں دیں کہ خدا آپ کو ان کوششوں کا اجر دے اور مزید دلولوں سے نوازے، ابتدائیہ سے شاہنواز مرزا کے مکتوب تک مطالعہ کیا۔ مضامین اور گوشتے اچھی پیش رفت ہے۔ کشفی صاحب نے خط کی صورت میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا کہ سچے خدا پرست اور عاشق رسول کو ایسے ہی عظیم کردار اور جذبوں کا حامل ہونا چاہئے کیونکہ یہی چیزیں ایک انسان کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔

مضامین میں تقریباً "سب ہی قابل تعریف ہیں لیکن جناب عاصی کرنال نے نعت کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے شاعری میں مروجہ بحور و نظام اوزان کے ذریعہ نئے اور پرانے ایسے تمام شعراء کی رہنمائی کی ہے جو شعر تو موزونی طبع سے کہہ لیتے ہیں لیکن بحور سے نااہل ہیں اور یہ ایک اچھی کوشش اور احسن طریقہ ہے۔ محترم رشید وارثی نے عقائد کی روشنی میں نعتیہ شاعری میں احتیاط اور مقام رسالت مآب کی جو نشان دہی کی ہے میں اسے تصور نہیں بلکہ اسے ایک دینی دوست کی سچائی کی علامت سمجھتا ہوں کیونکہ اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کی کوتاہی بیان کر دے، خدا کرے وہ اسی روش اور غلوں پر ثابت قدم رہیں اسی طرح عزیز احسن صاحب، شفیق الدین شارق صاحب، پروفیسر سحر انصاری صاحب، بشیر احمد قادری صاحب اور آپ کا مضمون "سب ہی متاثر کر گئے ہیں۔ آخر میں پہلے مضمون نگار حافظ محمد افضل فقیر صاحب کے مضمون پر صرف انا کون کا کہ

مسرور کون و مکاں کی رونمائی کے طفیل
حرف کی قسمت پہ مدحت کے درپے نکل گئے

ارشاد اقبال۔ لاہور

آپ کی مرتب کردہ کتاب "نعت رنگ" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت معلومات حاصل ہوئی۔ پروفیسر حفیظ نائب صاحب کی تحریر تو بہت مرتبہ پڑھتا رہتا ہوں۔ حافظ محمد افضل فقیر صاحب کا مضمون بہت اچھا لگا۔

بلکہ سارے ہی مضمون بہت اچھے ہیں۔ لیکن بڑا تعجب ہوا رشید وارثی صاحب کا مضمون پڑھ کر کہ اتنی اتنی بڑی غلطیاں ہونے کے باوجود اب تک ان کو کیوں سامنے نہیں لایا گیا اور ہر کتاب کے تعارف میں جو ادیبوں کی رائے ہوتی ہے وہ صرف تعریف ہی تعریف ہوتی ہے۔ میں نے خود بھی غور کیا تو مضمون میں لکھی ہوئی باتیں ٹھیک معلوم ہوتی ہیں رشید وارثی صاحب کا تعلق کس شہر سے ہے۔ ان کا ایڈریس مجھے بھیج دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کتاب میں شامل مذاکرہ بھی بہت معلوماتی ہے۔ کراچی کے شاعروں کے بارے میں آپ کی تحریر بہت محنت سے لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور لکھنے کا ڈھنگ دل میں گھر کرنے والا ہے۔ کوئی بات غلط لکھ دی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ مجھے پڑھنے کا شوق ہے لیکن لکھنے کی دشواری ہے۔ زیادہ حد آداب سب گھروالوں کو ادب سے سلام عرض کرتا ہوں۔

”سید البشر“ اردو سانیٹ میں سیرت نگاری کی واحد مثال ہے۔ اس میں تخلیقی توانائی کی وہ چمک موجود ہے جو قوت اظہار اور فنکارانہ ریاضت کے ثمر و شکر ہونے سے پیدا ہوتی ہے مجھے یقین ہے یہ مجموعہ اردو کے سیرتی ادب میں نئی روایت کا نقیب ٹھہرے گا“ (صبح رحمانی)

معروف شاعر منصور ملتانی کے سانیٹ کا مجموعہ

”سید البشر“ (معثری تصریحات)

جلد شائع ہو رہی ہے

ناشر: الکلیف نمٹ ۲۵۔ ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیروز شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۵۸۵۰ پاکستان

”م“ اردو کے جدید نعتیہ ادب میں ایک زندہ اضافہ ہے

معروف شاعر غالب عرفان کی نعتوں کا مجموعہ

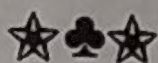
”م“

جلد شائع ہو رہا ہے

ناشر: الکلیف نمٹ ۲۵۔ ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیروز شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۵۸۵۰ پاکستان

۲۵۔ ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹ نمبر فیروز شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۵۸۵۰

ادیبوں، شعراء اور ناشرین کے لئے حیرت انگیز سہولت

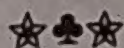


پاکستان کا واحد ادارہ جو کمپیوٹر کمپوزنگ سے لے کر پرنٹنگ، بائینڈنگ اور
ڈسٹری بیوشن تک تمام خدمات انجام دیتا ہے

یعنی تمام مرحلے ایک ہی چھت تلے

میڈیا سروسز

تمام طباعتی جہن جہتوں سے آپ کو آزاد کرنے کیلئے یہ انقلابی
اقدام یقیناً آپ کی سہولت کا باعث ہوگا



رسالے، کتابیں، مجلے، رپورٹس اور ہر قسم کی طباعتی کام کی ذمہ داریوں
کے لئے ہمارا نام یاد رکھیں

☆..... رابطہ.....☆

39۔ پریس چیمبر نزد روزنامہ جنگ چندریگر روڈ کراچی فون 2634334

مطبوعاتِ دبستانِ وارثیہ

- ۱۔ یم تحریک قمر وارثی (مجموعہ غزل) ۵۰ روپے
- ۲۔ حضورِ وارثِ رح قمر وارثی (مجموعہ مناقب) ۵۰ روپے
- ۳۔ کھٹ الوریٰ قمر وارثی (مجموعہ نعت) ۸۰ روپے
- ۴۔ رسالتِ مآب ۳ نشر اکبر آبادی (مجموعہ نعت) ۶۰ روپے
- ۵۔ رنگِ روشنی خوشبو سجاد سنن (مجموعہ نعت) ۱۰۰ روپے
- ۶۔ سننِ سرائے حیدر مچلی شہری (مجموعہ غزل) ۱۲۰ روپے
- ۷۔ خوشبو سے آسماں تک قمر وارثی، اختر لکھنوی (نعتیہ انتخاب) ۹۰ روپے
- ۸۔ جلوے حیاتِ آراستہ قمر وارثی (نعتیہ انتخاب) ۱۲۰ روپے
- ۹۔ شاخِ نہالِ غم اختر لکھنوی (مجموعہ غزل) ۱۰۰ روپے

دبستانِ وارثیہ

۱۲۔ ایل ۴۶۴ اور بنگی کراچی

فون ۶۶۵۹۲۸۵

صبحِ رحمانی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں نعت گوئی کا قرینہ عطاء ہوا ہے (تابش دہلوی)
 صبحِ رحمانی کے نعتیہ اشعار میں ایمان و وجدان کی تب و تاب اہل ذوق کی توجہ کا مرکز ہے۔ (مشرید ایوبی)
 ”پہچان“ اور ”کافذی مکان“ دو ایسے نشانات ہیں جو صبحِ رحمانی کی حمدیہ و نعتیہ شاعری کو قابلِ رشک مقام پر فائز کرتے ہیں۔ (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

صبحِ رحمانی نے اپنے سفر کے آغاز ہی میں اپنے نقوشِ قلم اور نقوشِ قدم سے اپنی آمد کا اعلان کر دیا ہے۔ (ڈاکٹر ابوالخیر کشفی)

جادو رحمت ہمارے نعتیہ ادب میں ایک جہت نما کا اضافہ ہے۔ (حفیظ تائب)

عمر کی جوانی اور فکر کی جوانی یکجا دیکھنی ہو تو صبحِ رحمانی اور جادو رحمت کو دیکھ لیجئے۔ (عاصی کرنالی)

صبحِ رحمانی کا اسلوب اعلان کر رہا ہے کہ آنے والا وقت اس کے لئے آنکھیں بچھائے ہوئے ہے۔ (منظف دارانی)
 صبحِ رحمانی کی نعتیہ نظموں میں جدید تر اسلوب اور عمری حیثیت کے ساتھ سرکارِ دو عالم کی مدحت کی گئی ہے۔ (احمد ہمدانی)

صبحِ رحمانی اپنی خوش الحانی اور اپنی نعت گوئی کے اعتبار سے اپنی ”مدینہ سامانی“ اور طرفہ بیانی کے آئینے میں میرے لئے کمالِ حیرانی کا باعث تھا اور رہے گا۔ (صبا اختر)

یہ ایک ایسے جوانِ سال شاعر کا کلام و وجدانی ہے جو اپنی عمر سے بہت آگے بڑھ کر لبِ کشا ہے۔ (شبیم رومانی)

صبحِ رحمانی کی نعتیں فن کی پختگی، بیان کے وقار اور حفظِ مراتب کے شعور کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ (حمیم فراقی)

جادو رحمت افقِ شعر پر پھیلے ہوئے دھند لکوں میں بیانیہ صبح کی طرح ہے۔ (راجا رشید محمود)

اکیسویں صدی میں تازہ نعت گوئی کے حوالے سے جو لوگ داخل ہوں گے ان میں صبحِ رحمانی کا نام اہمیت سے لیا جائے گا۔ (جاذبِ قریشی)

جوانِ سال نعت گو صبحِ رحمانی کا نعتیہ مجموعہ

”جادو رحمت“

شائع ہو گیا ہے

بدیہ ۷۰ روپے

ناشر - ممتاز پبلشرز


۲۰ نوشین سینٹر اردو بازار کراچی

www.facebook.com/Naat.Research.Centre

With
Complements

From

PRISM
ENTERPRISES



Customs Clearing, Freight Forwarding,
Packing & Shipping Agency.

4/2, 6/2 Arkay Square, Shahra-e-Liaquat
New Challi, Karachi Tel : 2429077 - 2424142